ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت اور دینی خدمات

رافعة الجبين

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاھور

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت اور دینی خدمات

رافعۃ الجبین

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501
maktaba@tanzeem.org

نام کتاب ——— ڈاکٹر اسرار احمد ؒ: شخصیت اور دینی خدمات

طبع اوّل (جنوری 2016ء) ——— 1100

ناشر ——— ناظم نشر واشاعت‘ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت ——— 36۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور

فون: 3-35869501

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس‘ لاہور

قیمت ——— 250 روپے

ISBN: 978 - 969 - 606 - 039 - 0

email:publications@tanzeem.org
website:www.tanzeem.org

فہرست

تقدیم 5

مقدمہ 7

باب اول: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور ان کا دور **13**

فصل اوّل: احوالِ حیات 15

فصل دوم: ڈاکٹر صاحب کا دور —— ایک جائزہ 56

باب دوم: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی، تبلیغی اور تنظیمی خدمات **103**

فصل اوّل: دعوتی اور تبلیغی خدمات کے ذرائع اور طریق کار 105

فصل دوم: تدریسی اور اشاعتی اداروں کا قیام 113

فصل سوم: دعوتی اور تنظیمی اداروں کا قیام 129

باب سوم: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ تفسیر قرآن **157**

فصل اوّل: دروسِ قرآن 159

فصل دوم: تفسیر ''بیان القرآن'' 181

باب چہارم: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفی اور تالیفی خدمات **205**

فصل اوّل: قرآنِ حکیم 207

فصل دوم: سنت و سیرت 217

فصل سوم: حقیقتِ دین اور مطالباتِ دین 225

فصل چہارم: احیائے اسلام اور اسلامی تحریکیں 246

فصل پنجم: ملت و سیاست 256

باب پنجم:	ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے افکار اور عصرِ حاضر	**271**
فصل اوّل:	منہجِ انقلابِ نبویؐ اور عصرِ حاضر	273
فصل دوم:	عصرِ حاضر میں نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ	284
	خلاصہ بحث	305
	مصادر و مراجع	312

انتساب

محترم والدین کے نام

جن کی شفقت، راہنمائی اور حوصلہ افزائی

ہمیشہ میرے شامل حال رہی

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے اعلیٰ شخصی احوال اور گرانقدر علمی، دینی و قرآنی خدمات کا اعتراف صرف اُن کے معتقدین ہی کو نہیں، بلکہ اس دور کے ہر باشعور مسلمان کو ہے۔ دروسِ قرآن کے ذریعے قرآنی تعلیمات کا عوامی سطح پر فروغ اور علومِ دینیہ کو جدید دور کے idiom میں پیش کرنا، ڈاکٹر صاحب ؒ کا طرۂ امتیاز ہے۔ ڈاکٹر صاحب ؒ کا شمار دورِ جدید کے عظیم دینی سکالرز میں ہوتا ہے اور پاکستان ہی نہیں، بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ڈاکٹر صاحب کو عقیدت اور ان کی جملہ خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ؒ کی خدمات کو ایک جملہ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ آپ ؒ نے اسلام، قرآن، قرآنی تعلیمات، تعلیم و تربیت، نظامِ خلافت کا قیام، پاکستان اور پھر اُمت مسلمہ سے متعلقہ امور کے بارے میں انتہائی انہماک، دل سوزی اور تندہی سے خدمات، زندگی کے آخری لمحوں تک انجام دیں۔

ڈاکٹر صاحب کی انہی خدمات کو دیکھتے ہوئے مختلف یونیورسٹیز میں ڈاکٹر صاحب کے سوانح اور اُن کی خدمات کو مقالہ جات کا موضوع بنایا گیا ہے اور زیرِ نظر کتاب ''ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی شخصیت اور دینی خدمات'' بھی درحقیقت ایک مقالہ ہی ہے جو لاہور یونیورسٹی، ایم ایس اسلامک سٹڈیز کی طالبہ محترمہ رافعۃ الجبین کا تحریر کردہ ہے۔ مقالہ کا اسلوب اور تحقیقی کام مقالہ نگار کی اَن تھک محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انتساب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ محترمہ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ جنہیں انتہائی مہربان اور بہت تعلیم یافتہ والدین کی بہت مثبت اور مکمل راہنمائی اور تعاون قدم بقدم میسر ہے۔

مقالہ نگار نے مقدمہ میں اپنے مقالہ کی غرض وغایت پر احسن طریقے سے روشنی ڈالی ہے اور پھر اس مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کر کے ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بہت ہی عمدہ اور احسن طریقے سے ایک تصویر کشی کے روپ میں سمیٹا ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر تا دمِ آخر ایک مجاہدانہ کردار کا بھرپور تبصرہ ہے۔

مقالہ ہٰذا میں حقیقت دین، مطالباتِ دین، احیائے اسلام، اسلامی تحریکوں، منہج انقلابِ نبویؐ اور خاص طور پر نظامِ خلافت کے حق میں ڈاکٹر صاحب ؒ کی خدمات کا تذکرہ موجود ہے، یہی وجہ ہے

کہ معاشرے کا ہر طبقہ بشمول تعلیم یافتہ اور سیاست پیشہ افراد' جبکہ خاص طور پر دین سے لگاؤ رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ و طالبات اپنے مزاج کے مطابق اس مقالہ سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔

مقالہ نگار نے بہت کاوش سے ڈاکٹر صاحبؒ کے والدین اور خاندان کے دیگر افراد کے علاوہ اُن شخصیات کے بارے میں بھی تفصیل فراہم کی ہے جن محترم حضرات و شخصیات سے آپؒ نے اکتسابِ علم' فیض اور راہ نمائی پائی۔ شخصیت سازی کے عمل میں جو مثبت اثرات باعلم اور باعمل شخصیات سے دوسروں میں منتقل ہوتے ہیں' اُن میں سے ڈاکٹر صاحبؒ نے وافر حصہ پایا۔

ڈاکٹر صاحبؒ کی اُن خدمات' جن کا تعلق تحریک پاکستان' جماعت اسلامی' تبلیغ' درس و تدریس اور خاص طور پر قرآنی تعلیمات کے فروغ کے سلسلے سے ہے اور جن کے لیے انتہائی عرق ریزی سے آپؒ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں آخری سانس تک وقف رکھی تھیں' اُن کو کمال جزئیات کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لا کر مقالہ نگار نے آنے والی نسلوں کے لیے ایک گرانقدر خدمت انجام دی ہے' جس کا اجر انہیں اس دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی' ان شاء اللہ!!!

مزید یہ کہ اس مقالہ کی ترتیب' ذخیرۂ معلومات' مختلف ذرائع اور کتب سے مطلوبہ معلومات کی فراہمی' پھر اُن سب کو ایک نظم میں لانا اور آخر میں حواشی اور کتابیات کو مرتب کرنا' ایک بہت صبر آزما معرکہ رہا ہوگا۔ اس مستند ذخیرے کو ترتیب دے کر مقالہ نگار نے ایک بہت معلومات افزا اور بہت دقیق محققانہ خدمت انجام دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے شخصی احوال اور ان کی جملہ خدمات کے تناظر میں مقالہ ہٰذا کی مندرجہ بالا اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور نے اس مقالہ کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ کیا — قرآن اکیڈمی کے شعبہ تحقیق کی طرف سے نظر ثانی اور بعض ضمنی تصحیحات اور شعبہ مطبوعات کی طرف سے ازسرِ نو سیٹنگ کے بعد مقالہ ہٰذا کو ''ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی شخصیت اور دینی خدمات'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محترمہ رافعتہ الجبین کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی دینی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین اسلام کی خاطر اپنا جان اور مال لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

حافظ عاطف وحید

انچارج شعبہ تحقیق' قرآن اکیڈمی' لاہور

مقدمہ

علم کی مثال انسانی زندگی میں اس روشنی کی مانند ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ علم وہ سرمایہ حیات ہے جو انسانی زندگی کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرتا ہے۔ ہر انسان کو حقیقی کامیاب زندگی گزارنے کے لیے بنیادی علم تک رسائی اور اس سے واقفیت اور شناسائی ضروری ہے' لیکن یہ حقیقت بھی سامنے رہے کہ تنہا علم کا ہونا ہی کافی نہیں بلکہ کامل کامیابی' ایمان' عملِ صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے نتیجے میں حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم اور عمل باہم ایک دوسرے سے مربوط اور جڑے ہوئے ہیں۔

جہاں اسلام' اہل علم اور اس کی تلاش و جستجو میں مصروفِ عمل لوگوں کو جنت کے راستے کا مسافر قرار دیتا ہے۔ (۱) وہیں اس کی اشاعت و پھیلاؤ کو بھی لازم وضروری قرار دیتا ہے تاکہ یہ روشنی پھیلے اور جہالت کے اندھیرے دور ہوں۔

تاریخ ایسے ہی عظیم لوگوں کو یاد کرتی ہے جو علم حاصل کرنے' اس پر عمل کرنے اور اس کی ترویج و پھیلاؤ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ جن کا اوڑھنا بچھونا علم بن جاتا ہے۔ جن کی پہچان اور شناخت علم ہوتی ہے۔ جنہیں وقت اور زمانہ گم نہیں کر پاتا بلکہ اہل علم تو تاریخ کے صفحات پر روشن ستاروں' چاند اور سورج کی مانند دمکتے چمکتے ہوئے متلاشیانِ علم کی پیاس بجھانے کا باعث بن کر دائمی سرخروئی اور کامیابی کو پا لیتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو بہترین اُمت' اشاعتِ علم و دین یعنی معروف کا حکم دینے اور منکرات سے منع کرنے کی وجہ سے قرار دیا ہے۔ (۲) اور اسے دین اسلام کا امین بنا کر اس پر عبادتِ الٰہی' شہادت علی الناس اور اقامت دین جیسے فرائض عائد کیے ہیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی نظروں سے دین کے اہم ترین تقاضے اوجھل ہوتے گئے اور

---

(۱) ((وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ)) البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح ، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، دار السلام للنشر والتوزیع ،الریاض،ترجمۃ الباب،۱٦

(۲) ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ آل عمران ۳:۱۱۰

فرائض علم دینی کا تصور چند انفرادی عبادات اور معاشرتی رسومات کی ادائیگی تک محدود ہو گیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں احیائی تحریکوں کی بدولت عالم اسلام میں مذہب کی بجائے اسلام کے دین ہونے کا تصور اُبھرا۔ پاکستان میں بھی مختلف دینی شخصیات اور جماعتیں اسلام کے دین ہونے کی حیثیت کو اجاگر کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ انہی دینی شخصیات میں ایک سکالر ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ کا کردار اس سلسلے میں بہت اہم ہے کہ آپ نے اپنے دروسِ قرآن اور خطبات کے ذریعے قرآنِ حکیم کی روشنی میں فرائض دینی کا ایک جامع تصور پیش کیا۔ آپ نے مختلف موضوعات پر سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ اخبارات و رسائل میں آپ کے مضامین ایک کثیر تعداد میں چھپ چکے ہیں جن میں اکثر موضوعات کی بنیاد تعلیماتِ قرآن پر ہے جس سے آپ کی قرآن مجید سے محبت اور اس کی دعوت کو عام کرنے کے جذبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کے پیشِ نظر دو کام تھے: ایک دعوت رجوع الی القرآن جس کے لیے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی اور دوسرا کام غلبہ اقامت دین کی جدوجہد تھی جس کے لیے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی تشکیل دی۔ سیاست کے حوالے سے آپ کا اپنا نکتۂ نظر تھا کہ آپ انتخابی سیاست کے قائل نہیں تھے کیونکہ آپ کے مطابق انتخابات کے ذریعے وہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے جو ایک اسلامی ریاست کا مقصود ہوتے ہیں۔ آپ عالم اسلام میں اسلامی نظامِ خلافت کو قائم کرنے کے خواہاں تھے اور بالخصوص پاکستان کی بقا اور استحکام کی ایک ہی صورت بیان فرماتے تھے کہ یہاں اسلامی انقلاب برپا ہو کیونکہ یہ ملک اسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا اور اسلامی انقلاب کے لیے جو لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا وہ صرف اُسوۂ رسول ﷺ میں ہے۔ یہ انقلاب وہ تبدیلی ہوگی جو ملک کے سیاسی، معاشی اور سماجی نظام سے متعلق ہو۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۹۱ء میں پاکستان میں ''نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' قائم کرنے کے لیے ''تحریکِ خلافتِ پاکستان'' کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے مغرب کے نظریات کے خلاف آواز بلند کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل سے بھی آگاہ کیا۔ آپ نے صرف اسلامی نظام کا خاکہ ہی پیش نہیں کیا بلکہ عملاً ساری زندگی اس کے نفاذ کے لیے مصروفِ عمل رہے۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ احیائے دین کے اس مایہ ناز علمبردار کی علمی اور دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ لیا جائے اور آپ کی خدمات کا مفصل بیان مقالہ کی صورت میں پیش کیا جائے۔

بالخصوص جو خدمات انہوں نے قرآنِ مجید کی تعلیم کے فروغ اور اسلامی نظامِ خلافت کے قیام کے لیے پیش کیں انہیں یکجا کیا جائے تا کہ عامۃ الناس بیک وقت آپ کی شخصیت اور خدمات سے مستفید ہوسکیں۔ اس سے پہلے ایم اے' ایم فل یا پی ایچ ڈی کی سطح پر اس نوعیت کا کام نہیں ہوا اگر چہ ایم اے کی سطح پر تنظیم اسلامی کی دینی وعلمی خدمات پر شعبہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی سے اور انسٹی ٹیوٹ آف میک گل یونیورسٹی کینیڈا سے انگریزی زبان میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے سیاسی افکار اور سرگرمیوں پر مقالات تحریر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے اخبارات اور رسائل میں آپ کی شخصیت اور خدمات پر مضامین بھی چھپے ہیں لیکن وہ آپ جیسے عظیم دینی سکالر کی شخصیت اور خدمات کے بارے میں آگاہی فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔

موجودہ دور میں شخصی مقالات کو وہ پذیرائی حاصل نہیں ہوتی جو دیگر تحقیقی مقالوں کو حاصل ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر شخصیات پر تحریر کردہ مقالات کو اپنے مخصوص نظریات اور مسالک کی اشاعت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسلام شخصیت پرستی کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ نظریات اور اصول پرستی پر زور دیتا ہے۔ اسی لیے وہ شخصی محاسن جو قاری کے دل میں شخصیت پرستی کا سبب بن جائیں اور اسے اسلام کی اصل تعلیم سے دور کر دیں یہ اسلامی اور تحقیقی نکتۂ نظر سے درست نہیں۔ مقالہ ہذا میں حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے شخصی محاسن کو بڑھا چڑھا کر بیان نہ کیا جائے بلکہ ان کے کیے گئے کام اور ان کی دعوتی' تنظیمی اور تصنیفی خدمات کو پیش کیا جائے تا کہ نئی نسل ان کی مساعی جمیلہ سے راہنمائی حاصل کر سکے۔

تحقیقی مقالہ کے مذکورہ بالا موضوع کو پانچ ابواب اور ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے:

بابِ اوّل میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی اور ان کے دور کے احوال تحقیقی اسلوب پر جمع کیے گئے ہیں۔ جس کی فصل اوّل میں آپ کے خاندانی پس منظر' تعلیم و تربیت' شخصیت و کردار' آپ کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والی شخصیات اور چند معاصرین سے روابط کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ فصل دوم میں ڈاکٹر صاحب کے دور کے سیاسی' سماجی' معاشی اور مذہبی احوال کا جائزہ آپ کی تحریروں ہی کے آئینے میں لیا گیا ہے تا کہ ایک طرف ان حالات سے آگاہی ہو جن میں رہتے ہوئے آپ نے علمی و دینی خدمات سرانجام دیں اور دوسری طرف ان مسائل سے آگاہی ہو جن کی آپ نے نشاندہی کی اور ان کا حل بھی پیش کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اس زمانے کی جن دینی اور ملی تحریکوں میں حصہ لیا' ان کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

باب دوم میں ڈاکٹر صاحب کی دعوتی' تبلیغی اور تنظیمی خدمات کا ذکر ہے' اسے تین فصول

میں ترتیب دیا گیا ہے۔ فصل اوّل میں دعوتی اور تبلیغی خدمات کے ذرائع اور طریق کار کا تذکرہ ہے۔ فصل دوم تدریسی اور اشاعتی اداروں کے قیام کے بارے میں ہے اور فصل سوم میں دعوتی اور تنظیمی اداروں کے قیام کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب سوم ڈاکٹر صاحب کی خدماتِ تفسیر قرآن کے بارے میں ہے اور اسے دو فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ فصل اوّل دروسِ قرآن اور فصل دوم تفسیر ''بیان القرآن'' کے بارے میں ہے۔ ان دونوں فصول میں ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن اور بیان القرآن کا منہج اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

باب چہارم ڈاکٹر صاحب کی تصنیفی اور تالیفی خدمات کے جائزے پر مشتمل ہے جس میں صرف آپ کی ان تصانیف کا جائزہ لیا گیا ہے جو کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اس باب میں ڈاکٹر صاحب کی کتب کو مختلف عنوانات کے تحت پانچ فصول میں تقسیم کر کے زیر بحث لایا گیا ہے۔ فصل اوّل میں قرآن حکیم، فصل دوم میں سنت و سیرت، فصل سوم میں حقیقت دین اور مطالباتِ دین، فصل چہارم میں احیائے اسلام اور اسلامی تحریکیں اور فصل پنجم میں ملت و سیاست کے عنوان کے تحت آنے والی تصنیفی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب پنجم ''ڈاکٹر صاحبؒ کے افکار اور عصر حاضر'' کے عنوان سے دو فصول میں ترتیب دیا گیا ہے۔ فصل اوّل منہج انقلابِ نبویؐ اور عصر حاضر اور فصل دوم عصر حاضر میں نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ پر مشتمل ہے۔

دورانِ تحقیق جس طریق کار کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) مقالہ تحریر کرنے کے لیے ابواب بندی منطقی انداز میں کی گئی ہے۔

(۲) تحقیق کے لیے بیانیہ طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) تحقیق کی غرض سے بنیادی اور ثانوی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ دیگر بنیادی اور ثانوی مصادر کے علاوہ بالخصوص بنیادی مصادر کے طور پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تحریر کردہ کتب، مضامین اور سی ڈیز سے براہ راست استفادہ کیا گیا ہے جبکہ ثانوی مصادر میں آپ کے خاندان، احباب، رفقاء اور ادارہ کے عملے سے بالمشافہ ملاقات سے معلومات حاصل کی گئی ہیں۔

(۴) موضوع سے متعلق ممکنہ حد تک رسائل و جرائد سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۵) ہر باب کے اختتام پر حوالہ جات کو ترتیب و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

(۶) کسی کتاب کا پہلی دفعہ ذکر آنے پر اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے یعنی مصنف کا پورا نام، کتاب کا نام، مقامِ اشاعت، طباعت، سن اشاعت، جلد نمبر اور صفحہ کو ۱/۳۴۳ اس انداز میں لکھا گیا ہے۔ جبکہ کتاب کا آئندہ ذکر آنے پر محض کتاب اور صفحہ نمبر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(۷) جہاں کہیں ایک ہی نام کی ایک سے زیادہ کتب آ رہی ہیں ان کے نام کے ساتھ مصنف کا نام بھی درج کیا گیا ہے۔

(۸) رسائل و جرائد کا حوالہ ہر مرتبہ مکمل درج کیا گیا ہے۔

(۹) آیات اور احادیث کے لیے معروف طریقہ ہی اختیار کیا گیا ہے۔

(۱۰) اس کے علاوہ درج ذیل رموز اختیار کیے گئے ہیں:

(i) آیات کے لیے ﴿ ﴾

(ii) حدیث کے لیے (( ))

(iii) اقتباس کے لیے " "

(iv) آیت، حدیث اور کسی بھی عربی اقتباس کے ترجمہ کے لیے " "

(۱۱) مقالہ کے آخر میں خلاصہ بحث اور اشاریہ تحریر کیا گیا ہے۔

(۱۲) مقالہ کے اختتام میں مصادر و مراجع کی فہرست الف بائی ترتیب سے دی گئی ہے۔

اپنی دانست میں مَیں نے اس مقالہ کو بساط بھر بہتر سے بہتر طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب اللہ العلام بہتر جانتا ہے کہ میں اس میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہوں۔ اس مقالہ کی تکمیل میں میرے رب جلیل کی کرم نوازی شامل حال نہ ہوتی تو میں یہ کام مکمل نہ کر سکتی۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ معلمانہ، ادارہ جاتی اور گھریلو ذمہ داریاں مختلف اعتبارات سے احوال کو نامساعد بناتی رہیں پھر میری علمی بے بضاعتی اس پر مستزاد تھی لیکن دعوتِ دین کا شرعی تقاضا اور ایک معلم پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا احساس تھا جو داعیانِ اسلام کے احوال و خدمات پر کام کو آسان بناتا رہا۔

میں اپنا اخلاقی فرض خیال کرتی ہوں کہ ان تمام اشخاص کا شکریہ ادا کروں جن کے تعاون اور حوصلہ افزائی نے مجھے اس قابل کیا کہ اس موضوع پر قلم اٹھا سکوں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے مقالہ کی نگران ڈاکٹر جمیلہ شوکت پروفیسر ایمیریٹس شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور کی شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالہ کی تیاری میں صدقِ دل سے میری رہنمائی اور

مدد فرمائی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے جس خلوص کے ساتھ میری عالمانہ اور مشفقانہ حوصلہ افزائی کی وہ مقالہ لکھنے میں میرے لیے سنگ میل ثابت ہوئی۔

میں اپنے والد محترم پروفیسر صلاح الدین قاضی سابق ڈین آف آرٹس و سابق صدر شعبہ عربی و اسلامیات، گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کی پدرانہ اور معلمانہ محبت و شفقت اور اعلیٰ تربیت کے نتیجے میں مَیں تعلیم کے اس مقام پر پہنچی اور اس لائق ہوئی کہ یہ مقالہ احاطہ تحریر میں لائی۔

میں اپنے رفیق حیات جناب تحسین احمد علوی کی بھی ممنونِ احسان ہوں کہ جو اس تحقیقی سفر کے ہر مرحلہ میں میرے لیے بھرپور معاون ثابت ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر نسیم سحر صمد سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور کا ممنون ہونا بھی مجھ پر واجب ہے جن کی ترغیب اور حوصلہ افزائی نے اس مقالہ کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا۔ محترمہ پروفیسر حفصہ منیر صدر شعبہ علوم اسلامیہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور، میرے تمام ساتھی اساتذہ کرام خصوصاً ڈاکٹر زاہدہ شبنم اور میرے اپنے اساتذہ کرام بھی شکریہ کے حق دار ہیں جنہوں نے مختلف طرح سے تعاون کیا۔

میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے خاندان کے افراد بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر ابصار احمد (بھائی)، ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ اور صاحبزادیاں، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور تنظیم اسلامی کے عملے کی ممنون ہوں جنہوں نے مقالہ کی تکمیل کے لیے ضروری معلومات فراہم کیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

آخر میں میں ان کتب خانوں اور ان کے عملے کے لیے دعا گو ہوں جنہوں نے کتب کی تحصیل میں مجھ سے بھرپور معاونت کی۔ ان میں اپنے ادارہ کی مرکزی اور شعبہ جاتی لائبریری، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پنجاب یونیورسٹی کی مرکزی، شعبہ علوم اسلامیہ اور شیخ زائد اسلامک سنٹر کی لائبریریاں بطورِ خاص شامل ہیں۔

آخر میں اس اُمید کے ساتھ کہ اس مقالہ میں جو بہتری ہے اللہ کی طرف سے ہے، میرے اساتذہ کرام کی توجہ کا باعث ہے اور جو اس میں کوتاہی ہے وہ میری علمی کم مائیگی کا مظہر ہے۔ اس پر میں اللہ سے معافی کی طلب گار ہوں۔

رافعة الجبين

باب اول

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے
حالاتِ زندگی اور ان کا دور

فصل اوّل : احوالِ حیات

حالاتِ زندگی

خاندانی پس منظر

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے والد اور والدہ کا تعلق دو مختلف خاندانوں سے تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے والدِ محترم کے آباء واَجداد غالباً مقامی ہندوؤں میں سے تھے۔ ان کا تعلق ہندوؤں کی گوت ''اگروال'' سے تھا جو راجپوتوں کی ایک ذیلی شاخ (Sub Caste) ہے۔ ''اگروال'' اب بھی ہندوؤں میں پائے جاتے ہیں۔ جبکہ آپ کی والدہ صاحبہ کا سلسلہ نسب بلادِ عرب سے آ کر ہندوستان میں سکونت اختیار کرنے والے مسلمانوں سے تھا۔ وہ صدیقی قریشی تھے' چنانچہ ان کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ والدہ کی طرف سے جو اوّلین بزرگ ہندوستان آئے ان کا نام شیخ حبان المصری تھا۔ [۱]

ڈاکٹر صاحب کے پڑدادا حافظ نور اللہ تھے جو یوپی کے قصبہ حسین پور میں دنیوی طور پر مرفع الحال اور ایک بڑی پکی حویلی کے مالک تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مقامی لوگوں نے انگریزوں کے خلاف حصولِ آزادی کے لیے جو مخالفانہ رویہ اپنایا' اس کی لپیٹ میں آپ کے پڑدادا اس طرح آئے کہ ایک انگریز افسر نے چھپتے چھپاتے رات کی تاریکی میں حافظ نور اللہ سے حویلی میں امان چاہی' جو انہوں نے غیرتِ ایمانی اور حمیت کے تحت نہیں دی۔ یہ انگریز افسر غصے میں حویلی پر اپنے خون سے ایک نشان بنا گیا۔ چنانچہ بعد میں حافظ نور اللہ صاحب انگریز سرکار کے زیرِ عتاب آ گئے۔ [۲]

انگریزوں نے آپ کی جائیداد ضبط کر لی چنانچہ وہ اپنے آبائی علاقے ضلع مظفر نگر (یوپی) کو چھوڑ کر مشرقی پنجاب کے قصبے حصار [۳] میں منتقل ہو گئے۔ [۴] حافظ نور اللہ کے ایک فرزند محمد یحییٰ تھے جو ڈاکٹر صاحب کے دادا تھے۔ محمد یحییٰ کے دو فرزند ہوئے: (۱) مختار احمد' اور (۲) منور احمد۔

ڈاکٹر صاحب کے والد مختار احمد کی ولادت ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں حصار ہی میں ہوئی۔ انہوں نے ۱۹۱۶ء میں میٹرک پاس کیا جو اس زمانے میں انگریزی زبان اور حساب وغیرہ کے اعتبار سے بہت پختہ تعلیم پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ نے ڈپٹی کمشنر کے آفس میں ریڈر کی حیثیت سے

ملازمت کی جس کی وجہ سے ان کی دفتری بول چال کے علاوہ عام انگریزی لکھنے پڑھنے کا معیار بھی بہت اچھا تھا۔[۵] ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کے بعد اولاً آپ کے والد لاہور میں تعینات ہوئے پھر ان کا تبادلہ قصور ہو گیا۔[۶]

معاشی جدو جہد اور ایک بڑے خاندان کی کفالت کے حوالے سے ان کی مصروفیت نے انہیں دین کی طرف کچھ زیادہ پیش قدمی کا موقع نہیں دیا' مگر وہ نماز روزے کے شروع سے پابند تھے۔[۷] آپ کے والد صاحب کا انتقال ۱۱ نومبر ۱۹۶۵ء کو لاہور میں ہوا۔[۸]

ڈاکٹر صاحب کی والدہ فردوسی بیگم علمی و دینی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد محمود احمد جان اردو اور فارسی کا اچھا ذوق رکھتے تھے اور انہیں کتب بینی کا بھی بہت شوق تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی والدہ کے دو بھائی فاروق احمد جان اور صغیر احمد جان تھے۔ فاروق احمد جان نے ریلوے میں ملازمت کی جبکہ صغیر احمد جان اردو اور فارسی میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے کیے ہوئے تھے اور شعبہ تعلیم سے منسلک تھے۔ آپ کی والدہ فردوسی بیگم کے ماموں ڈاکٹر زبیر احمد الٰہ آباد یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے' جنہوں نے ۱۹۲۸ء میں لندن یونیورسٹی سے عربی میں ڈاکٹریٹ کی۔ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ بزبان انگریزی پرانے ٹائپ رائٹر پر ٹائپ شدہ لندن یونیورسٹی سینٹ ہال لائبریری میں موجود ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی والدہ' والد صاحب کی نسبت زیادہ دینی' نماز روزے کی پابند اور تہجد گزار تھیں اور باقاعدگی سے تلاوتِ کلامِ پاک کرتی تھیں۔ دیگر دینی اور معلوماتی کتب بھی ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔[۹]

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک تحریر میں اپنی والدہ محترمہ کی قرآن سے انسیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''یہ ۱۹۴۰ء' ۱۹۴۱ء کی بات ہے جب میں تیسری چوتھی جماعت کا طالب علم تھا' میرے مشاہدے میں آیا کہ دو حسین و دیدہ زیب کتابوں کے سیٹ ہمارے یہاں بہت اہتمام کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک سیٹ مردان خانے کی ''بیٹھک'' میں رکھی ہوئی میز کی دراز میں مستقلاً موجود رہتا تھا اور دوسرا منقسم طور پر دو جز دانوں میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کے ترجمہ اور حواشی والے قرآنِ مجید کی ان دو جلدوں (پندرہ پندرہ پاروں پر مشتمل) کے ساتھ رکھا رہتا تھا جو والدہ صاحبہ مرحومہ کے زیر تلاوت رہتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ جلدیں ''متاعِ عزیز'' کے طور پر اس مختصر ترین سامان کے ساتھ

ہی پاکستان پہنچ گئی تھیں جس کے ساتھ ہمارے خاندان نے حصار سے سلیمانکی ہیڈ ورکس تک ایک سوستر میل کا فاصلہ آگ اور خون کے دریا عبور کر کے بیس روز میں طے کیا تھا۔ پھر والدہ صاحبہ مرحومہ کی یہ "متاعِ عزیز" نہایت بوسیدہ ہو جانے کے باوجود کئی سال تک محفوظ رہی تا آنکہ والدہ صاحبہ نے میرے مشورہ پر پچاس کی دہائی کے اوائل میں حضرت شیخ الہند کے ترجمے اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی والے مصحف کی تلاوت شروع کی۔"(۱۰)

ڈاکٹر صاحب کی والدہ ایک فعال خاتون تھیں۔ آپ نے دین کی ترویج میں عملی حصہ لیا اور تقسیم کے بعد پاکستان آکر ساہیوال میں وہ جماعت اسلامی حلقہ خواتین کی مقامی ناظمہ بھی رہیں۔ والدہ اور ہمشیر گان ہفتہ وار اجتماع اور درسِ قرآن وغیرہ کا مسلسل کئی برس اہتمام کرتی رہیں۔ ان اجتماعات میں منٹگمری کے متعلقین جماعت اسلامی کی خواتین کے علاوہ بعض اوقات اوکاڑہ سے بھی خواتین شرکت کرتی تھیں۔ آپ کی والدہ کا انتقال ۱۹۹۲ء میں ہوا۔(۱۱) ڈاکٹر ابصار بیان کرتے ہیں:

"اسرار بھائی اور باقی بہن بھائیوں کی علمی و ذہنی بالیدگی میں ہماری والدہ اور ننھیالی بزرگوں کا زیادہ حصہ ہے۔ میرا گمان ہے کہ ان ننھیالی بزرگوں نے گاہے بگاہے ملاقاتوں اور مزید برآں کتابوں کے ذریعے ہمارے گھرانے کے نوعمر بچوں کو متاثر کیا ہوگا اور ان میں زبان وادب، سنجیدہ مطالعہ اور شعری ذوق پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہوگا۔"(۱۲)

مختار احمد صاحب (والد ڈاکٹر صاحب) کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں:

صاحبزادے: (۱) اظہار احمد (۲) اسرار احمد (۳) اقتدار احمد (۴) وقار احمد (۵) ابصار احمد

صاحبزادیاں: (۱) قیصر اقبال (۲) بلقیس جمال (۳) قمر افضال (۴) خوش خصال

ڈاکٹر صاحب گھر میں چوتھے نمبر پر تھے' آپ سے دو بڑی ہمشیرگان اور ایک بھائی تھے۔(۱۳)

ولادت ونام

ڈاکٹر اسرار احمد ۲۶ / اپریل ۱۹۳۲ء کو مشرقی پنجاب کے ضلع ہریانہ کے علاقے حصار میں پیدا ہوئے۔(۱۴) ڈاکٹر صاحب اپنی پیدائش کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"حصار مشرقی پنجاب جواب ہریانہ میں ہے وہیں میری پیدائش ہوئی۔"(۱۵)

آپ کا نام اسرار احمد والدین کو اس قدر عزیز تھا کہ اسرار احمد نامی دو بچوں کو لگاتار مہد سے

سید ھے لحد میں اتارنے کے باوجود کسی قسم کی توہم پرستی کا شکار نہ ہوئے اور بیسویں صدی کے بتیسویں سال اپریل کی چھبیس کو جب ان کے اولاد ہوئی تو نومولود کا نام بھی اسرار احمد رکھ دیا۔ (۱۶)

بچپن

ڈاکٹر صاحب کا بچپن حصار میں گزرا جو متحدہ پنجاب کے پسماندہ ترین اضلاع میں سے تھا۔ جس کا اکثر و بیشتر حصہ کچھ عرصہ قبل دریائے گھگھر کے خشک ہو جانے کے بعد صحرا کی صورت اختیار کر چکا تھا۔۔۔ پورا ضلع اکثر قحط و خشک سالی کا شکار رہتا تھا' لہٰذا آفت زدہ علاقہ قرار دیا جاتا تھا۔۔۔ تعلیمی اعتبار سے بھی پورے ضلع کی پسماندگی کا یہ عالم تھا کہ اس کے طول و عرض میں صرف ایک کالج تھا وہ بھی قصبہ بھوانی کے مالدار بنیوں کا قائم کردہ ہندو قومی کالج' پورے ضلع میں ہائی سکول بھی اندازاً آٹھ سے زیادہ نہیں ہوں گے جس میں دو تین ہندوؤں کے قومی سکول تھے بقیہ سب گورنمنٹ سکول تھے۔ (۱۷)

ابتدائی تعلیم اور مطالعہ کا شوق

ڈاکٹر صاحب کی تعلیم کی ابتدا قرآنِ مجید سے ہوئی جس کی تعلیم آپ کی والدہ محترمہ فردوسی بیگم نے دی جو ایک دیندار اور پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ پھر مروّجہ رواج کے مطابق حصار کے ہی ایک گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ (۱۸) ڈاکٹر صاحب نے سکول میں اختیاری مضمون کی حیثیت سے عربی لی ہوئی تھی۔ (۱۹)

آپ کو ابتدائی دور ہی سے مطالعہ کا شوق تھا جس کا اظہار آپ وقتاً فوقتاً فرماتے رہتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

''میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا جب میرے بڑے بھائی صاحب نے مجھے بانگ درا لا کر دی جسے میں گھنٹوں کچھ سمجھے اور کچھ بغیر سمجھے ترنم کے ساتھ پڑھتا رہتا تھا۔ بانگ درا کی نظموں میں سے مجھے سب سے زیادہ پسند وہ تھیں جن میں ملت اسلامی کے مستقبل کے بارے میں ایک امید افزا نقشہ کھینچا گیا تھا اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اُمت مرحومہ کی تجدید کی خوشخبری دی گئی تھی۔''(۲۰)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''میں نے چھٹی جماعت کے دوران ''بالِ جبریل'' اور ''ضربِ کلیم'' کو ایک صاحب سے عاریتاً لے کر پڑھ ڈالا اور ساتویں جماعت کے زمانے میں ایک لطیف سا بہانہ بنا

کر بڑے بھائی صاحب سے ''بالِ جبریل''، ''ضربِ کلیم'' اور ''ارمغانِ حجاز'' تینوں کتابیں حاصل کرلیں اور گویا علامہ مرحوم کا پورا اردو کلام نظر سے گزار لیا۔''(۲۱)

ضربِ کلیم اور بالِ جبریل کو عاریتاً حاصل کرنے کے ایک دلچسپ واقعہ سے آپ کے مطالعہ کی لگن کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ خود رقم طراز ہیں:

''مجھے معلوم ہوا کہ علامہ کی کتابوں کا مکمل سیٹ خان عزیز الدین حمزئی کے یہاں موجود ہے جو حصار کے معروف وکلاء میں سے تھے۔ ان کا انتقال چند سال قبل ملتان میں ہوا۔ میں اپنے والد صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت وہ عجیب سے شش و پنج میں مبتلا ہو گئے تھے کہ نہ انکار کیے بنتی تھی نہ طبیعت کتابیں دینے پر آمادہ ہوتی تھی بالآخر انہوں نے ایک تدبیر سوچی اور علامہ کے ان اشعار کا مطلب مجھ سے دریافت کیا:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں   کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن   ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور☆

اور کہا کہ اگر ان اشعار کا مفہوم بیان کر دو تو کتابیں لے جا سکتے ہو۔ پھر جب میں نے ان کا مفہوم بیان کر دیا تو وہ کچھ حیران سے تو ہوئے، تاہم انہوں نے کتابیں میرے حوالے کر دیں۔''(۲۲)

یوں ڈاکٹر صاحب کے مطالعہ کرنے کے شوق نے آپ کے نیم شعوری والے دور میں آپ کے ذہن پر اولین چھاپ جو ڈالی وہ علامہ اقبال کی ملی شاعری کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب آٹھویں جماعت میں حفیظ جالندھری کے کلام شاہنامہ اسلام پڑھنے کا تذکرہ بھی فرماتے ہیں جس سے ان کے جذبہ ملی میں مزید اضافہ ہوا۔ آپ لکھتے ہیں:

''جن دنوں میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا میری ایک پوری رات ''شاہنامہ'' کی دوسری جلد کو اس کے مخصوص ترنم میں پڑھ کر والدہ صاحبہ کو سنانے میں بسر ہوئی اس طرح کے ادھر جلد ختم ہوئی اور ادھر صبح بیدار ہوئی۔''(۲۳)

میٹرک کا دور

میٹرک کے دور میں آپ ایک نئی دعوت (مؤسس جماعت اسلامی مولانا مودودی کی دعوت) سے روشناس ہوئے جس نے آپ کے جذبہ ملی کو ایک نئی وسعت عطا کی اور دل میں

☆ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، بالِ جبریل (نظم حال و مقام)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۵۶

تجدید واحیائے ملت کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی مقدم وپیشتر ''تجدید واحیائے دین'' کا جذبہ پیدا کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ علامہ اقبال مرحوم کے عطا کردہ جذبہ ملی کے خاکے میں ایک دینی رنگ بھر دیا۔(۲۴)

پھر گورنمنٹ ہائی سکول حصار ہی سے آپ نے ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا۔ آپ نے کل ساڑھے آٹھ سو میں سے سات سو اٹھارہ نمبر لیے اور یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔(۲۵) جبکہ ضلع حصار میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔(۲۶)

اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے کے بعد حصار میں مسلمانوں کے محلوں پر ہندوؤں کے منظم حملے شروع ہو گئے۔ دسمبر کا پورا مہینہ ڈاکٹر صاحب کا محصوری کے عالم میں بسر ہوا لیکن اس محصوری کی حالت میں بھی آپ نے اپنا وقت مطالعہ کرتے ہوئے بسر کیا' چنانچہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''میں تفہیم القرآن سے پہلی بار متعارف ہوا۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ اس زمانے میں' میں اور میرے بڑے بھائی ہم دونوں محلے کی ایک مسجد میں ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' کے تازہ پرچوں سے تفسیر سورۂ یوسف پڑھا کرتے تھے —— اور مجھے اس اعتراف میں ہرگز کوئی باک نہیں کہ میرے دل میں قرآنِ مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی رغبت اولاً اسی کے ذریعے پیدا ہوئی بلکہ قرآنِ حکیم سے میرا اوّلین تعارف اسی وساطت سے ہوا۔''(۲۷)

میٹرک کے ان دو سالوں کے دوران ڈاکٹر صاحب کا تعارف مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تحریروں سے بھی ہوا اور کتابی صورت میں مطبوعہ ''مضامین الہلال'' بھی آپ نے پڑھے۔(۲۸) آپ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''اس سے یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ جس تحریک کا علم اس وقت مولانا مودودیؒ پیش کر رہے ہیں اس دور میں اس کے داعی اوّل کی حیثیت دراصل مولانا آزاد کو حاصل ہے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کی کشمکش اور اس میں تلخی کی شدت کے باعث جو نفرت مولانا آزاد سے تھی وہ ختم ہو گئی۔''(۲۹)

ڈاکٹر صاحبؒ پر اثر انداز ہونے والی شخصیات

ڈاکٹر اسرار احمد باقاعدہ کسی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل تو نہیں تھے' البتہ بعض جید علماء کی صحبت اور ان کی فکر سے فیض یاب ہوتے رہے۔ جن حضرات کی تحریروں اور خطابات

کوآپ نے حرزِ جان بنایا' جن سے آپ کی فکر میں پختگی پیدا ہوئی' گہرائی اور گیرائی میں اضافہ ہوا اور آپ نے جو بھی علمی اور عملی کام کیے وہ انہی شخصیات کی فکر سے متاثر ہو کر شروع کیے ان میں علامہ محمد اقبال' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا امین احسن اصلاحی رحمہم اللہ علیہم اجمعین زیادہ اہم ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا حمید الدین فراہی' شیخ الہند مولانا محمود حسن' علامہ شبیر احمد عثمانی اور ڈاکٹر رفیع الدین رحمہم اللہ علیہم آپ کی فکر اور قرآن فہمی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ (۳۰) ذیل میں ان حضرات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

حکیم الامت' شاعر مشرق' مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ (۳۱) آپ کے والد شیخ نور محمد بڑے دین دار مسلمان تھے۔ انہی کے فیضانِ تربیت سے اقبال بچپن ہی میں عارفانہ رنگ سے متعارف ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سکاچ مشن سکول سیالکوٹ سے میٹرک امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ ۱۸۹۵ء میں ایف اے (FA) سکاچ مشن کالج سے کیا۔ یہاں مولوی میر حسن کی تعلیم نے آپ میں عربی و فارسی ذوق پیدا کیا۔ ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا اور عربی اور انگریزی میں طلائی تمغے حاصل کیے۔ نیز مشہور مستشرق پروفیسر آرنلڈ سے فلسفہ پڑھا۔ ۱۸۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فلسفے میں ایم اے (MA) کی ڈگری حاصل کی۔ (۳۲)

۱۳ مئی ۱۸۹۹ء ہی میں اورینٹل کالج لاہور میں میکلوڈ عربک ریڈر اور ۴ جنوری ۱۹۰۱ء کو گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں آپ کی پہلی کتاب ''علم الاقتصاد'' شائع ہوئی اور اسی زمانے میں شاعری بھی شروع کر دی۔ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے۔ کیمبرج یونیورسٹی (انگلستان) سے فلسفہ اخلاق میں ڈگری لی بعد ازاں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے مقالہ "Development of Metaphysics in Persia" لکھنے پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری لی۔ وہیں سے بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ (۳۳)

۱۹۰۸ء میں وطن واپس آئے۔ ۱۹۳۴ء تک وکالت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۲۲ء میں حکومت برطانیہ نے ادبی خدمات کے صلے میں ''سر'' کا خطاب دیا۔ ۱۹۲۶ء میں مجلس قانون ساز پنجاب کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں اسلامی افکار کی تشکیل جدید پر اہم لیکچر دیے۔ (۳۴)

۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الہ آباد میں صدر کی حیثیت سے تاریخی

خطبہ پڑھا جس میں اسلامی ملک کا تصور پیش کر کے مسلمانوں کو ایک واضح نصب العین دیا۔ (۳۵)

۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس لندن میں برعظیم کے مسلمانوں کے لیے جداگانہ حق انتخاب کے مطالبے پر زور دیا۔ ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال، سر راس مسعود اور مولانا سلیمان ندوی کے ساتھ نادر شاہ کی دعوت پر عالم اسلامی کے اتحاد کے لیے افغانستان گئے۔ (۳۶)

علامہ نے اپنے افکار کو اشعار میں سمو کر قوم کو ایک پیغام دیا اور ان کے جسد ملی میں نئی روح پھونکی۔ فلسفہ خودی کی تبلیغ کر کے مشرق کو خود شناسی اور خود اعتمادی کا سبق پڑھایا۔ مغربی تہذیب، مغرب کی وطنیت اور قومیت کا راز فاش کیا اور مسلمانانِ برصغیر کو قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات کی جانب متوجہ کر کے اسلام کی انقلابی فکر سے روشناس کیا اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے راہ ہموار کی۔

مختصراً یہ کہ اقبال کا سرمایہ فکر قرآنِ مجید ہی کی تعلیمات تھیں اور کچھ نہیں تھا۔ ان کی شاعری اور افکار میں قرآنِ مجید ہی کی روح کارفرما ہے اور قرآنِ مجید ہی میں ان کا تدبر و تفکر ہے۔ پھر یہی تدبر و تفکر بانگ درا سے لے کر بالِ جبریل، ضربِ کلیم، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، پس چہ باید کرد، مسافر اور ارمغان حجاز میں ہر کہیں نمایاں ہے۔ بلکہ ان کی متفرق تحریریں، بیانات، تقریریں اور خطوط بھی اس سے خالی نہیں۔ (۳۷)

علامہ کی نثری تصانیف علم الاقتصاد اردو اور فلسفہ ایران اور لیکچرز مدراس انگریزی میں ہیں جبکہ منظوم تصانیف اردو اور فارسی میں ہیں۔ (۳۸)

بالآخر مسلمانوں کو زندگی کا شعور اور حریت پسندی کا سبق دیتے ہوئے یہ عظیم شخصیت ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو خالق حقیقی سے جا ملی۔ (۳۹)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ (۴۰) باضابطہ تعلیم صرف میٹرک تک تھی لیکن خداداد ذہانت اور اپنی محنت و لگن سے اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں مہارت حاصل کر لی۔ ۱۹۱۶ء میں مدرسہ فرقانیہ سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۶ء میں مولانا شریف اللہ خان سواتی اور مولانا عبدالسلام نیازی سے عربی ادب، فلسفہ، علم الکلام اور منطق میں سند حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا اشفاق الرحمٰن سے جامع ترمذی اور موطا امام مالک کی تکمیل کے بعد سند فراغت حاصل کی۔ (۴۱)

آپ نے سترہ برس کی عمر سے صحافتی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔(۴۲) ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں ماہنامہ ترجمان القرآن جاری کیا جس کا مقصد پیغامِ قرآنی کی ترویج واشاعت تھا۔(۴۳)

مولانا مودودیؒ نے اُمت مسلمہ کی تاریخ اور موجودہ حالات کا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ کیا۔ مسلمانوں کو قرآن وسنت کی دعوت دی' ان کو اقامت دین کا نصب العین دیا اور منظم جدوجہد کرنے کی ترغیب دی۔ اور وہ باطل نظریات وخیالات جو مسلمانوں میں در آئے تھے ان کے خلاف نہ صرف خود جہاد کیا بلکہ اپنے ساتھ ہم خیال لوگوں کو ملا کر ایک اسلامی تحریک کی ابتدا کی۔ اس تحریک کے لیے جو پہلا قدم اٹھایا وہ ۱۹۳۸ء میں ادارہ ''دارالسلام'' کا قیام تھا تاکہ اس کے ذریعے اسلام کی خدمت کرنے والوں کو ایک جگہ جمع کر کے خالص اسلامی ماحول پیدا کیا جائے اور دینی علوم میں مہارت رکھنے والوں کو علومِ جدیدہ سکھائے جائیں جو جدید علوم کے ماہروں کو عربی زبان اور اسلامی علوم کی تعلیم دے ان کے ذریعے زندگی کے مختلف شعبوں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو اسلام کی موافقت میں ایک ذہنی انقلاب کی راہ ہموار کرے۔ دوسرے پاکیزہ سیرت کارکن تیار ہوں۔(۴۴)

مولانا کی تحریک کے نتیجے میں ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں پچھتر (۷۵) افراد کے اجتماع میں جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی۔(۴۵) جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصد دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول قرار پایا۔(۴۶)

۲۹ اگست ۱۹۴۷ء کو مولانا پاکستان پہنچے اور لاہور میں اقامت اختیار کی۔(۴۷)

۱۹۴۸ء میں مولانا نے پاکستان میں مطالبہ نظامِ اسلامی کے حق میں منظم مہم کا آغاز کیا۔(۴۸) ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت تحریک چلی تو مسئلہ قادیانیت کتابچہ لکھنے پر سزائے موت کا حکم ہوا جس پر پورے عالم اسلام میں احتجاج کیا گیا جس کے نتیجے میں آخر کار تین سال بعد رہائی ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں عالمی اسلامی کانفرنس مکہ معظمہ میں شرکت کی۔ ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۷ء میں مولانا نے ذوالفقار علی بھٹو کی اسلامی سوشلزم کی تحریک کے خلاف مزاحمتی تحریک چلائی۔ مولانا مودودیؒ مسلسل علالت کی بنا پر یکم نومبر ۱۹۷۲ء کو جماعت اسلامی کی امارت سے مستعفی ہو گئے اور عملی سیاست سے علیحدہ ہو کر خالص علمی وتحقیقی کام میں منہمک ہو گئے۔(۴۹)

مولانا نے مختلف موضوعات قرآن' حدیث' سیرت' فقہ' عقائد' عبادات' تاریخ' فلسفہ' تہذیب وتمدن' سیاست' معیشت' تعلیم' اجتماعیت' اخلاقیات' مغربی فکر وغیرہ پر متعدد کتب تصنیف کیں۔ اردو زبان کا کوئی ادیب مولانا مودودیؒ کی طرح اس تنوع اور کثیر الجہتی میں

آپ کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ آپ کی چند مشہور تصانیف تفہیم القرآن چھ جلدیں، سیرت سرورِ عالم دو جلدیں، اسلام اور جدید معاشی نظریات، پردہ، اسلامی ریاست، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، تفہیمات، رسائل و مسائل، خلافت و ملوکیت، سنت کی آئینی حیثیت، سود، تنقیحات، معاشیاتِ اسلام، مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش وغیرہ ہیں۔

بیسویں صدی کی یہ نابغہ روزگار شخصیت، مفسر قرآن، سیرت نگار، دینی سکالر اور برعظیم کی ایک بڑی دینی و سیاسی تحریک کے مؤسس و قائد، مغربی تہذیب اور اس کے باطل نظریات کے خلاف جہاد کرتے ہوئے ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۵۰)

مولانا ابوالکلام آزادؒ

مولانا ابوالکلام آزاد ایک بلند پایہ نابغۂ روزگار، ایک عظیم سکالر، مذہبیات کے عظیم عالم، ایک عظیم مقرر اور ایک عظیم انسان تھے۔ آپ ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ (۵۱)
آپ کے والد مولانا خیرالدین ایک بڑے عالم، واعظ، خطیب و مدرس تھے جنہوں نے اولاً حجازِ مقدس میں اور بعد میں ہندوستان (کلکتہ) آ کر درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ (۵۲)

گھریلو ماحول مذہبی تھا، قرآنِ مجید مکہ معظمہ ہی میں ختم کر لیا۔ والدہ نے مشرقی علوم اور والد نے عربی اور فارسی کی تعلیم دی۔ (۵۳) عربی اور فارسی کے علاوہ اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ترکی، سنسکرت، عبرانی، پشتو اور لاطینی زبانوں کے بھی عالم تھے۔ (۵۴)

۱۹۰۳ء میں درس نظامیہ سے فارغ ہو گئے۔ بعد ازاں دیگر علوم متداولہ میں خود دسترس حاصل کر لی۔ تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر اور ترجمہ بھی شروع کر دیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی صحافتی زندگی کا آغاز کر دیا۔ (۵۵)

مولانا نے اپنی حیاتِ مستعار تین مقاصد کے لیے وقف کر رکھی تھی:

(۱) مسلمانوں میں مذہبی و سیاسی شعور و عرفان پیدا کرنا۔

(۲) ہندو مسلم اتحاد

(۳) استخلاصِ وطن

ان مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے عمر بھر جدوجہد کی اور ہر قسم کے مصائب و آلام برداشت کیے۔ (۶۱) لہٰذا ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو ہفتہ وار ''الہلال'' دینی و سیاسی غرض سے جاری کیا۔ جو نومبر ۱۹۱۴ء میں ضمانت ضبط ہو جانے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ (۵۷) مولانا نے دسمبر ۱۹۱۳ء میں

حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی جس کے ہاں حلف کی پابندی اپنے آپ کو قرآنی تعلیمات کے طریقے کے مطابق رہنے کے لیے وقف کرنا اور اسلامی نظام کے لیے کوشاں ہونا' لازم قرار دیا گیا۔ اگست ۱۹۱۵ء میں نوجوانوں کو قرآنِ حکیم کا درس دینے کے لیے دارالارشاد' کی بناڈالی (۵۸) اور ساتھ ہی ۱۹۱۵ء میں ''البلاغ'' کا اجرا کیا جو الہلال کا ثنی تھا۔ (۵۹)

۱۹۲۰ء سے آپ نے امامت اور بیعت کا سلسلہ بھی شروع کیا جس کے تحت جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امام کو مان لے تو امام ہندوؤں سے معاہدہ کر کے انگریزوں سے جہاد کا اعلان کرے۔ اس وقت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے مولانا آزاد کے بارے میں رائے دی: ''اس وقت مولانا ابوالکلام کے سوا کوئی شخص امام الہند نہیں ہوسکتا۔'' (۶۰)

آپ نے آزادی کے لیے جدوجہد کے جرم میں کئی دفعہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت' ترکِ موالات اور عدم تعاون کی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیا۔ کئی بار کانگریس کے صدر مقرر ہوئے۔ تقسیم ہندوستان کے بعد بھارت کے وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف کیں جن میں مشہور ترجمان القرآن' تذکرہ' غبارِ خاطر' آزادیٔ ہند' جامع الشواہد' قول فیصل ہیں۔ (۶۱)

یہ جید عالم' صاحبِ طرز انشا پرداز' قادر الکلام مقرر اور استخلاصِ وطن کے لیے جدوجہد کرنے والی شخصیت ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو انتقال فرما گئی۔ آپ کو جامع مسجد دہلی کے سامنے میدان میں دفن کیا گیا۔ (۶۲)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مولانا امین احسن اصلاحی ۱۹۰۴ء میں اعظم گڑھ یوپی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حافظ محمد مرتضیٰ ایک متوسط درجہ کے زمین دار تھے۔ (۶۳) ابتدائی تعلیم گاؤں کے سرکاری مکتب میں پائی۔ پھر گیارہ برس کی عمر میں دینی و عصری تعلیم کے لیے مدرسۃ الاصلاح میں داخل کرا دیا گیا۔ مدرسہ میں آپ کے اساتذہ مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا شبلی نعمانی ندوی تھے۔ مدرسہ کے مہتمم حمید الدین فراہی تھے۔ (۶۴) یہاں سے ۱۹۲۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اسی مدرسہ کے حوالے سے اصلاحی کہلائے۔ (۶۵)

فراغت حاصل کرنے کے بعد بجنور میں سہ روزہ اخبار ''مدینہ'' کے نائب مدیر کی حیثیت سے کام کیا پھر بچوں کے ایک رسالہ ''غنچہ'' اور لکھنؤ سے نکلنے والے ہفت روزہ اخبار ''سچ'' میں

کام کیا۔ (۶۶)

۱۹۲۵ء میں مولانا فراہی کی دعوت پر درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۲۵ء ہی میں مدرسۃ الاصلاح میں قرآنِ مجید' عربی ادب اور فلسفہ تاریخ کے مضامین پڑھانے لگے۔ ۱۹۳۰ء میں مولانا فراہی کی وفات تک' مولانا اصلاحی نے فراہی اصول تفسیر کے مطابق جن میں نظم قرآن اور ادب جاہلی پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی' نہ صرف قرآن حکیم کا فنی مطالعہ کیا' بلکہ مولانا فراہی سے قرآن مجید اور فلسفہ و سیاسیات کی بعض انگریزی کتب بھی سبقاً سبقاً پڑھیں۔ (۶۷)

مولانا اصلاحی نے مدرسۃ الاصلاح میں مولانا فراہی کی غیر مطبوعہ تصانیف کی ترتیب و تہذیب اور ترجمہ و اشاعت کے لیے ''دائرہ حمیدیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے زیر اہتمام ماہنامہ اصلاح کا اجرا ہوا جو ۱۹۳۹ء تک شائع ہوتا رہا۔ (۶۸) اسی دوران مولانا مودودیؒ سے ملاقات بھی ہوئی اور ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی میں شامل ہوئے اور بہت جلد اپنے تبحر علمی کی وجہ سے حفظ مراتب میں دوسرے نمبر پر آ گئے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور آ کر بھی جماعت اسلامی کے لیے وقف ہو کر کام کیا۔ (۶۹)

۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف چلنے والی تحریک میں گرفتار ہوئے اس دوران تدبر قرآن پر اساسی کام شروع کیا۔ (۷۰) ۱۹۵۴ء میں انہیں رہائی ملی اور ۱۹۵۶ء میں آپ اسلامک لاء کمیشن کے رکن بنائے گئے۔ (۷۱) اسی اثنا میں آپ کا مولانا مودودیؒ سے جماعت اسلامی کے انتخابی سیاست میں حصہ لینے کی وجہ سے اختلاف ہوا جس کی بنا پر آپ نے ۱۳ جنوری ۱۹۵۸ء کو باقاعدہ جماعت سے استعفیٰ دے دیا۔ (۷۲)

مستعفی ہونے کے بعد مولانا اصلاحی نے باقاعدہ لکھنے لکھانے کا کام شروع کیا اور جون ۱۹۵۹ء میں ایک ماہنامہ رسالہ ''میثاق'' نکالا جس کی ادارت مولانا نے ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے سپرد کر دی۔ ۱۹۶۱ء میں درس قرآن کے سلسلے کو باقاعدہ کیا اور اسی تسلسل میں ۱۹۶۲ء میں حلقہ تدبر قرآن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ ۱۹۶۷ء میں آپ نے جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے افراد کے ساتھ مل کر تنظیم اسلامی بنانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔ (۷۳)

۱۹۸۰ء میں نو جلدوں پر مشتمل تفسیر ''تدبر قرآن'' مکمل کی۔ (۷۴) آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں مشہور حقیقت شرک و توحید' حقیقت تقویٰ' اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل' دعوت حق اور اس کا طریقہ کار' اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام' مبادی تدبر قرآن'

مبادی حدیث' پاکستانی عورت دوراہے پر ہیں۔ ان کے علاوہ آپ نے مولانا فراہی کی تصانیف کے تراجم' اقسام القرآن' مجموعہ تفاسیر فراہی' ذبیح کون؟ کے نام سے کیے۔ آپ نے ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو وفات پائی۔ (۷۵)

مولانا حمید الدین فراہیؒ

برعظیم کے ممتاز عالم دین' مفسر قرآن' مولانا حمید الدین فراہی' مولوی عبدالکریم کے ہاں ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۲ء میں ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کے ایک گاؤں پھریہا میں پیدا ہوئے۔ (۷۶)

دس برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ مہدی حسن چتاروی سے فارسی زبان سیکھی اور اتنی استعداد پیدا کرلی کہ فارسی میں شعر کہنے لگے۔ عربی زبان کی تحصیل اپنے ماموں زاد بھائی مولانا شبلی نعمانی سے کی۔ فقہ کی تعلیم انہوں نے مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنوی سے حاصل کی۔ پھر لاہور کا سفر کیا اور لاہور میں آپ نے ادب کی تکمیل مشہور عربی ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے کی۔ (۷۷)

مولانا فراہی عربی زبان اور دینی تعلیم کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد انگریزی زبان کی تحصیل کے لیے علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے۔ وہاں سرسید کے کہنے پر امام غزالیؒ کے کرم خوردہ قلمی نسخے کی دوبارہ تدوین وترتیب اور طبقات ابن سعد سے سیرت کے کچھ حصے فارسی میں ترجمہ کیے۔ علی گڑھ میں مولانا نے انگریزی اور دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ فلسفہ جدیدہ کی تعلیم مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر آرنلڈ سے لی۔ (۷۸)

۱۸۹۲ء میں الہٰ آباد یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۶ء تک سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں بطور استاد فرائض سرانجام دیے۔ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن کے عربی اور انگریزی ترجمان کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ علی گڑھ کالج اور الہ آباد یونیورسٹی میں بھی عربی کے پروفیسر رہے۔ پھر دارالعلوم حیدرآباد دکن بطور پرنسپل تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس دوران ایسی یونیورسٹی کا خاکہ بنایا جس میں تمام دینی اور عصری علوم کی تعلیم اردو میں دی جائے۔ (۷۹) بعدازاں ملازمت سے استعفیٰ دے کر مولانا شبلی کی دعوت پر دارالمصنفین اعظم گڑھ چلے گئے۔ (۸۰)

مولانا فراہی' فلسفی' متکلم' عربی اور فارسی کے اچھے ادیب اور شاعر تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ کی انفرادیت نظم قرآن کے حوالے سے زیادہ ہے۔ لہٰذا تفسیر قرآن میں اپنے مخصوص

اور منفرد انداز نظم قرآن کی وجہ سے اس فن کے امام کہلائے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان' فاتحہ نظام القرآن' مفردات القرآن' اسالیب القرآن' وغیرہ اہم ہیں۔ (۸۱)

آپ کا انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ بعد میں آپ کے خاص شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی آپ کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل میں مصروف رہے۔ (۸۲)

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

مولانا محمود حسن ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی ایک نامور عالم دین اور صاحب تصانیفِ کثیرہ تھے۔ (۸۳)

مولانا محمود حسن کی تعلیم کا آغاز چھ سال کی عمر میں ہوا۔ قرآنِ مجید اور ابتدائی تعلیم مولانا عبداللطیف اور عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے حاصل کی۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پہلے طالب علم مولانا محمود حسن ہی تھے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی' مولانا محمد یعقوب' مولانا رشید احمد گنگوہی' مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی جیسی بزرگ ہستیوں سے استفادہ علم کیا۔ (۸۴) ظاہری علم و فضل کی طرح باطنی علم سے بھی آراستہ تھے اور اس سلسلے میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ (۸۵)

تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔ ۱۲۹۷ھ میں مولانا قاسم نانوتوی کے انتقال کے بعد ۱۳۰۵ھ سے اسی مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے لگے۔ آپ نے برعظیم پاک وہند کے اس بڑے اور نامور قرآن وسنت کے علوم کے مرکز میں بطورِ صدر مدرس تینتیس (۳۳) سال اور مجموعی طور پر چوالیس (۴۴) سال تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ (۸۶)

مولانا محمود حسنؒ نے تمام عمر ارشاد و تلقین اور جہاد کی تلقین کو اپنا شعار بنائے رکھا اور دارالعلوم سے جو درس حدیث کا سلسلہ جاری کیا اس سے آٹھ سو ساٹھ (۸۶۰) کے قریب اعلیٰ استعداد کے صاحبان علم و فن اور علمائے دین نے اکتساب فیض کیا۔ (۸۷)

مولانا اشرف علی تھانوی' علامہ انور شاہ کاشمیری' علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا حسین احمد مدنی' مفتی کفایت اللہ دہلوی' مولانا اصغر حسین دیوبندی' مولانا عبیداللہ سندھی' مولانا اعزاز علی دیوبندی اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ علیہم جیسے مشاہیر علم و فضل اور بزرگ ہستیاں آپ

کے تلامذہ میں سے ہیں۔ (۸۸)

آپ کی علمی خدمات کے علاوہ سیاسی خدمات بھی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ انگریزوں کے خلاف جدوجہد آزادی میں آپ کا بہت بڑا کردار ہے۔انگریزوں کو بزورقوت نکالنے والی تحریک جس کو عرف عام میں ریشمی رومال تحریک کہا جاتا ہے' اس کے اصل محرک اور منصوبہ ساز آپ ہی تھے۔اس تحریک کے راز افشا ہو جانے پر آپ کو ۱۳۳۵ھ کے آغاز میں گرفتار کر کے ''مالٹا'' پہنچا دیا گیا۔ (۸۹)

مولانا نے جزیرہ مالٹا کی اسارت کے دوران میں قرآن حکیم کا ترجمہ مکمل کیا اور اس پر سورۃ المائدہ تک حواشی تحریر کیے باقی حواشی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مکمل کیے۔ (۹۰)

۱۳۳۸ھ میں آپ رہا ہوئے۔ (۹۱) ہندوستان میں انہی دنوں تحریک خلافت چل رہی تھی۔آپ نے نقاہت' کمزوری اور بیماری کے باوجود اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔اسی تحریک خلافت میں انگریزی اشیاء کا بائیکاٹ اور ترک موالات کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ مولانا محمود حسن نے اس تحریک کا بھی خوب ساتھ دیا۔ (۹۲) بھرپور جدوجہد سے صحت پر منفی اثرات پڑے اور ۱۳۳۹ھ/۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو دیوبند میں انتقال فرمایا۔ (۹۳) بقول سید قاسم محمود:

> ''آپ کو قوم وملت کی طرف سے شیخ الہند کا خطاب ملا۔اسی وجہ سے شیخ الہند کے نام سے معروف ہوئے۔'' (۹۴)

آپ کی تصانیف میں قرآنِ مجید کا ترجمہ وحواشی اور بخاری' ترمذی اور ابوداؤد پر لکھے گئے حواشی مشہور ہیں۔ (۹۵)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک جید عالم' علم تفسیر کے ماہر' جلیل القدر محدث' علم الکلام میں یگانہ روزگار شخصیت اور تحریک آزادی کے مخلص رہنما تھے۔آپ ۱۸۸۵ء میں یوپی کے شہر بجنور میں پیدا ہوئے۔ (۹۶) مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد فضل الرحمٰن عثمانی ایک جید عالم اردو زبان کے ادیب اور ڈپٹی انسپکٹر مدراس تھے۔ (۹۷)

چھ سال کی عمر میں باضابطہ تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔آپ نے اپنے عہد کی مروجہ تعلیم فقہ' حدیث' فلسفہ' منطق' ادب اور علم الکلام دار العلوم دیوبند سے بیس سال کی عمر میں نہایت امتیازی حیثیت میں مکمل کر لی تھی۔ (۹۸) حافظ محمد عظیم منشی منظور احمد دیوبندی' مولانا غلام

رسول، مولانا حکیم محمد حسن دیوبندی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن آپ کے مشہور اساتذہ ہیں۔ (۹۹)

تعلیم سے فارغ ہو کر دارالعلوم میں چند ماہ پڑھایا۔ بعدازاں ۱۹۰۹ء میں فتح پوری مسجد دہلی کے عربی مدرسے میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ایک انجمن جمعیۃ الانصار مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی شعور بیدار کرنے کے لیے قائم کی تو آپ اس کی مجالس میں دہلی سے شرکت کے لیے جاتے۔ جمعیۃ الانصار کے پہلے اجلاس میں جو مراد آباد میں ہوا، علامہ نے اپنا مقالہ ''اسلام'' پڑھا جس سے پورے ہندوستان کے علماء و فضلاء آپ کے علم و فضل کے معترف ہو گئے۔ (۱۰۰) کچھ عرصہ بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے لگے یہاں آپ کے صحیح مسلم کے درس کی بہت شہرت ہوئی لیکن ۱۹۲۸ء میں اہل دارالعلوم دیوبند سے اختلاف کی بنا پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ وہاں وہ ۱۹۴۳ء تک شیخ التفسیر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں لیکن بعض اختلافات کی وجہ سے دارالعلوم سے پھر علیحدہ ہو گئے۔ (۱۰۱)

علامہ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ۱۹۱۱ء سے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کی بنیاد پڑی تو اس کی ورکنگ کمیٹی اور مجلس منتظمہ کے رکن چن لیے گئے۔ تحریک خلافت کے سلسلے میں انہوں نے بڑا کام کیا اور ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند علامہ محمود حسنؒ کے ہمراہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ (۱۰۲)

۱۹۴۰ء کے بعد علامہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور آپ نے متحدہ برصغیر کے طول و عرض میں طوفانی دورے کر کے مسلمانانِ ہند کو اپنی ولولہ انگیز تقاریر سے مسلم لیگ کا ہمنوا بنایا۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد پرچم کشائی کی تقریب میں قائداعظم نے آپ سے پرچم کشائی کرائی۔ بعدازاں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پاکستان کی مجلس دستور ساز کے رکن منتخب ہوئے۔

دینی خدمات کے ضمن میں آپ کا زبردست شاہکار قرآنی حواشی ہیں۔ جو شیخ الہند کے ترجمہ کے ساتھ چھپے ہیں۔ اور ان حواشی میں آپ کا مخصوص رنگ محققانہ، محدثانہ، مفسرانہ پوری طرح موجود ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے مسلم شریف کی شرح متکلمانہ انداز میں کی جو تفسیر ''فتح الملہم'' کے نام سے مشہور ہے۔ (۱۰۳) آپ کی دیگر تصانیف میں علم الکلام، العقل والنقل، اعجاز القرآن، حجاب شرعی اور شہاب ثاقب ہیں جو اپنے موضوعات پر مفید علمی مواد سے آراستہ ہیں۔ (۱۰۴)

یہ معروف فقیہ و عالم اور مدرس قرآن ۱۹۴۹ء میں ملک و دین کی خدمت کرتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۱۰۵)

ڈاکٹر رفیع الدین

ڈاکٹر رفیع الدین جموں (ریاست جموں اور کشمیر) میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ بی اے آنرز فارسی ادب میں کرنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کیا۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد تدریس کا پیشہ اپنایا۔

۱۹۳۳ء میں سری پرتاپ کالج سری نگر میں عربی اور فارسی کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ بعدازاں پرنس آف ویلز کالج جموں میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پھر ۱۹۴۶ء میں سری کرن سنگھ کالج میر پور میں پرنسپل مقرر ہوئے اور تقسیم ہند تک اس عہدے پر یہاں کام کیا۔ (۱۰۶)

۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کی اور تقریباً پانچ سال اسلامک ریکنسٹرکشن ڈیپارٹمنٹ میں ریسرچ آفیسر رہے پھر انسٹی ٹیوٹ اسلامک کلچر لاہور میں فرائض سرانجام دیے۔ آپ نے ۱۹۴۹ء میں "Ideology of the Future" کے عنوان سے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فلاسفی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ جو فلاسفی میں آپ کا گراں قدر کام ہے۔ (۱۰۷)

حکومت پاکستان نے ۱۹۵۳ء میں آپ کو علامہ محمد اقبال کے افکار و فلسفہ کو نمایاں کرنے کے صلے میں اقبال اکیڈمی کراچی کا پہلا ڈائریکٹر چنا۔ یہاں آپ اپنی ریٹائرمنٹ ۱۹۶۵ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اسی دوران آپ کو ایجوکیشنل فلاسفی میں ڈی لٹ کی ڈگری ملی۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے پاکستان میں تعلیم کو اسلامائز کرنے کے لیے آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور میں بنائی قبل اس کے کہ آپ اس سے کچھ مقاصد حاصل کر سکتے آپ کراچی میں ایک حادثہ میں ۲۹ نومبر ۱۹۶۹ء کو انتقال فرما گئے۔ (۱۰۸)

ڈاکٹر رفیع الدین بیسویں صدی کے ایک عظیم مسلم مفکر تھے۔ آپ کی تصانیف میں نمایاں قرآن اور علم جدید یعنی احیائے حکمت دین، اسلام اور سائنس، اسلامی تعلیم کے چند نظریاتی مباحث اور اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار ہیں۔

الغرض مذکورہ بالا شخصیات ڈاکٹر صاحبؒ کی فکرِ قرآنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ آپ کا تین شخصیات مولانا مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور ڈاکٹر رفیع الدینؒ سے قریبی تعلق رہا جن کے قرب سے آپ فیض یاب ہوئے جبکہ باقی شخصیات کی تحریروں اور عملی اقدامات

سے آپ کا ذہنی اور قلبی رشتہ استوار رہا۔ لہٰذا ان آٹھ شخصیات کو آپ اپنی فکرِ قرآنی کے سلاسلِ اربعہ قرار دیتے ہیں۔ ان میں دو ابوین مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا مودودیؒ شامل ہیں جن کی فکر قرآن نے آپ کو دعوتِ جہاد و انقلاب کا راستہ دکھایا۔ دو حی این ہیں یعنی مولانا حمید الدین فراہیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ جو نظم قرآن، اسالیبِ قرآن اور تدبرِ قرآن سے آگاہی کا اہم ذریعہ ہیں۔ دو دکتورین ہیں ڈاکٹر علامہ اقبالؒ اور ڈاکٹر رفیع الدینؒ ہیں جن کی تحریروں نے ڈاکٹر صاحبؒ کے اندر فکر جدید کے پس منظر میں قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرنے کا شوق پیدا کیا۔ نیز علامہ اقبالؒ کی شاعری نے آپ کے اندر خالص دینی و ملی جذبہ بھی اُجاگر کیا۔ آخری اور چوتھا سلسلہ دو شیخین مولانا محمود حسنؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہیں جو فکر قرآن اور باطنی تسکین کا باعث ہیں۔

ہجرت

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا خاندان ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو ایک پیدل قافلے کے ساتھ ایک سو ستر میل (۱۷۰) کا فاصلہ بیس روز میں طے کر کے براستہ سلیمانکی ہیڈ ورکس پاکستان میں داخل ہوا اور ساہیوال منتقل ہو گیا۔ (۱۰۹)

اعلیٰ تعلیم

۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۹ء گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کی۔ ایم بی بی ایس کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے کیا اور وہاں سے ۱۹۵۴ء میں فارغ ہوئے۔ آپ کا تعلیمی کیریئر کسی امتحان میں فیل ہونے کے داغ سے بچا رہا بلکہ آپ نے پرائمری، مڈل، میٹرک، ایف ایس سی اور میڈیکل کالج کے فرسٹ ایئر کے امتحانات میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ (۱۱۰)

پروفیشنل تعلیم کے علاوہ اسلام سے محبت اور علوم دینی سے شغف کی بدولت ۱۹۶۵ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کیا اور جامعہ کراچی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب کو مفتی محمد شفیع، مفتی رفیع عثمانی اور مفتی تقی عثمانی رحمہم اللہ علیہم کی قربت بھی حاصل رہی۔ (۱۱۱)

ملازمت

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۷ء تک تین سال جماعت اسلامی ساہیوال کی ڈسپنسری میں ملازمت کی اور پھر ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۲ء اپنی ذاتی پریکٹس کی (۱۱۲) ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر

صاحب اپنا مطب بند کر کے اہل وعیال سمیت کراچی منتقل ہو گئے لیکن وہاں سے والد صاحب کی علالت کی وجہ سے چھ یا سات ماہ بعد دوبارہ ساہیوال لوٹ آئے۔ (۱۱۳)

شادی

۲۶ فروری ۱۹۵۵ء کو آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کی اہلیہ طاہرہ بیگم ایک دیندار خاتون ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد آپ کی اہلیہ کا خاندان ضلع گورداس پور (بھارت) سے ساہیوال آکر قیام پذیر ہو گیا۔ یہاں آپ نے مولوی عالم اور مولوی فاضل مدرسہ بنات الاسلام سے کیا۔ بچپن کے دینی رجحان کی وجہ سے ساہیوال آکر جماعت اسلامی کی رکن اور ناظمہ فردوسی بیگم (والدہ ڈاکٹر اسرار احمد) کے قریب ہو گئیں۔ آپ کی یہی دینداری اور سادگی ڈاکٹر صاحب سے شادی کا سبب بنی۔ (۱۱۴)

کاروبار کا آغاز

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک تین سال اپنے بھائیوں کے ساتھ ایک کاروباری اشتراک میں کراچی میں گزارے۔ (۱۱۵) لیکن طبیعت کاروبار پر آمادہ نہ ہوئی چنانچہ آپ ۱۹۶۵ء میں واپس ساہیوال آگئے۔ اب از سر نو ساہیوال میں پریکٹس شروع کرنے میں حجاب محسوس ہوا۔ دوسرے طبیعت کے دینی رجحان کی وجہ سے یا بامقصد زندگی کے اعتبار سے لاہور ہی میں کسی کام کا آغاز مناسب معلوم ہوا اس غرض سے آپ لاہور آگئے۔ (۱۱۶)

شدید ترین مشقت کا دور

۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۰ء تک کے دور کو ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی کا شدید ترین مشقت کا دور قرار دیتے ہیں۔ بسبب اس کے کہ اس دور میں ایک طرف تو آپ پر مطب اور مریضوں کی ذمہ داری تھی تو دوسری طرف آپ نے جو حلقہ ہائے مطالعہ قرآن' لاہور کے مختلف گوشوں میں قائم کر رکھے تھے ہفتہ بھر ان کی مصروفیت رہتی اور تیسری جانب تحریر و تسوید کا کام اور دارالاشاعت کا انتظام تھا' مزید یہ کہ ۱۹۶۷ء میں تنظیم اسلامی کی تاسیس کے لیے جدوجہد' اس تمام محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف تو ۱۹۷۰ء تک آپ کی صحت نے بالکل جواب دے دیا اور دوسری طرف ابتدائی فارغ البالی کے کچھ عرصے میں مالی مشکلات نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ انہی دنوں ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے حوالے سے جمعیت علماء اسلام کی قیادت نے آپ پر ان کے ٹکٹ

پر صوبائی الیکشن لڑنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ یہی دور تھا جب آپ انتخابی سیاست سے بچنے اور اپنی زندگی کا آئندہ لائحہ عمل طے کرنے کے لیے حرمین شریفین روانہ ہو گئے۔ (۱۱۷)

سفر حجاز

ڈاکٹر صاحب اواخر اکتوبر ۱۹۷۰ء/۱۵/۱۶ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ میں عازم حج ہوئے' یہ سفر پورے ایک سو بیس دن پر محیط رہا' جو آپ کی زندگی کا طویل ترین سفر بھی تھا اور ہر اعتبار سے اہم ترین بھی اس لیے کہ اس سفر کے دوران آپ نے حج کے موقع پر اپنی حیات دنیوی کا اہم ترین فیصلہ کیا۔ یعنی میڈیکل پریکٹس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا اور جملہ صلاحیتوں' توانائیوں اور کل اوقات کو دعوت قرآن اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں:

> ''اس پورے عرصہ کے دوران میں مسلسل آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتا رہا اور بالآخر سرزمین حجاز میں ہی حج کے مبارک موقع پر میں نے اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کرلیا۔ یعنی یہ کہ آئندہ مطب کا سلسلہ بالکل بند اور جتنی بھی مہلت عمر بقایا ہے سب کی سب وقف برائے خدمت کتاب اللہ و سعی اعلاء کلمۃ اللہ۔'' (۱۱۸)

چنانچہ ۱۹۷۱ء میں حجاز سے واپسی پر مطب کا سلسلہ بالکل بند کر دیا اور بقایا عمر اللہ کی کتاب اور دین کے کاموں میں لگانے کا آغاز کیا۔ (۱۱۹)

دعوتی دور

ڈاکٹر صاحب کے دعوتی دور کا آغاز اصلاً تو اٹھارہ برس کی عمر میں ۱۹۵۰ء ہی سے ہو گیا تھا تاہم آزادانہ حیثیت میں دعوت دین اور خدمت قرآن کا سلسلہ ۱۹۶۵ء سے شروع ہوا۔ آپ کی دعوت کے دو ادوار ہیں:

پہلا دور: ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۲ء تک انفرادی مساعی کا دور ہے جس کے دوران آپ دعوتِ حق دروس قرآن کی شکل میں لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اس دور کے قابل ذکر کام یہ تھے:

(۱) لاہور کے حلقہ ہائے مطالعہ قرآن میں دروس کا انعقاد۔
(۲) مطالعہ قرآن حکیم کی سورتوں کے منتخب نصاب کو کتابی صورت میں پہلی بار یکجا کیا۔
(۳) ۱۹۶۶ء میں خالص نجی اشاعتی ادارے کا قیام۔
(۴) ڈاکٹر صاحب کی زیر ادارت ۱۹۶۶ء میں ماہنامہ میثاق کا اجراء۔ (۱۲۰)

دوسرا دور: دوسرا دور ۱۹۷۲ء سے شروع ہوا اور تا حیات جاری رہا۔ اس دور میں جو آپ نے دعوتی امور سرانجام دیے ان کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے تفصیل آئندہ ابواب میں آئے گی۔

(۱) ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۲ء میں انجمن خدام القرآن قائم کی' اس کے قیام کا مقصد علوم قرآنی کی اشاعت اور مختلف تعلیمی اداروں کے قیام کے لیے وسائل مہیا کرنا تھا۔ (۱۲۱)

(۲) غلبہ اقامت دین کی جدوجہد کے لیے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ (۱۲۲)

(۳) ۱۹۷۶ء میں قرآن اکیڈمی قائم کی تا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان قرآن پر تحقیق اور نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھائیں۔ (۱۲۳)

(۴) ۱۹۷۹ء میں بیرون ملک پہلے تبلیغی سفر کا آغاز امریکہ سے ہوا۔ (۱۲۴)

(۵) ۱۹۸۱ء میں جنرل ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ میں شمولیت لیکن دو ماہ بعد ہی استعفیٰ دے دیا۔ (۱۲۵)

(۶) ۱۹۸۲ء میں قرآن اکیڈمی فیلوشپ سکیم کا آغاز۔

(۷) ۱۹۸۴ء میں دو سالہ تدریسی اسکیم کا آغاز ہوا۔

(۸) ۱۹۸۷ء میں قرآن کالج کا قیام عمل میں آیا۔ (۱۲۶)

(۹) ۱۹۸۷ء ہی میں شریعت بل کی منظوری کے لیے حکومت کے خلاف تمام دینی جماعتیں متحد ہو گئیں تو ڈاکٹر صاحب نے بھی اس محاذ کی سرگرمیوں میں انتہائی فعال طور پر حصہ لیا۔

(۱۰) ۱۹۹۱ء میں نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کرنے کے لیے تحریک خلافت پاکستان کا آغاز کیا۔

(۱۱) ۱۹۹۷ء میں پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے بھرپور مہم چلائی اور لاکھوں کی تعداد میں مجوزہ ترامیم کا خاکہ حکومت کو بذریعہ ڈاک بھیجا۔

(۱۲) ۱۹۹۸ء میں آپ کے دورہ ترجمہ قرآن کی ریکارڈنگ Q.Tv اور کئی دیگر چینلز کے ذریعے نشر ہوئی اور ۱۲۶ ممالک میں لاکھوں مسلمانوں اور غیر مسلموں تک قرآن کا پیغام پہنچایا۔ آپ کی دعوت کا یہ سلسلہ مختلف انداز میں آپ کی وفات تک جاری رہا۔

(۱۳) ۲۰۰۲ء میں تنظیم اسلامی کی امارت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنی ساری توجہ علمی' فکری اور تبلیغی امور کی طرف مرکوز کر دی۔

(۱۴) ۲۰۰۴ء' ۲۰۰۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے مایہ ناز اسکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک کی دعوت پر بھارت کا دورہ کیا۔ ۲۰۰۹ء میں جنوبی افریقہ کا دورہ کیا اور وہاں بھی کئی مقامات پر خطاب کیا۔ (۱۲۷)

اہل وعیال

ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ ایک دین دار خاتون ہیں اور انہوں نے ڈاکٹر صاحب کا دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا اور اس راستے میں آنے والی تمام مشکلات کا بڑے حوصلے سے سامنا کیا۔ جب تنظیم اسلامی قائم کی گئی تو وہ اس کی حلقہ خواتین کی ناظمہ مقرر ہوئیں اور اولاد کی تعلیم و تربیت کے بارے میں بھی ڈاکٹر صاحب کو اپنی اہلیہ پر بھروسا تھا۔ آپ کی صاحبزادی اپنی والدہ کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

> ''امی کا دینی ذوق تو بہت زیادہ اور بہت پہلے سے تھا بلکہ کئی دفعہ ابا جی کہا کرتے تھے بھئی تمہاری ماں تو مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ امی ابھی تک ہماری تربیت پر کڑی نگاہ رکھتی ہیں — ہمارے ابا جی تو ہمہ وقت تبلیغ دین میں مصروف رہتے تھے ساری گھریلو ذمہ داری ہماری امی پر تھی۔ والد صاحب کو اس حوالے سے ان پر پورا اعتماد تھا۔''(۱۲۸)

ڈاکٹر صاحب کے چار صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اولاد کی تربیت اس نہج پر کی کہ آج ساری اولاد دعوت و تبلیغ کے کاموں میں مصروف عمل ہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے جناب عارف رشید ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں وہ آج کل انجمن خدام القرآن کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ دوسرے بیٹے عاکف سعید ایم اے فلسفہ ہیں اور تنظیم اسلامی کے امیر ہیں۔ تیسرے صاحبزادے عاطف وحید ایم اے اکنامکس ہیں کچھ عرصہ قرآن کالج میں پڑھاتے رہے۔ آج کل پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ چوتھے صاحبزادے آصف حمید ایم اے عربی اور ایم اے انگلش ہیں اور شعبہ سمع و بصر انجمن خدام القرآن لاہور کے ناظم ہیں۔ آپ کی صاحبزادیاں بھی تنظیم اسلامی ویمن ونگ سے منسلک ہیں اور دعوت و تدریس کی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔(۱۲۹)

وفات

ڈاکٹر صاحب کا انتقال ۱۳/اور ۱۴/اپریل ۲۰۱۰ء کی درمیانی شب میں ہوا۔(۱۳۰) ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ نے آپ کے آخری ایام کی روداد ان الفاظ میں بیان کی:

> ''ڈاکٹر صاحب کی طبیعت تو خراب رہتی تھی مگر ایسی بھی نہ کہ وہ چل پھر نہ سکیں۔ ۱۰ اپریل کو فیصل آباد میں مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کی۔ فیصل آباد سے آکر کمر میں درد تھا پھر بخار ہوگیا۔ آخری دن ۱۳ اپریل کو بڑی سخت کپکپی چڑھی عصر کے بعد طبیعت زیادہ مضمحل ہوتی گئی۔ رات تین بجے کے قریب نیند میں اپنی دوسری منزل کی

طرف چل دیے۔"(۱۳۱)

ڈاکٹر صاحب کی نماز جنازہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۰ء بروز بدھ بعد نماز عصر سنٹرل پارک ماڈل ٹاؤن لاہور میں آپ کے صاحبزادے امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے پڑھائی۔(۱۳۲)

آپ کی نماز جنازہ میں سیاسی رہنماؤں' ارکان پارلیمنٹ' علماء کرام' دانشوروں اور صحافیوں سمیت مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والوں نے شرکت کی۔ ۱۵ اپریل کو تمام اخبارات کے صفحہ اول پر ذیلی سرخی کے طور پر یہ خبر موجود تھی:

ممتاز عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد انتقال کر گئے نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔(۱۳۳)

تعزیتی پیغامات

ارباب سیاست اور اہل علم و دانش کی جانب سے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کی وفات پر موصول ہونے والے چند تعزیتی پیغامات و تاثرات درج ذیل ہیں:

☆ سید علی شاہ گیلانی' سری نگر (چیئرمین آل پارٹیز حریت کانفرنس) ڈاکٹر صاحب کی وفات پر ان الفاظ میں اظہارِ تعزیت کرتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب ملت کا بے بدل اثاثہ تھے۔"

☆ لیاقت بلوچ' نائب امیر جماعت اسلامی لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کا سایہ اُٹھ جانا بڑی محرومی ہے لیکن اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا تو ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔"

☆ جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ ابتسام الٰہی ظہیر اور دیگر رفقاء نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے فرمایا:

"ان کی وفات سے ملک ایک عظیم مذہبی دانشور و سکالر سے محروم ہو گیا۔"

☆ مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا:

"ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال سے سکالرز کی دنیا میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔"

☆ ماہر تعلیم عتیق الرحمٰن صدیقی ہری پور لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب لادینی افکار کے خلاف برہنہ تلوار تھے۔"

☆ مفتی محمد ارشد ہانگ کانگ سے لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب تقویٰ کی صفت سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ استقلال اور استقامت کے غیر متزلزل پہاڑ اور سب سے بڑھ کر سچے عاشق قرآن تھے۔"

☆ محمد اسلم سلیمی نائب امیر جماعت اسلامی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب نے عمر بھر قرآن کی جو خدمت کی اللہ تعالیٰ اسے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔''(۱۴۴)

شخصی زندگی کے اوصاف

ڈاکٹر اسرار احمد ایک عالم باعمل اور اسلاف صالحہ کی زندگی کا عمدہ نمونہ تھے۔ آپ نہ صرف ایک ممتاز عالم دین بلکہ دینی و دنیوی علوم پر گہری نظر رکھنے والے دُور اندیش انسان تھے۔ تنظیم اسلامی کے بانی' انجمن خدام القرآن کے مؤسس' خلافتِ اسلامیہ کے داعی اور سب سے بڑھ کر بہترین مدرس قرآن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہانت' قدرتِ کلام' تقریر و تحریر اور مضبوط قوتِ ارادی جیسی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور انہوں نے ان صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنی زندگی کا بیشتر وقت اقامتِ دین اور نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں پوری دیانت داری سے صرف کیا۔ آپ کی شخصیت عمدہ اخلاق سے مزین تھی۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے نمایاں محاسن کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(ا) اخلاص فی الدین

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف اخلاص فی الدین تھا۔ ان کی تمام کاوشیں اور جسمانی صلاحیتیں اللہ کی رضا کے حصول کے لیے تھیں۔ کسی مادی منفعت سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ غرض تھی تو صرف یہ کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اپنی خصوصی صلاحیتوں کو دنیا بنانے کی بجائے دین کے کاموں میں کھپایا۔

پروفیسر نثار احمد ملک ڈاکٹر صاحب کی اس خوبی کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا سب سے متاثر کن پہلو آپ کا ''اخلاص فی الدین'' تھا۔ وہ اپنے نصب العین کے ساتھ انتہائی مخلص تھے ان کی مساعی جمیلہ حصول رضائے الٰہی کے لیے وقف تھیں۔ انہوں نے اپنی دینی خدمات کے عوض کوئی مادی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ ان کی ذات سستی شہرت اور نمود و نمائش سے یکسر پاک تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے تمام جائز ذرائع استعمال کیے۔ چھوٹے چھوٹے حلقہ ہائے درس قرآن سے اپنے کام کا آغاز کیا اور بڑے بڑے اجتماعات سے بھی مخاطب ہوئے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں طلبہ کی قلیل تعداد کو بھی درسِ قرآن

دیے اور دنیا بھر کے سفر بھی کیے' ان کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ سننے والے کم ہیں یا زیادہ وہ انتہائی دلسوزی کے ساتھ دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی گفتگو دل میں اترتی چلی جاتی تھی۔ وہ دین کا کام احساس ذمہ داری سے کرتے تھے۔ ان کے اس اخلاص فی الدین کے ان کے کٹر مخالف بھی معترف تھے۔''(۱۳۵)

دین کے ساتھ اس اخلاص نے آپ کے اندر اس قدر استقلال اور استقامت پیدا کر دی کہ آپ نے اپنی زندگی کے شب و روز انتہائی خلوص و عزم کے ساتھ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے بسر کیے۔ محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''ایک اور بات جو ڈاکٹر صاحب کے بارے میں نہایت اہم ہے وہ ان کا غیر متزلزل عزم اور بلا کی استقامت اور استقلال ہے۔ گزشتہ دس برسوں میں بہت سے لوگ اسلامی انقلاب کی منزل کو دور دیکھ کر قدرے مایوسی کا شکار ہوئے۔ مگر ڈاکٹر صاحب مایوس نہیں تھے وہ نتائج سے زیادہ اپنے نظریہ کی صداقت اور جدوجہد کے صحیح ہونے پر انمٹ یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے جس عظیم ہدف کے حصول کے لیے اپنی جوانی' ادھیڑ عمری اور پیرانہ سالی لگا دی تھی اس پر انہیں بالکل تاسف نہیں تھا۔ انہیں اپنے مشن کے متعلق انشراحِ صدر تھا اور ان کے نزدیک سب سے بڑی کامیابی اور خوش بختی ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی زندگی کو اس کے راستے پر لگائے۔ منزل سے زیادہ منزل کے حصول کی جدوجہد ان کے لیے اہم تھی۔''(۱۳۶)

(۲) پابندِ شریعت

ڈاکٹر صاحب عالم باعمل تھے ان کی زندگی ایک پکے اور سچے مسلمان کی زندگی تھی آپ معروف پر عمل اور منکرات سے نفرت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ شرعی احکام کی نہ صرف خود سختی سے پابندی کرتے بلکہ ان احکام کی بجا آوری کی دوسروں کو بھی تلقین کرتے۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ (لیکچرر گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور) لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کو جاہلانہ تقلید اور ہندوانہ رسم و رواج سے نفرت تھی۔ شادی بیاہ کے ضمن میں فضول رسومات کو ختم کرنے کو انتہائی ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا آغاز اپنی ذات سے کیا' اپنی بیٹیوں کو جہیز نہیں دیا اور نہ ہی بیٹوں کے سسرالیوں سے جہیز قبول کیا۔ بارات کی صورت میں ایک لشکر لے کر جانے اور لڑکی والوں کے گھر سے دعوت کھانے کو کمینگی اور خست جانتے تھے۔ ہاں دعوتِ ولیمہ کو مسنون سمجھ کر اس کا اہتمام کرتے اور شرکت کو ضروری قرار دیتے تھے۔ اسی طرح شادی غمی یا دوسرے

موقعوں پر عورتوں مردوں کی مخلوط محافل کو ناجائز قرار دیتے اور کسی ایسی محفل میں شریک نہ ہوتے جہاں عورتوں کے لیے پردے کا اہتمام نہ ہوتا۔ انہوں نے مسجد میں نکاح کا اعلان کر کے بڑے بڑے علماء کو حیرت میں ڈال دیا' کیونکہ معاشرے میں اس پر کہیں عمل نہیں ہو رہا تھا لیکن اس کی بنیاد حدیث اور سنت سے واضح کی تو لوگوں میں مسجد میں نکاح کرنے کا رواج عام ہوتا گیا۔ آپ شرعی پردہ کے سختی سے قائل تھے اور اپنے گھروں میں آپ نے اس کا اہتمام کر رکھا تھا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے علماء اور صوم وصلوٰۃ کے پابند مسلمان بھی معاشرے میں موجود غیر اسلامی رسومات کو شادی بیاہ اور موت کے موقع پر اختیار کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میں یہ کمزوری نہ تھی بلکہ جس چیز کو خلاف سنت سمجھتے تھے اس کو کبھی اختیار نہ کرتے اور پھر دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔''(۱۳۷)

مولانا محمد اسلم شیخوپوری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ شرعی مسائل واحکام کی اتباع اور ان پر استقامت میں مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے۔ مظاہر شریعت کی پابندی میں کسی قسم کی لچک دکھانے پر تیار نہ تھے۔''(۱۳۸)

(۴) پابندئ وقت

زندگی کو منظم ومنضبط رکھنے میں پابندئ وقت بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے پابندئ وقت کو بہت اہمیت دی۔ آپ کے احباب اور اہل خانہ آپ کی اس خوبی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں' حافظ محمد زبیر کے مطابق:

''آپ پابندئ وقت کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے اور وقت کو بالکل بھی ضائع نہ کرتے تھے۔ عین نماز کے وقت مسجد میں تشریف لانا' اگر تین یا چار منٹ بھی نماز میں رہتے ہوں تو فوراً نفل نماز کی نیت باندھ لینا' ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔''(۱۳۹)

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ آپ کی پابندئ وقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''چند منٹوں کی تقدیم وتاخیر آپ کو گوارا نہ تھی' اسی لیے آپ کے پروگراموں میں لوگ قبل از وقت پہنچ جاتے تھے۔''(۱۴۰)

ڈاکٹر صاحب وقت کے بہت پابند تھے۔ ہر کام وقت پر کرتے۔ دوپہر کا کھانا' رات کا کھانا' نماز کے فوراً بعد کھاتے تھے۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو وقت پر پہنچتے اور اگر کوئی وقت پر نہیں پہنچتا تو آپ اپنی اگلی مصروفیت میں مشغول ہو جاتے۔(۱۴۱)

(۴) بناوٹ و تصنع سے پاک شخصیت

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں بناوٹ و تصنع کا کوئی دخل نہ تھا۔ ظاہری تقدس کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہ کیا۔ جس طرح دعوتی خدمات سرانجام دینے سے پہلے جانے جاتے تھے اسی نام کو اپنے مشن کی تکمیل کے دوران رکھا۔ اپنے نام سے پہلے کسی سابقے لاحقے کو لگانا پسند نہ فرماتے تھے۔ پروفیسر نثار احمد ملک آپ کی اس خوبی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کی شخصیت بناوٹ و تصنع سے پاک تھی۔ انہوں نے کبھی اپنے گرد کوئی مصنوعی تقدس کا ہالہ قائم نہیں کیا۔ نہ ہی وہ خود کو کوئی بہت بڑی روحانی شخصیت سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے کام کی بنیاد خوابوں اور غیبی اشاروں پر نہیں بلکہ قرآن و سنت کے روشن دلائل پر رکھی...... انہوں نے اپنے نام کے ساتھ لمبے چوڑے سابقے و لاحقے لگانا کبھی پسند نہیں کیا۔ نہ کبھی اپنے آپ کو ''علامہ'' لکھا نہ مفکر اسلام اور نہ شیخ الاسلام...... وہ تو مولانا بھی نہ لکھتے تھے۔ ایک جلسہ عام منعقد کرنا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب کا کلیدی خطاب تھا' اس کی تشہیر کے لیے جو پمفلٹ شائع ہوا' اس میں ڈاکٹر صاحب کے نام سے پہلے مفکر اسلام اور مفسر قرآن لکھا گیا۔ یہ ہینڈ بل ڈاکٹر صاحب نے دیکھ لیا اور بہت ناراض ہوئے...... کہنے لگے میں نے کبھی دعویٰ کیا ہے کہ میں مفسر قرآن ہوں میں تو فقط ''خادمِ قرآن'' ہوں۔''(۱۴۲)

(۵) سادگی

ڈاکٹر صاحبؒ اپنی وضع قطع' لباس اور رہن سہن میں انتہائی سادہ انسان تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے بارے میں فرماتی ہیں:

''آپ خوراک انتہائی سادہ کھاتے تھے بلکہ میس میں جو کھانا پکا ہوتا تھا وہ بھی خوش ہو کر تناول فرماتے۔ رہائش انتہائی سادہ تھی۔ تیس سال پہلے کا فرنیچر آج بھی زیر استعمال تھا۔ آپ کا بیڈ پہلے نواڑ سے بنا ہوا تھا لیکن جب آپ کو کمر کی تکلیف ہوئی' تو سخت بیڈ کی ضرورت ہوئی تو اسی بیڈ پر تختے لگوا لیے۔''(۱۴۳)

آپ کے رفقاء بھی آپ کی شخصیت کی اس خوبی سے اچھی طرح متعارف تھے۔ چنانچہ پروفیسر نثار احمد ملک لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن اکیڈمی کے ایک چھوٹے سے کوارٹر میں گزار دیا۔ جس طرح دوسرے ملازمین کے پاس مکانات تھے ویسا ہی ایک مکان

ڈاکٹر صاحب کے پاس بھی تھا۔ ان کی زندگی کروفر اور ہٹو بچو سے پاک تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں ایک درویش صفت انسان تھے۔"(۱۴۴)

حافظ محمد ادریس رقم طراز ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کا طرزِ بود و باش سادہ اور اسلامی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔"(۱۴۵)

محمد عطاء اللہ صدیقی ڈاکٹر صاحب کی سادہ زندگی کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مجھے ان کی انقلابی جدوجہد کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کی سادگی اور دین داری اور ذاتی زندگی میں عاجزی نے بے حد متاثر کیا۔ ڈاکٹر صاحب اگر چاہتے تو بے پناہ دولت کما سکتے تھے۔ ان کے بھائیوں نے کاروبار میں کروڑوں روپے کمائے مگر انہوں نے دولت جمع کرنے کی کاوش کبھی نہ کی۔ ان کی ساری جدوجہد قرآن و سنت کی دعوت کے لیے مخصوص تھی۔ انہوں نے شروع سے ہی سادہ رہن سہن اختیار کیا۔ ۱۹۷۸ء میں جب ماڈل ٹاؤن میں منتقل ہوئے وہاں قرآن اکیڈمی کے دو کمروں پر مشتمل آٹھ فلیٹوں میں سے ایک فلیٹ میں رہائش اختیار کی۔ باقی فلیٹ تنظیم اسلامی کے ارکان کے لیے مخصوص کر دیے گئے...... پانچ چھ برس پہلے مجھے ان سے اسی فلیٹ میں ملنے کا موقع ملا جس میں وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے' ہر طرف سادگی نظر آتی تھی۔ ان کے ایک رفیق نے بتایا کہ اس فلیٹ کا فرنیچر تیس سال سے زیادہ پرانا ہے۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کو خرچ کرنے کے لیے صرف آٹھ ہزار روپے ملتے تھے۔ ان کے پاس پہننے کے لیے محض دو چار سوٹ تھے۔ دو تین واسکٹ تھیں جسے وہ بدل بدل کر پہنتے تھے' کھانا بے حد سادہ تھا' ان کی ذات عملی تقویٰ اور تدین کا اعلیٰ نمونہ تھی۔"(۱۴۶)

ڈاکٹر عارف رشید کی صاحبزادی نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بتایا:

"دادا جان میں سادگی بہت زیادہ تھی۔ سادہ سے سادہ خوراک شوق سے کھا لیتے تھے۔ کپڑوں کی میچنگ کا خیال رکھتے تھے جبکہ وہ کپڑے پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے پھر بھی ان کو پہننے سے گریز نہ کرتے تھے۔"(۱۴۷)

(۶) حق گوئی

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کی نمایاں خوبی حق اور سچ بات کو بانگ دہل بیان کرنا تھا۔ کلمۂ حق کہنے میں کوئی مصلحت' دباؤ اور لالچ آپ کے آڑے نہ آتا تھا۔ پروفیسر نثار احمد ملک لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا ایک پہلوان کی حق گوئی اور بے باکی تھی۔ وہ جس بات کو حق سمجھتے تھے ان کا جو بھی موقف ہوتا' اسے ڈنکے کی چوٹ بیان کرتے تھے۔ یہ موقف کسی علمی نکتہ کے حوالے سے ہو یا قومی اور سیاسی موضوعات سے متعلق ہو' ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات بغیر کسی مصلحت کے بیان کی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ کسی علمی مجلس میں وہ اپنے موقف کے حوالے سے تنہا رہ جاتے۔ اس حق گوئی کے حوالے سے بعض دفعہ ان کی جان کو فی الواقع خطرات لاحق ہو گئے لیکن انہوں نے اپنی بات اگر تبدیل کی تو دلائل کی روشنی میں کسی مصلحت کے تحت نہیں۔ وہ صاف اور کھری بات حکمرانوں کے منہ پر کرتے تھے۔ مرحوم ضیاء الحق سے جب بھی سامنا ہوا کھری کھری سنا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکمرانوں کے حلقہ مشاورت میں کوئی خاص جگہ نہیں پاتے۔'' (۱۴۸)

حافظ محمد زبیر ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے اس پہلو کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کو بیان کرنے میں کسی قسم کی ملامت کی پروانہ کرتے تھے' ان میں جرأتِ ایمانی بہت زیادہ تھی۔'' (۱۴۹)

بقول پروفیسر محمد یونس جنجوعہ:

''اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص قسم کا رعب و دبدبہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کبھی کسی حکمران یا معروف سیاسی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ بڑے بڑے صاحبانِ اقتدار اور مالکان جاہ وجلال آپ کے پاس آتے تھے اور کھری کھری سن کر جاتے تھے۔ کسی کو آپ کے سامنے استدلال کرنے کا یارانہ ہوتا تھا۔'' (۱۵۰)

مولانا محمد اسلم شیخوپوری لکھتے ہیں:

''اس حق گوئی کا مظاہرہ انہوں نے اس وقت بھی کیا تھا جب پی ٹی وی کی انتظامیہ نے ان کے درس میں خواتین کو بٹھانے پر اصرار کیا' انہوں نے اپنے مقبول عام پروگرام سے دست برداری تو قبول کر لی' مگر بے حجاب خواتین کو درس میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ اس حوالے سے ان کے خلاف خواتین نے جلوس نکالے مگر وہ اپنے موقف پر مضبوطی سے جمے رہے۔'' (۱۵۱)

انجینئر نوید احمد ڈاکٹر صاحبؒ کی حق گوئی و بے باکی کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب انتہائی بے باک اور دوٹوک بات کہنے سے ذرا نہیں جھجکتے تھے۔ حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کہا' سیکولر سوچ رکھنے والے دانشوروں

کے سامنے بڑے اعتماد سے اسلام کو بحیثیت دین یعنی مکمل نظامِ زندگی کے طور پر پیش کیا۔ اپنے مسلک کو ہی کل اسلام سمجھنے والوں کی مضبوط دلائل سے اصلاح کی اور نیکی کا محدود تصور رکھنے والوں کی واشگاف الفاظ میں تردید کی۔"(۱۵۲)

(۷) علمیت و وسعتِ مطالعہ

ڈاکٹر صاحب ایک ذہین و فطین شخصیت تھے اور آپ عصر حاضر اور علومِ اسلامیہ پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی تحریر و تقریر خالصتاً علمی و دینی نوعیت کی ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ تعلیم یافتہ طبقہ میں بہت مقبول تھے۔ آپ کی اس خوبی کے بارے میں پروفیسر خورشید احمد رقم طراز ہیں:

"اسرار بھائی نے جدید اور قدیم دونوں علوم سے بھرپور استفادہ کیا اور اس علم کو دعوت دین کے لیے بڑی کامیابی سے استعمال کیا۔"(۱۵۳)

پروفیسر نثار احمد ملک لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب اپنی ذہانت و فطانت کے اعتبار سے ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی فکر انتہائی پختہ اور واضح تھی اور ان کا تصورِ دین دلائل و براہین پر مبنی تھا۔ وہ لوگوں کو اس فکر کی طرف جذباتی انداز میں نہیں بلاتے تھے بلکہ پورے شعور اور دلائل کی طاقت سے قائل کرتے تھے۔ ایک طرف وہ قرآن کے معلم تھے تو دوسری طرف آپ عمرانی مسائل، اُمتِ مسلمہ کے زوال اور اس زوال کو عروج میں کیسے بدلا جائے جیسے موضوعات پر واضح نکتۂ نظر رکھتے تھے۔ وہ اپنے خطبات جمعہ میں سیاسی مسائل پر کھل کر اظہار خیال کرتے تھے۔ ان کے رفقاء میں سے بعض ان کے سیاسی تجزیوں سے اختلاف رکھتے تھے لیکن ڈاکٹر صاحب کا موقف دل کو لگتا تھا۔ وہ محض ایک واعظ نہ تھے بلکہ امتِ مسلمہ کے مسائل کے نباض بھی تھے۔ وہ اُمتِ مسلمہ کے عالمی سطح کے مسائل سے لاتعلق نہیں رہتے تھے۔ ان کی اسی جامعیت کی وجہ سے ان کے خطباتِ جمعہ سننے والوں میں اکثر تعلیم یافتہ طبقات کے نمائندہ افراد ہوتے تھے۔"(۱۵۴)

عرفان صدیقی لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کا ایک بڑا امتیاز یہ تھا کہ وہ بیک وقت دینی اور دنیوی تعلیم سے آراستہ تھے، ہمارے ہاں کے علماء میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔"(۱۵۵)

جناب مبشر لقمان ڈاکٹر صاحبؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میں ایک بات مکمل یقین کے ساتھ بتا سکتا ہوں کہ ان کے عقیدے اور ایقان سے قطع نظر وہ بے حد علم والے شخص تھے۔ کوئی ان کی منطق اور دلیل سے تو عدم اتفاق کر سکتا

ہے لیکن بہت سے دنیوی علوم پر ان کی دسترس اور قرآنِ حکیم کے بارے میں ان کی خوش کلامی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے کئی مرتبہ ٹیلی ویژن پر ان کا انٹرویو کیا اور ہر بار میری دلیلوں کے باوجود انہوں نے اپنے تبحر علمی اور ارتکازِ توجہ سے مجھے ششدر کر دیا...... مجھے یاد ہے جب میں نے ان سے مسجد الاقصیٰ کی تاریخ پر بات کی تو یقین کریں کہ وہ تاریخ کے کسی پروفیسر سے بھی زیادہ اس مضمون کے ماہر تھے۔ میں نے میڈیکل سائنس کی بات چھیڑ دی اس میں تو وہ پہلے ہی عروج پر تھے۔ میں نے بعض بہت سے تلخ حقائق بھی اکٹھے کر رکھے تھے جن کا جواب انہوں نے زور زبردستی سے نہیں دیا بلکہ دلیل سے اور دیانت داری سے دیا اور ان کے کردار کی یہ خوبی تھی کہ انہوں نے ان چند چیزوں کو تسلیم بھی کر لیا جو ہم میں سے کوئی بھی برسرِ عام نہیں کر سکتا' چہ جائیکہ ٹیلی ویژن پر کیا جائے۔ اُن کے پائے کا ایک عالم تیار کرنے میں پچاس برس کا عرصہ لگا لیکن آج کے دن یہی بات بہت سے علمائے دین کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی کہ وہ دین کے ساتھ دنیا کی سائنس سے بھی کما حقہٗ آگاہ ہوں گے۔"(۱۵۶)

روزنامہ اسلام کے کالم نویس جناب اظہار احمد خان ڈاکٹر صاحبؒ کی تبحر علمی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ان کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لاحقہ میڈیکل کی تعلیم کے باعث تھا۔ لیکن وہ عالم اسلام کے مسیحا بن کر اُبھرے۔ بلاشبہ ان کا مطالعہ بڑا ہی وسیع تھا۔ اردو' انگریزی' عربی' فارسی سب پر عبور حاصل تھا۔ برمحل اشعار اور تراکیب اور ماڈرن سامعین کے لیے انگریزی اصطلاحات' محاورے' ضرب الامثال' حوالہ جات اور چٹکلے اس حیران کن مہارت سے استعمال کرتے کہ حاضرین ہر وقت ہمہ تن گوش رہنے پر مجبور رہتے۔ زیرِ بحث معاملات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے اور موضوع کا حق ادا کر دیتے۔ شانِ نزول کی تفصیلات اور جغرافیائی محل وقوع کی واقفیت' سننے والے کو زمان و مکان کی قید سے آزاد کر دیتے اس ماحول میں لا کھڑا کر دیتے جو واقعہ سے متعلق ہوتا تھا۔"(۱۵۷)

(۸) وسیع النظر

آپ اپنے واضح نظریات رکھنے اور ان پر ثابت قدم رہنے کے باوجود نہایت وسیع النظر تھے اور ہر طرح کے طبقات سے یکساں تعلقات تھے۔ اہل علم کی ان کے دل میں بڑی قدر تھی اگر اختلاف کی نوبت آ جاتی تو اختلاف کرتے مگر دلیل کے ساتھ مکمل احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ مسلکی اختلافات کو کبھی آڑے نہ آنے دیتے تھے۔ بقول محمد عطاء اللہ صدیقی:

''ڈاکٹر صاحب فرقہ وارانہ تعصبات سے بالا تر تھے۔ وہ وسیع المشرب دینی سکالر تھے۔ وہ اگرچہ حنفی مسالک سے دلی قربت رکھتے تھے' مگر ماہِ رمضان میں بارہا ان کے ہاں سلفی مسلک کے طریق پر نماز وتر ادا کی جاتی تھی۔''(۱۵۸)

حافظ محمد زبیر ڈاکٹر صاحب کی فقہی مسائل میں اپنی رائے کے اظہار کے لحاظ سے وسعتِ قلبی کے مظاہرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ راقم الحروف کو ایک ملاقات میں کہنے لگے: مجھے عبادات میں اہل حدیث کا طریقہ پسند ہے اور معاملات میں حنفی فقہ کو مبنی بر اعتدال سمجھتا ہوں۔ بعض اوقات وہ یہ بھی کہتے تھے: میں عبادات میں اہل حدیث ہوں اور معاملات میں حنفی ہوں لیکن میرے خیال میں یہ تقسیم بھی ایک موٹی سی تقسیم ہے۔ حقیقت میں وہ حنفی تھے اور نہ اہل حدیث بلکہ اپنی ذاتی تحقیق' مطالعہ اور رائے پر اعتماد کرتے تھے چاہے وہ ان دونوں مسالک کے متفقہ فتویٰ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو—— اگر ان پر اپنے موقف کی غلطی واضح ہو جاتی تو اس سے رجوع فرما لیتے۔''(۱۵۹)

(۹) شفقت و پیار

ڈاکٹر صاحب ایک بارعب شخصیت کے مالک تھے لیکن ان کا رویہ بچوں کے ساتھ انتہائی شفیق تھا۔ اس صفت کا اظہار آپ سے قریبی تعلق رکھنے والے اس طرح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی بہو نے ایک موقع پر بتایا:

''خواتین عام طور پر پوچھتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب تو بہت غصہ والے' رعب والے ہیں پھر گھر میں ان کا رویہ کیسا ہوتا ہے؟ تو میرا جواب تھا کہ ڈاکٹر صاحب گھر والوں کے ساتھ نہایت شفیق اور محبت کرنے والے تھے۔ خاص طور پر بچوں سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ ان کے پوتے پوتیوں' نواسے نواسیوں کی تعداد ان کی زندگی میں ۵۲ تک پہنچ گئی تھی۔ ان سب کے نام ڈاکٹر صاحبؒ نے خود رکھے۔''(۱۶۰)

ڈاکٹر صاحب کی پوتی آپ کی شفقت کا اس طرح تذکرہ کرتی ہیں:

''دادا جان کے پاس وقت کم ہوتا تھا اس لیے ان سے کم ملاقات ہوتی تھی لیکن جب ملتے بہت محبت سے ملتے۔ ایک دفعہ دادی جان کی مدد کے لیے آئی ہوئی تھی تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کیوں بچوں کو تکلیف دیتے ہو۔''(۱۶۱)

دادا ابا بہت نرم دل تھے میرا آپریشن ہوا تو گھر آئے مجھے پیار کیا میرے پاس بیٹھے

رہے۔ آپ ہر بچہ سے ایسے پیار کرتے تھے کہ ہر کوئی یہ سمجھتا تھا کہ ہم سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔''(۱۶۲)

(۱۰) تنظیمی اور قائدانہ صلاحیت

اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر اسرار احمد کو دل و دماغ کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ علمی، دعوتی اور تنظیمی تینوں اعتبار سے وہ منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ تنظیمی اور قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور انہوں نے اسلامی جمعیت طلبہ، انجمن خدام القرآن، تنظیم اسلامی اور عالمی تحریک خلافت کے ذریعے اپنی بہترین صلاحیتیں دین کی خدمت میں صرف کیں۔ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا اور بلا شبہ ان کی شعوری کوششوں کا بھی اس میں بڑا دخل تھا کہ ان کا پورا خاندان دین حق میں ان کا شریک سفر تھا۔''(۱۶۳)

معاصرین سے روابط

مولانا محمد یوسف بنوریؒ

مولانا محمد یوسف بنوریؒ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں مہابت آباد پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا سید محمد زکریا، ماموں اور علاقے کے علماء کے علاوہ علماءِ کابل سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری، مولانا عبدالقدیر قاضی القضاۃ جلال آباد کابل اور شیخ محمد صالح افغانی قابل ذکر ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مولانا انور شاہ کاشمیریؒ سے دورہ حدیث کی سند لی۔ ۱۹۳۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔(۱۶۴)

فراغت کے بعد علامہ انور شاہ کی معیت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کا آغاز کیا اور شاہ صاحب کی دفات کے بعد آپ اس ادارہ کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں ڈابھیل کی مجلس علمی کی طرف سے مصر، یونان، ترکی اور حجاز مقدس کا سفر کیا اور بڑی بڑی علمی شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور ان سے استفادہ کیا۔(۱۶۵)

جنوری ۱۹۵۱ء میں پاکستان آئے اور دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں تین سال تک بطورِ شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث خدمات سرانجام دینے کے بعد مستعفی ہو گئے۔ بعدازاں حجاز مقدس کا سفر کیا اور حج سے واپسی پر نیو ٹاؤن کراچی میں ایک علمی ادارہ مدرسہ عربیہ اسلامی کی

بنیاد ڈالی۔ آپ اردو، پشتو، فارسی اور عربی چاروں زبانوں کے ادیب اور شاعر تھے۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے مالک اور دمشق کی مجلس علمی کے ممبر تھے۔ آپ کا موتمر عالم اسلامی قاہرہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے بھی رابطہ رہا۔ (۱۶۶)

آپ کی تصانیف میں **عوارف المنن مقدمہ معارف السنن** (عربی)، **معارف السنن شرح جامع ترمذی** (عربی) چھ جلدیں، **بغیة الاریب فی احکام القبلة والمحاریب** (عربی) تسخیر کائنات اور اسلام، ختم نبوت، مقدمہ "**فیض الباری شرح بخاری**" مقدمہ **مشکلات القرآن**، مقدمہ عبقات مشہور ہیں۔ (۱۶۷)

ڈاکٹر صاحب کا ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۵ء تک کراچی میں جب قیام رہا اس وقت مولانا بنوریؒ کا مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں دورۂ حدیث ہوتا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کی مولانا کے ساتھ رسمی اور سرسری انداز میں ملاقاتیں ہوئیں لیکن اکتوبر، نومبر ۱۹۷۰ء کو مسجد نبوی میں ماہ رمضان میں ڈاکٹر صاحب اور مولانا بنوریؒ معتکف تھے۔ وہاں چند ملاقاتوں کا موقع میسر آیا۔ جس کے بعد ڈاکٹر صاحب کا مولانا بنوریؒ کی زیارت سے مشرف ہونے کا سلسلہ چل نکلا اور جب آپ کراچی جاتے تو مولانا سے بھی گاہے بگاہے ملاقات کرتے اور ان کے دورۂ حدیث سے مستفید ہوتے۔ ۱۹۷۳ء میں پہلی سالانہ قرآن کانفرنس مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تو مولاناؒ اس میں تشریف لائے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو مولانا کو اس کے حلقہ ''مستشارین'' میں شرکت کی دعوت دی تو مولانا نے فرمایا:

> ''ڈاکٹر صاحب آپ مجھے بے حد عزیز ہیں، آپ کو پوری آزادی ہے کہ جب چاہیں آئیں اور جو مشورہ چاہیں طلب کریں، میں کبھی دریغ نہ کروں گا لیکن کوئی باضابطہ ذمہ داری قبول کرنے سے میں اپنی صحت کی کیفیت اور مصروفیت کی شدت کے باعث معذور ہوں۔'' (۱۶۸)

مولانا کا انتقال ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ہوا۔ (۱۶۹) اس وقت تک ڈاکٹر صاحب کی مولانا سے کبھی کبھار ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

مولانا محمد مالک کاندھلویؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ ایک معزز اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے

ہیں۔آپ کے والد شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی دارالعلوم دیوبند (۱۷۰) اور جامعہ اشرفیہ لاہور (۱۷۱) میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔آپ خلوص وللّٰہیت' زہدوتقویٰ اور علم وفضل میں قدیم اسلاف کا نمونہ تھے۔

مولانا مالک کاندھلویؒ ۱۹۲۵ء کو یوپی کے قصبہ کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔ (۱۷۲) ابتدائی تعلیم کا آغاز قرآنِ مجید کی تعلیم سے ہوا۔ دس برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ باضابطہ تعلیم تھانہ بھون میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی سرپرستی میں شروع کی۔ مدرسہ نصرت الاسلام تھانہ بھون اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد گرامی سے کاندھلہ میں حدیث وتفسیر' معتزلات وفلسفہ اور علم کلام کا علم حاصل کیا۔ (۱۷۳)

مولانا اعزاز علیؒ' مولانا عبدالسمیع' علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ علیہم سے بھی کسب علم کیا۔ (۱۷۴)

مولانا مالک کاندھلویؒ بہاولنگر اور ڈابھیل کے دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پچیس سال تک ٹنڈوالہ یار میں حدیث کی تدریس جاری رکھی اور آخر عمر میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے منسلک ہوگئے اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ (۱۷۵)

آپ کی تصانیف میں منازل العرفان فی علوم القرآن' پیغام مسیح' معارف القرآن' تاریخ حرمین' الہدایہ کی جلد ثالث ورابع کا اردو ترجمہ'سراج الہدایۃ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ تبلیغی رسائل بھی لکھے' ان میں اسلامی معاشرت' پردہ اور مسلمان عورت' اور اُمت مسلمہ میں عظیم تفرقہ اہم ہیں۔ (۱۷۶)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مولانا مالک کاندھلویؒ سے دیرینہ اور قریبی تعلقات تھے۔آپ اکثر وبیشتر مولانا کاندھلویؒ سے رہنمائی حاصل کرنے اور علمی پیاس بجھانے کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ مولانا ڈاکٹر صاحب سے بہت شفقت سے پیش آتے۔ ڈاکٹر صاحب کی قائم کردہ انجمن خدام القرآن لاہور کے زیراہتمام ہونے والے پروگراموں میں بھی مولانا مالک کاندھلویؒ شریک ہوتے رہے۔ (۱۷۷)

مولانا مالک کاندھلویؒ نے ۱۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو وفات پائی۔ (۱۷۸)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

ڈاکٹر صاحب کا مولانا امین احسن اصلاحی (۱۷۹) کے ساتھ تعلق کا آغاز تو مولانا مودودیؒ

کی طرح ۱۹۴۷ء میں ہو گیا تھا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے مولانا مودودیؒ اور مولانا اصلاحی دونوں کو پہلی بار ۱۹۴۶ء میں دارالسلام پٹھان کوٹ میں دیکھا تھا۔ لیکن ۱۹۵۱ء تک یہ تعلق کلیتاً یک طرفہ تھا۔ یعنی صرف ان کی تقریریں اور درس سن لینے تک محدود تھا۔

۱۹۵۱ء کی ایک شام کو وائی۔ ایم۔ سی اے ہال لاہور میں ڈاکٹر صاحب نے اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر مولانا اصلاحیؒ کی زیر صدارت اپنی پہلی عوامی تقریر کی۔ جواب تک جمعیت کے دعوتی لٹریچر کا اہم جزو ہے۔ اور ''ہماری دعوت اور ہمارا طریق کار'' کے عنوان سے طبع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کی تعریف و تحسین مولانا اصلاحی نے دل کھول کر فرمائی اور یہیں سے ڈاکٹر صاحب کا وہ یک طرفہ تعلق باقاعدہ دوطرفہ تعلقات میں تبدیل ہو گیا۔

دسمبر ۱۹۵۱ء اور جولائی ۱۹۵۲ء میں جمعیت طلبہ کی دو تربیت گاہوں میں ڈاکٹر صاحب ناظم کی حیثیت سے شریک رہے اور مولانا اصلاحیؒ معلم و مربی کی حیثیت سے' اس سے ان تعلقات کی گہرائی و گیرائی میں اضافہ ہوا۔ بعدازاں بے تکلف ملاقاتوں سے یہ تعلق مزید استوار ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں جب مولانا نے جماعت اسلامی کو خیر باد کہہ دیا اور کسی نئی تعمیر کی فکر میں' مشاورتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی ڈاکٹر صاحب مسلسل ان کے ساتھ رہے۔ (۱۸۰)

مولانا نے ماہنامہ ''میثاق'' جاری کیا تو اس کے اولین معاونین میں ڈاکٹر صاحب بھی شامل تھے۔ بعدازاں اگست ۱۹۶۶ء میں مولانا اصلاحی نے میثاق کی ادارت ڈاکٹر صاحب کو سونپ دی۔ ڈاکٹر صاحب کی کاوشوں سے ۱۹۶۷ء میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے بعض احباب کا ایک اجتماع رحیم یار خان میں منعقد ہوا جس میں ایک نئی دینی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس اجتماع میں مولانا امین احسن اصلاحی بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس اقدام کو مولانا نے سراہا۔ (۱۸۱) اور مولانا نے اس جماعت کا نام ''تنظیم اسلامی'' رکھا۔ (۱۸۲) ۱۹۷۵ء میں جب تنظیم اسلامی کا باضابطہ قیام عمل میں آیا تو مولانا نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا لیکن اس میں باقاعدہ شمولیت نہ کی۔ (۱۸۳)

اس طرح مولانا اصلاحی کا حوصلہ افزا طرز عمل ڈاکٹر صاحب کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔

مولانا حامد میاںؒ

پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا حامد میاںؒ دسمبر ۱۹۲۶ء میں دیو بند میں پیدا

ہوئے۔ (۱۸۴) آپ کے والد حضرت مولانا محمد میاں، عظیم فقیہہ، نامور محدث اور مؤرخ تھے۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، عہد زریں، بچوں کے لیے نصابِ تعلیم اور سیرتِ محمد ﷺ ان کی اہم تصانیف ہیں۔ نیز آپ کے آباء واجداد نے شیخ بہاؤالدین زکریا سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ (۱۸۵)

مولانا حامد نے علوم ظاہری میں کمال کے ساتھ ساتھ باطنی علوم میں بھی بلند مقام حاصل کیا۔ تعلیم کا آغاز دیو بند ہی سے ہوا۔ جہاں علوم ظاہری کی ابتدا قاری اصغر علی سے حفظ قرآن مجید سے کی۔ پھر جامعہ قاسمیہ المعروف مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخل ہوئے۔ جہاں ان کے والد بھی تدریسی فرائض سرانجام دیتے تھے چنانچہ ابتدائی تعلیم دیو بند سے حاصل کرنے کے بعد بقیہ تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی اور اپنے والد محترم، مولانا عبدالحق مدنیؒ، مولانا عبد الاحدؒ مولانا عجب بنوریؒ، مولانا اسماعیل سنبھلیؒ وغیرہم سے تحصیل علم کی۔ (۱۸۶)

مدرسہ قاسمیہ سے فارغ ہوکر دیو بند میں داخلہ لیا اور حدیث وتفسیر اور فقہ کا علم یہاں سے حاصل کیا۔ دیو بند میں مولانا اعزاز علیؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم سے تعلیم پائی۔ (۱۸۷)

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تبحر علمی سے متاثر ہوکر ۱۹۴۸ء میں ان سے بیعت کی۔ چنانچہ مولانا مدنیؒ کی معیت میں سلوک کی منازل طے کیں۔ مولانا مدنی نے انہیں ہر چہار سلسلہ میں مجاز اور اپنا خلیفہ ہونے کا قابل رشک اعزاز بخشا۔ (۱۸۸)

تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ شاہی مراد آباد میں تدریس اور فتاویٰ نویسی کے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۵۲ء میں پاکستان تشریف لانے کے بعد پہلے جامعہ اشرفیہ اور پھر برانڈرتھ روڈ احیاء العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۵ء میں مسلم مسجد لوہاری دروازہ میں جامعہ مدنیہ کی بنیاد رکھی جو بعد میں کریم پارک کی بڑی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں انہوں نے ماہانہ ''انوارِ مدینہ'' جاری کیا جواب تک جاری وساری ہے۔ آپ کی تصانیف میں تصوف پر ''ذکر جمیل''، صرف ونحو پر ''تسہیل الصرف'' اور ''تسہیل النحو'' قابل ذکر ہیں۔ (۱۸۹)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا تعلق مولانا حامد میاں کے ساتھ بہت قریبی رہا۔ آپ اپنے علمی ذوق کی وجہ سے ان کی خدمت میں جاتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحبؒ اس سلسلے میں خود رقم طراز ہیں:

''لاہور میں راقم کی نیاز مندی اور گاہ بگاہ حاضری کا سلسلہ اگرچہ بعض دوسرے

حضرات کے یہاں بھی ہے لیکن سب سے زیادہ ربط و تعلق مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ اور جامعہ مدنیہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاں مدظلہ سے ہے جو تنظیم اسلامی کے حلقہ مستشارین میں بھی شامل ہیں۔"(۱۹۰)

"ان کی خدمت میں حاضری کا شرف راقم کو حاصل رہا۔"(۱۹۱)

ڈاکٹر عبدالکریم ذاکر نائیک

ڈاکٹر ذاکر نائیک ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو انڈیا کے شہر ممبئی میں پیدا ہوئے۔ وہ اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن (۱۹۲) کے صدر آئی آر ایف ایجوکیشنل ٹرسٹ ممبئی کے چیئرمین اور اسلامک ڈائی مینشنز ممبئی کے صدر ہیں۔ (۱۹۳)

ڈاکٹر ذاکر نائیک نے ٹوپی والا نیشنل میڈیکل کالج میں پڑھتے ہوئے یونیورسٹی آف ممبئی سے MBBS کی سند حاصل کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے خود سے اسلامی کتب کا مطالعہ بھی کیا۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک علمائے مسیح کی تحریروں اور ان کے اسلام پر اعتراضات' چاروں انجیلوں (لوقا' متی' مرقس' یوحنا) کا مطالعہ اور ہندوؤں کی اہم کتب (رامائن اور گیتا) کا عرق ریزی سے مشاہدہ کرنے کے بعد میدان میں اترے۔ (۱۹۴)

ڈاکٹر ذاکر نائیک نے دعوت کا پیشہ شیخ احمد دیدات سے متاثر ہو کر اپنایا۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے ساؤتھ افریقہ کا سفر بھی کیا اور کچھ عرصہ شیخ احمد کے ساتھ رہے۔ شیخ احمد دیدات نے ڈاکٹر ذاکر نائیک کو ۱۹۹۴ء میں دیدات پلس کا خطاب دیا اور مئی ۲۰۰۰ء میں احمد دیدات نے دعوت دین اور مطالعہ تقابل ادیان کے میدان میں ذاکر نائیک کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے جو شیلڈ پیش کی اس پر درج ہے۔

"بیٹے آپ نے جو کام ۴ برسوں میں کیا ہے اس کی تکمیل میں مجھے ۴۰ سال لگے۔"(۱۹۵)

ڈاکٹر ذاکر نائیک اب تک ۱۰۰۰ سے زیادہ لیکچرز دے چکے ہیں۔ انہوں نے یہ لیکچرز نہ صرف اپنے ملک بھارت میں دیے بلکہ دوسرے ملکوں کا سفر بھی کیا اور وہاں پر بھی لیکچرز دیے۔ (۱۹۶)

ڈاکٹر ذاکر نائیک کے ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے اچھے تعلقات تھے' ڈاکٹر ذاکر نائیک اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"میں الحمدللہ ۱۹۹۱ء میں ان سے ملا تھا۔ اس وقت سے ہمارے ان کے ساتھ تعلقات ہیں اور میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میں شیخ احمد دیدات اور ڈاکٹر اسرار احمد سے

متاثر ہو کر دعوت کے میدان میں آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے ہدایت کی تھی کہ آپ میڈیسن اور دعوت میں سے کسی ایک فیلڈ کو اپنے لیے چن لیں، آپ بیک وقت دونوں میں سپیشلا ئز نہیں کر سکتے ۔میں نے سوچا کہ دعوتی میدان میں سپیشلا ئز کرنا بہتر ہے۔ہم نے ۲۰۰۵ء میں ڈاکٹر صاحب کو ممبئی بلایا تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کے لیکچرز کی ریکارڈنگ کی......۲۰۰۸ء میں ہم Peace TV کے لیے پورے قرآن پاک کی ریکارڈنگ کرنا چاہتے تھے لیکن ملکی حالات کے سبب پروگرام کینسل ہو گیا۔ پھر جولائی ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر صاحب کے لیکچرز ریکارڈ کرنے کا پروگرام تھا لیکن اللہ کو منظور نہ تھا۔ ہماری پوری کوشش ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی پرانی ریکارڈنگ جدید ٹیکنالوجی سے improve کر کے Peace TV پر لائیں۔ (۱۹۷)

ان کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد کے اپنے دور کے جن چند اور اہل علم کے ساتھ ذاتی روابط رہے، ان میں بالخصوص مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا مفتی محمد حسین نعیمیؒ، پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ، الطاف حسن قریشی مدیر اردو ڈائجسٹ اور پروفیسر حافظ احمد یارؒ شامل ہیں۔

معاصرین ورفقاء کا خراج تحسین

ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے علمی کام اور ان کی پر عزم شخصیت کی عظمت کا اعتراف دنیا بھر کے اہل علم اور صاحب بصیرت افراد نے کیا۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحبؒ کی شان میں نثر و نظم میں ان کو پیش کیے گئے خراج عقیدت کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

عالم اسلام کے مشہور مقرر ڈاکٹر ذاکر نائیک فرماتے ہیں:

"One of the greatest scholars of Islam is Physically no more with us in this world, but his eloquent and deeply impacted Ideas, talks, writings and unmitigated work for Islam will always live on, forever with us, guiding, motivating and inspiring us to carry on his great work. His straight forword and yet articulate public talks and writings for a proper Islamic Renaissance have been a class apart, full of introspection and wisdom with deep insight. He was a rare scholar indeed". (۱۹۸)

معروف عالم دین مفتی رفیع عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خدمت قرآن کے لیے خاص جذبہ عطا کیا تھا۔ وہ پاکستان اور اسلام کے سچے سپاہی اور مخلص خادم تھے...... میں نے ہمیشہ ان کو اسلام اور پاکستان کے سلسلے میں مخلص پایا۔ پاکستان اور اسلام کے لیے ان کے اخلاص میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشبہ ہم بہت مخلص اسلام اور خادم پاکستان سے محروم ہو گئے۔''(۱۹۹)

معروف اسلامی سکالر جاوید احمد غامدی نے ڈاکٹر صاحبؒ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''ڈاکٹر اسرار احمد اسلام اور مسلمانوں کی متاع عزیز تھے۔ وسیع المطالعہ شخصیت تھے۔ انہوں نے جس انداز میں اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کیا اور پھر پوری استقامت اور عزیمت کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی پوری زندگی بسر کی' وہ ہمارے لیے بہترین مثال ہے...... ہم اسلام اور مسلمانوں کی ایک متاعِ عزیز سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کی محرومی ہم سب کی محرومی ہے۔''(۲۰۰)

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نئی دہلی سے سید شہاب الدین ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں فرماتے ہیں:

"The demise of the renowned Islamic ideologue and Quranic scholar Dr. Israr Ahmad is a great loss for the Muslim world and particularly for the Muslims of the sub-continent. Through in depth studies of the Holy Quran, he became one of its great exponents and interpreters of our time in the modern context. Dr. Israr wanted to see Pakistan develop into a Islamic welfare state.

Dr. Israr shall be long remembered for his interpretation of the true spirit of Islam and for his unique style of communication with the educated Muslims." (۲۰۱)

جناب عطاء الرحمٰن لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کو قرآنِ مجید کے ایک ایک لفظ سے عشق تھا' اس عشق کا اظہار وہ کتاب الٰہی کے معانی کو شعور اور ادراک کی اعلیٰ سطح پر سمجھ کر موثر ترین بیان کی صورت میں کرتے تھے یوں ان کا درسِ قرآن' جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے قرآن کے حقیقی پیغام سے آگہی کا بہت بڑا ذریعہ بن گیا۔ اس میدان میں ڈاکٹر صاحبؒ کو وہ امتیاز حاصل ہوا کہ ان کے عہد میں کوئی ثانی نہیں تھا اور وہ جو رخصت ہو گئے تو بظاہر کوئی خلا پر

کرتا نظر نہیں آتا۔'' (۲۰۲)

جناب شاہ نواز فاروقی ڈاکٹر اسرار احمد کی شان میں خراجِ تحسین ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''دیکھا جائے تو ڈاکٹر صاحب کی کئی حیثیتیں تھیں......لیکن اصل حیثیت مدرس کی تھی۔ بلاشبہ وہ پاکستان ہی کے نہیں پورے برصغیر کے سب سے اچھے مدرس تھے۔ ان کے درسِ قرآن میں جو بات تھی وہ کسی اور کے درسِ قرآن میں نہیں تھی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر صاحب کی صورت میں برصغیر اپنے سب سے اچھے مدرس سے محروم ہوگیا۔'' (۲۰۳)

قاری محمد مسلم غازی نے ڈاکٹر صاحب کی شان میں تاریخی قطعہ وفات پیش کیا:

چل بسا سب کو چھوڑ کر قوم کا وہ مفکر اعلیٰ
فکر قرآن کا وہ خطیب عظیم تھا وہ دینی علوم میں یکتا
اس کے طرزِ کلام کے تھے اسیر قوم کے سارے ادنیٰ و اعلیٰ

صاحب علم صاحب کردار
تھا مرقع وہ علم و دانش کا

اس سے خائف تھے منکر حدیث کوئی اس کا نہیں ہے ہم پلہ
فہم قرآن کی روشنی تھا وہ ہر طرف آج ہے اندھیرا سا

اس کی رحلت پہ آج اے غازی
غم زدہ ہیں تمام اہل وفا (۲۰۴)

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے ڈاکٹر صاحب کی وفات پر ایک خصوصی نظم تحریر فرمائی:

فکر و نظر کا چراغ تھا' نہ رہا ایک روشن دماغ تھا' نہ رہا
نام تھا جس کا ڈاکٹر اسرارؒ زندگی کا سراغ تھا' نہ رہا
جس سے ہوتے تھے بہرہ ور سب لوگ پر ثمر ایسا باغ تھا' نہ رہا
وہ تھا ایسا مفسر قرآن جس کا روشن دماغ تھا' نہ رہا

فصل دوم : ڈاکٹر صاحب کا دور —— ایک جائزہ

سیاسی' سماجی' معاشی اور مذہبی احوال

ڈاکٹر صاحبؒ کی تحریروں کے آئینے میں

کسی ملک کے سیاسی' سماجی' معاشی' اخلاقی اور مذہبی حالات اس خطہ ارضی پر رہنے والوں کی سوچ' عمل اور اقدار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر یہ حالات صحیح نہج پر ہوں تو وہ ملک و قوم کی خوشحالی و عروج کا سبب بنتے ہیں لیکن اگر ان میں بگاڑ واقعہ ہو جائے تو وہ ملک وملت کے زوال کی وجہ بن جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کو نازک (سیاسی) حالات سے گزرتے صدی کا دوسرا نصف جاری ہے۔ نزاعی حالات سے باہر لانے کے لیے پاکستان کی نصف زندگی مارشل لاؤں کی نذر ہو چکی ہے اور خود مارشل لاء علاج ثابت ہونے کی بجائے بیماری میں اضافے کا باعث بنتے رہے ہیں۔ مارشل لاء کے اضطرار سے نجات پانے کے لیے جمہوریت کا سہارا لیتے ہیں تو جمہوریت کے پیدا کردہ اضطرار سے پھر مارشل لاء کی امنگ پرورش پانے لگتی ہے۔ جمہوریت کے حال گزشت دورانیہ میں کرپشن اور بدامنی کے ہاتھوں سکولوں کے امتحانات سے لے کر امن وامان تک زندگی کے ہر شعبے میں فوج سے مدد لینے کی مجبوریاں لاحق ہوئیں...... کرپشن' بدانتظامی اور بے راہ روی نے ہر ادارے کو اندر سے کھوکھلا کر دیا۔ ادارے باہم سہارا بننے کی بجائے ایک دوسرے کے لیے وبال بنے رہے ہیں۔ صنعتوں کی بیماری سے بنکوں کا سرمایہ دباؤ میں ہے۔ روزگار کی قلت سے تعلیم کا ضیاع ہوتا جا رہا ہے۔ تجارت کے خساروں سے زرمبادلہ کے بحران سے روپے کی قیمت ڈوب چکی ہے۔ روپے کی قیمت ڈوبنے سے سماجی تانا بانا بکھر رہا ہے۔ ملک کا عسکری نظام بجٹ خساروں سے بے حال ہے۔ پی آئی اے کا نظام کئی دوسرے اداروں کا نادہندہ ہے۔ اس طرح جب ہر ادارہ خسارہ کی زد میں ہو تو اداروں میں انحصار باہمی کے باعث ہر ادارہ دوسرے اداروں کو ڈبونے کے لیے بھاری پتھر ہوتا ہے۔ اداروں کا یہ بحران حادثاتی یا اتفاقی نہیں ہے' بلکہ اس تخریب کے پیچھے سیاسی پالیسیوں کا اندھا پن ہے جو ارتقائی فراست کے خلاف عملاً محاذ آرائی میں مصروف ہے۔ [1]

دوسری طرف تاریخ جس تیزی سے کروٹیں بدل رہی ہے اور بین الاقوامی حالات میں جس تیزی سے تبدل پیدا ہو رہا ہے' اسلام دشمن تمام قوتیں' سپر پاور امریکہ کے تحت مسلمانوں کے خلاف متحد ہو چکی ہیں اور ان کی اسلام دشمنی اور بالخصوص پاکستان دشمنی اظہر من الشمس ہے۔اس صورت حال میں ملک وملت کا درد رکھنے والا ہر شخص اس فکر میں مبتلا ہے کہ امت مسلمہ' اسلام اور پاکستان کا مستقبل کیا ہوگا؟ ڈاکٹر صاحب بھی انہی حساس لوگوں میں سے ایک ہیں۔اسی لیے ڈاکٹر صاحب کے دور کا جائزہ لیتے ہوئے مجموعی طور پر (سیاسی' سماجی' معاشی' اخلاقی اور مذہبی) ان ملکی حالات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے علمی و عملی کام کیا۔ جس کے پیش نظر انہوں نے اپنی قوم کے لیے دینی و ملی خدمات پیش کیں اور اپنی زندگی کا ایک واضح نصب العین متعین کیا یعنی اپنی ساری زندگی اعلاء کلمۃ الحق اور اسلامی نظامِ حیات کے قیام کے لیے جدوجہد میں گزار دی۔ذیل میں بالخصوص ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کے آئینے میں ان کا تذکرہ پیش نظر ہے۔

(۱) موزوں قیادت کا فقدان اور سیاسی عدم استحکام

قیامِ پاکستان کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ اس کی قیادت ایک مخلص قیادت تھی جس کے پیش نظر ایک اسلامی ریاست کا قیام اور مسلمانوں کو باہم متحد اور متفق رکھنا تھا۔لیکن بدقسمتی سے جلد ہی پاکستان اس قیادت سے محروم ہو گیا اور پاکستان اور اسلام دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے ایسی حکومتیں قائم ہونے لگیں جو قومی شعور اور ملی احساسات سے عاری تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔نہ کوئی سیاسی ادارہ ہے' نہ قوم کا سیاسی شعور مستحکم۔ڈاکٹر صاحب ان مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاں تک قومی قیادت کا تعلق ہے اگرچہ اس غریب پر قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی مختلف خارجی و داخلی اسباب (۲) کی بنا پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تھا۔چنانچہ ملکی بقاو استحکام اور تعمیر وترقی کے کام کو جیسے کچھ اور جتنے کچھ اس سے بن آئے اس نے کیے لیکن سیاسی میدان میں قوم کی تنظیم و تربیت اور قومی شعور اور ملی احساسات کو اجاگر کرنے کا کام وہ بالکل نہ کر پائی۔'' (۳) ادھر مسلمہ قومی قیادت کے منظر عام سے ہٹنے اور قومی جماعت کے کمزور پڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کی ملکی سیاست صرف وڈیروں' جاگیرداروں' نوابوں اور قبائلی سرداروں کے ذاتی مفادات کا کھیل بن کر رہ گئی اور اس

سے میدانِ سیاست میں جو دھاچوکڑی مچی اسے جواز بنا کر ۱۹۵۸ء میں پاکستان کی بری افواج کے کمانڈر انچیف نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ وہ دن اور آج کا دن' پاکستان میں اقتدار کے دو مستقل ستونوں کی حیثیت فوج اور سول بیوروکریسی کو حاصل ہے۔ رہے نام نہاد سیاستدان جن کی غالب اکثریت وڈیروں اور جاگیرداروں پر مشتمل ہے تو وہ اس اقلیم سیاست کے دوسرے درجہ کے شہری ہیں جو لیبل بدل بدل کر مختلف سیاسی جماعتوں کی صورت اختیار کرتے رہتے ہیں۔''(۴)

آپؒ مزید لکھتے ہیں:

''سیاسی سطح پر فوج کی مسلسل سرپرستانہ نگرانی نے قوم کو بحیثیت مجموعی تاحال 'نابالغ' بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ عوامی سطح پر سیاسی شعور کا خوفناک حد تک فقدان ہے جس کے نتیجے میں ملک بھر میں کوئی ایک بھی ایسی قومی سیاسی جماعت موجود نہیں ہے جو ایک طرف خود منظم بھی ہو اور ملک گیر بھی' دوسری طرف قومی نکتہ نظر بھی رکھتی ہو اور واضح نظریاتی اساس بھی' تیسری طرف ایک مضبوط اور باصلاحیت قیادت بھی رکھتی ہو اور مخلص اور بے نفس کارکنوں کی معتد بہ تعداد بھی' اور چوتھی جانب عوام میں قابل لحاظ حد تک پذیرائی بھی رکھتی ہو اور اثر و نفوذ بھی۔''(۵)

(۲) بے آئین سرزمین

کسی ملک کا آئین اس کے نظریات اور قوم کی اُمنگوں اور جذبات کا ترجمان ہوا کرتا ہے جس کے مطابق عمل کر کے وہ قوم ترقی و کامیابی کی منازل طے کرتی ہے۔ پاکستانی قوم کا المیہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے دستور میں کی گئی ترامیم نے اس کو بے وقعت بنا دیا ہے اور دوسری طرف اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے ملک اسلامی نظام سے دور' بدامنی' خانہ جنگی اور لاقانونیت کے محاذ پر کھڑا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''پاکستان کے عدم استحکام کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ قمری تقویم کی رو سے اپنی عمر کے چالیسویں سال میں قدم رکھ چکنے کے باوجود یہ ملک تاحال سرزمین بے آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ بے آئینی ہی اس کا آئین اور بے دستوری ہی اس کا دستور ہے۔ ذرا تصور کیجیے کہ یہ ۱۹۵۲۔۱۹۵۳ء کی بات ہے' گویا اس پر پوری ثلث صدی بیت چکی ہے' لیکن آج بھی صورت حال جوں کی توں ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی فرق نہیں ہوا۔ اس لیے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد خان لیاقت علی خان مرحوم کی بی بی سی رپورٹ

(Basic Priciples Committe Report) کے رد ہو جانے کے بعد دستور سازی میں جو کئی سالوں کا وقفہ اور خلا رہا تھا' وہ خدا خدا کر کے ۱۹۵۶ء میں ختم ہوا تھا لیکن ۱۹۵۶ء کے دستور کو واقعتاً دن کی روشنی دیکھنی نصیب نہیں ہوئی۔ پھر ۱۹۶۲ء کا دستور آیا اور صرف چند سال قائم رہ کر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں مسٹر بھٹو نے واقعتاً ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا کہ دن رات ایک کر کے پارلیمنٹ کا اتفاق رائے حاصل کر لیا تھا...... لیکن افسوس کہ اولاً خود انہوں نے اس میں پے در پے ترامیم کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا...... اور پھر ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء نے اسے اولاً ساڑھے آٹھ سال تک معطل رکھا اور پھر ترامیم کے ذریعے اس کے پورے نقشے ہی کو بدل کر رکھ دیا۔"[۶]

اور آئین پر عمل درآمد کا یہ حال ہے کہ قیامِ پاکستان کے کچھ ہی عرصے کے بعد قراردادِ مقاصد پاس ہو گئی اور اس میں اعلان ہو گیا کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ یہ گویا سیکولرازم کے خلاف بغاوت تھی کہ ہمارا حاکم اللہ ہے اور ہم اپنے اختیارات کو کتاب و سنت کی حدود کے اندر اندر استعمال کریں گے۔[۷] پاکستان کے دستور میں قراردادِ مقاصد پہلے ایک دیباچے کی شکل میں تھی اور اب وہ دفعہ ۲ الف کی حیثیت سے دستور کا حصہ بن چکی ہے۔ پھر ایک موقع پر دفعہ ۲۲۷ آئی تھی جس کے الفاظ ہیں:

" No legislation will be done repugnant to the Quran and Sunna"

یعنی پاکستان میں قرآن و سنت کے خلاف نہ کوئی قانون نافذ رہے گا' نہ مزید بنے گا۔ گویا Existing قوانین بھی اگر خلافِ شریعت ہیں تو انہیں ختم کیا جائے گا اور مزید قانون سازی بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں کی جائے گی' لیکن ایک چور دروازہ ایسا کھلا ہوا ہے کہ دونوں آرٹیکل غیر مؤثر ہیں۔ قرارداد مقاصد کو ہمارے جسٹس نسیم حسن شاہ صاحب نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ بھی باقی دفعات کی طرح دستور کی بس ایک دفعہ ہے۔ دستور کی باقی دفعات کے اوپر حاکم تو نہیں ہے۔ لہٰذا یا تو اس کے ساتھ اضافہ کیا جائے کہ قرارداد مقاصد (دفعہ ۲-الف) پورے دستور پر حاوی رہے گی لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ ایک مزید چور دروازہ فراہم کر دیا گیا کہ دفعہ ۲۲۷ کو اسلامی نظریاتی کونسل کے ساتھ منسلک کر دیا کہ وہ جن قوانین کو خلافِ شریعت سمجھے گی ان پر مسلسل غور کرتی رہے گی اور مسلسل رپورٹیں پیش کرتی رہے گی لیکن اس سے آگے کچھ صراحت نہیں کہ ان رپورٹوں کا حشر کیا ہوگا۔ اس کونسل نے جتنی سفارشات بھی پیش کیں ان میں سے

آج تک ایک کی بھی تنفیذ (Implementation) نہیں کی گئی۔ (۸)

الغرض یہ قرارداد مکمل طور پر پاکستان کے سیاسی اور مذہبی نظام کا تعین کرتی ہے۔ تاہم یہ ہماری بدقسمتی رہی ہے کہ ہم ابھی تک اپنے ملک کا نظام اس کی روح کے مطابق استوار نہیں کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دستور میں جہاں قراردادِ مقاصد اور دیگر اسلامی دفعات موجود ہیں وہاں آئین میں ایسے چور دروازے بھی موجود ہیں جو مختلف النوع ابہام پیدا کرنے کا موجب ہیں اور یوں ہمارا آئین ایک گورکھ دھندا بن کر رہ گیا ہے۔ (۹)

(۳) عالمی قوتوں کا عمل دخل

پاکستانی سیاست کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم کہنے کو تو آزاد ہیں لیکن ذہنی اور عملی آزادی سے کوسوں دور ہیں۔ ہمارا ہر حکمران عالمی قوتوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ ان کے دباؤ کے تحت ہم اپنے مفادات اور اصولوں کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ آج تک اقتدار میں وہی رہ سکا جو امریکی مفاد میں کام کر سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

> ''یہودیوں کا جو پروگرام اس وقت چل رہا ہے ان کے اولین آلہ کار برطانیہ اور امریکہ ہیں۔ یہ یک جان دو قالب ہیں۔ باقی عیسائی دنیا بھی ان کے تابع ہو چکی ہے' اب یہ اس کو گلوبلائز کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جو بھی ان کی تعلیم پا کر آتا ہے ان کی تہذیب کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ ایسے تمام افراد ان کے ایجنٹ ہیں' چاہے وہ عرب ہوں یا غیر عرب' ہندوستانی ہوں یا پاکستانی' ان کی برین واشنگ کی جا چکی ہے...... انہوں نے یہاں کی سول سروس اور فوج کی ایک خاص نہج پر تربیت کی ہے۔ وہ اگرچہ چلے گئے ہیں لیکن درحقیقت By Proxy حکومت انہی کی ہو رہی ہے۔ انہی کے غلام' کاسہ لیس اور انہی کے جوتوں کی ٹوہ چاٹنے والے اس وقت عالم اسلام پر حکمران ہیں...... پوری اسلامی دنیا میں ہمارے حکمران اس نئی تہذیب کے سب سے بڑے آلہ کار ہیں...... حکومت کی پوری پالیسی امریکہ ڈکٹیٹ کر رہا ہے۔'' (۱۰)

(۴) مغربی اقوام سے ذہنی مرعوبیت

اگرچہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری اکثریت کا اسلام سے تعلق محض موروثی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مغربی اقوام سے سیاسی آزادی تو حاصل کر لی لیکن اپنی ذہنی وفکری نمو کے لیے اسلامی تعلیمات سے ہدایت حاصل

کرنے کی بجائے مغربی افکار و تعلیمات سے متاثر ہوتے چلے گئے۔ ہمارے ملک کا بالائی طبقہ یا تو انہی ممالک میں جا کر تعلیم حاصل کرتا ہے یا ملک کے اندر رہتے ہوئے انہی کے رائج شدہ نظامِ تعلیم سے فیض یاب ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں یہی مغرب سے ذہنی مرعوب طبقہ ملک کی انتظامی مشنری پر قابض ہو کر ان کی تہذیب و ثقافت کی ترویج کا باعث بن رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگوں کو دیکھیے' جو کسی بھی اجتماعیت کا اصل قوام ہوتے ہیں' تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بنیادی اعتقادات سے ان کے قلوب و اذہان یکسر خالی ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی ایک بہت بڑی اکثریت مغرب کے مادہ پرستانہ الحاد کے نظریات و افکار پر پورا ایمان رکھتی ہے۔ ان میں سے جو جتنا ذہین ہے اتنا ہی مغربی فلسفہ و فکر سے متاثر ہے...... پھر چونکہ ان ہی میں سے ملک کی پوری انتظامی مشنری کے کل پرزے نکلتے ہیں اور ان کے نسبتاً ذہین افراد ہی سے ملک کے تمام فوجی و سول محکموں کا اصل تانا بانا بنتا ہے' لہٰذا فطری طور پر سروسز کا پورا ماحول (الا ماشاء اللہ) مغربی افکار و نظریات اور مادہ پرستانہ و ملحدانہ تہذیب و ثقافت سے تیار ہوا ہے اور فطری طور پر ان میں سے زیادہ جری اور نسبتاً ''تناقض و نفاق'' سے آزاد لوگ اسی ثقافت کی پورے ملک میں ترویج و اشاعت کی کھلم کھلا کوشش میں مصروف ہیں۔''(۱۱)

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس دور میں علم کو مسلمان بنانے کی ضرورت ہے۔ آج علم ملحد ہو چکا ہے...... معرفتِ خداوندی کی تلوار اس علم کی نیام میں سے نکل گئی ہے۔ یہ بڑا خول ہے اور محض خالی نہیں ہے' بلکہ اس میں الحاد کا خنجر اس تلوار کی جگہ پیوست کر دیا گیا ہے۔ اس علم کو مسلمان بنانا آسان نہیں...... محض دینیات کا ایک پیریڈ یا اسلامیات کا ایک شعبہ قائم کرنے سے کام نہیں چلے گا' جبکہ طبیعیات' معاشیات' عمرانیات' سیاسیات اور جو دوسرے علوم ایک طالب علم حاصل کر رہا ہے' ان کے رگ و پے میں الحاد اور مادہ پرستی سرایت کیے ہوئے ہے...... توحید کی بنیاد پر جب تک پورے علم کی تدوین نو نہیں ہو گی تمام علوم کو جب تک مسلمان نہیں بنایا جائے گا ہماری نئی نسل کے اذہان کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ممکن نہیں۔(۱۲)

(۵) روشن خیالی کو فروغ دینے کی حکومتی کوششیں

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سیکولرازم کے تحت مذہب کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں سے بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور اس آزادی نے اس کو مادر پدر آزاد' اللہ سے

آزاد اخلاقی حدود سے آزاد شرم وحیا کی قیود سے آزاد بنادیا ہے۔آج اس سارے نظام کا نام روشن خیالی ہے حالانکہ یہ تاریک ترین خیال ہے بایں طور کہ انسان اپنی عظمت اور اشرف المخلوقات کے منصب سے حیوانیت کی طرف رجوع کر رہا ہے۔اس ضمن میں ہماری موجودہ حکومت سب سے بازی لے گئی ہے۔پوری اسلامی دنیا میں ہمارے حکمران اس نئی تہذیب کے سب سے بڑے آلہ کار ہیں۔ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''اس وقت پوری دنیا اور بالخصوص پاکستان جس میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی جیسی اصطلاحات کا بہت غلغلہ ہے اور ہمارے حکمران امریکہ کو بار بار یہ یقین دہانی کرانے میں مصروف ہیں کہ پاکستان آپ کے روشن خیال اور اعتدال پسند ایجنڈے پر گامزن ہے اور عنقریب ہمارا معاشرہ روشن خیالی کی کامل تصویر ہوگا۔''(۱۳)

''ہمارے صدر سمیت حکومتی حلقوں میں سیکولر ذہن رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔وہ سود کو جائز سمجھتے ہیں انہیں اس میں کوئی غلط بات نظر نہیں آتی اس طرح بے حیائی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔صدر صاحب نے صاف کہہ دیا ہے کہ جو لوگ لڑکیوں کی ننگی رانیں نہیں دیکھ سکتے وہ اپنی آنکھیں بند کر لیں ٹی وی کو آف کر دیں۔ہم تو خواتین کو کرکٹ بھی کھلائیں گے اور ہاکی بھی جو انہیں نیکروں میں نہیں دیکھ سکتا وہ نہ دیکھے۔اسمبلی میں تینتیس (۳۳) فیصد سیٹیں دے کر ہم ایک دم چالیس ہزار عورتوں کو گھروں سے نکال کر میدان میں لے آئے ہیں......آج اس تہذیب کو پوری دنیائے اسلام میں جو شخص سب سے بڑھ کر فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے وہ ہمارے صدر مشرف ہیں۔''(۱۴)

(۶) نسلی لسانی علاقائی عصبیت کا شکار

قومی سطح پر ہمارا شیرازہ سخت پراگندگی کے عالم میں ہے اور مختلف النوع نسلی لسانی اور علاقائی عصبیتوں کے فروغ نے قومی یک جہتی کو شدید ضعف سے دوچار کر دیا ہے۔(۱۵) ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''بدقسمتی سے ہم نے یہاں اس کی طرف کوئی پیش قدمی نہیں کی۔لہٰذا ہمارے درمیان زبان اور نسل کی بنیاد پر عصبیتوں نے نفرت پیدا کی اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہو گیا......لیکن ہم ہوش میں نہیں آئے ہمارے اطوار نہیں بدلے ہمارے روز و شب کے انداز نہیں بدلے اور ہماری سوچ نہیں بدلی......آج بھی صوبائی اور لسانی عصبیتیں زہر گھول رہی ہیں اور پاکستان کی سیاست شدید خطرات سے دوچار ہے۔''(۱۶)

(۷) قومی و ملی سطح پر اخلاق کا دیوالہ

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اخلاقی سطح پر قوم کا دیوالہ نکلا ہوا ہے اور اخلاقیات کی اسلامی اور ایمانی سطح تو در کنار عام انسانی سطح پر بھی ہم اخلاق کے بحران سے دوچار ہیں۔ (۱۷) آپ لکھتے ہیں:

''ہم قومی و ملی سطح پر اخلاق کا دیوالہ نکل جانے کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ آٹے میں نمک کی حیثیت کے حامل افراد کو علیحدہ رکھتے ہوئے واقعہ یہ ہے کہ قومی اور اجتماعی سطح پر صداقت و امانت اور شرافت و مروت کا جنازہ نکل چکا ہے اور ایفائے عہد اور پاس امانت کا دور دور تک نشان نہیں ملتا۔ انفرادی اعتبار سے خالص خود غرضی اور عریاں مفاد پرستی کا دور دورہ ہے اور قومی مصالح اور ملی مفادات سے کسی کو کوئی غرض نہیں رہی، معاملات میں بدعہدی اور بد دیانتی بلکہ باضابطہ مکاری اور چالبازی کی گرم بازاری ہے۔ تجارت اور لین دین میں دھوکے اور فریب سے بھی بڑھ کر کھانے پینے کی چیزوں حتیٰ کہ ادویات تک میں ملاوٹ گویا معمولی بات بن کر رہ گئی ہے۔ سرکاری محکموں اور دفتروں میں رشوت ستانی کا بازار تو گرم ہے ہی باضابطہ اذیت رسانی اور لوگوں کی عزت نفس کو مجروح کرنا تفریح اور مشغلے کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ اور معاشرتی اور سماجی سطح پر سنگدلی اور سفاکی نے ڈیرے جما لیے ہیں تو سیاسی و حکومتی سطح پر بھی جھوٹ اور وعدہ خلافی نے "Order of the Day" کی صورت اختیار کر لی ہے اور ہر سوچنے سمجھنے والا اور حساس شخص حیران و پریشان ہے کہ ؂

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین   پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!'' (۱۸)

(۸) اسلامی نظام معیشت سے دوری اور اس کے اثرات

اسلامی نظامِ معیشت کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اسلام یہ تو چاہتا ہے کہ سرمایہ کاری ہو مگر وہ سرمایہ داری کو باقی رکھنے کا ہرگز روادار نہیں ہے۔ مغربی معیشت بھی سرمایہ کاری پر مبنی ہے، مگر اس میں سود شامل ہو جانے سے وہ سرمایہ داری بن گئی ہے۔ دوسرے اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے۔ گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے۔ سرمائے کو محض سرمائے کی حیثیت سے Earning Factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی طرح جوئے اور چانس کی بنا پر منافع حاصل کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں بھی محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا......
جب کسی نظام معیشت میں سود اور جوئے کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں تو پھر یہ سرمایہ داری بن

جاتی ہے اور سرمایہ داری کی مثال آکاس بیل کی سی ہے۔ جیسے آکاس بیل درخت کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس کی توانائی کو چوس لیتی ہے' اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام انسانوں کو سود کے مکروہ دھندے میں مبتلا کر کے ان کا خون نچوڑ لیتا ہے۔ دور حاضر میں سٹاک ایکسچینج کا دھندا جوا ہی تو ہے کہ سرمایہ دار اپنے مال کے بل بوتے پر پوری مارکیٹ کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور کروڑوں کا نقصان ہو جاتا ہے۔[۱۹]

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں خرابیاں ہونے کے باوجود ہمارے ملک میں بھی یہی نظام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''ایک تہذیب نے عالمی سطح پر اس پورے کرہ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے...... اس کی ایک سطح مالیاتی ہے اور پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔ یہ سود ہماری معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن جوا ہے جو ہمارے ہاں تو بہت زیادہ ہی پھیل گیا ہے۔ ہر شے کو بیچنے کے لیے لاٹری کا پراسیس ہے۔ ویسے بھی دنیا کے اندر اسٹاک ایکسچینج اور دولت کے الٹ پھیر کی بنیاد ہی جوا ہے۔ اس نظام کا تیسرا استون انشورنس ہے۔''[۲۰]

دوسری طرف ملک کی معاشی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''معاشی سطح پر شدید افراطِ زر اور اس سے پیدا شدہ ہولناک گرانی کا سامنا ہے...... جو مصنوعی خوشحالی نظر آتی ہے وہ یا غیر ملکی قرضوں کے ہمالیہ ایسے پہاڑ کی ''کرامت'' ہے جو سیاسی اور معاشی اعتبار سے انتہائی تباہ کن ہے یا ملک سے باہر کام کرنے والوں کی خون پسینے کی کمائی کی فوری اور عارضی برکت ہے جو مآلِ کار کے اعتبار سے اخلاقی و سماجی سطح پر سخت مضر اور نقصان دہ ہے۔''[۲۱]

(۹) جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے نظامِ عدلِ اجتماعی یعنی سماجی انصاف کا خواہاں ہے جس کے تحت سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات ہو' سیاسی سطح پر حریت اور معاشی سطح پر عدل و انصاف ہو۔ لہٰذا اسلام ایک ایسے اسلامی معاشرہ کا قیام چاہتا ہے جس میں معاشرتی میدان میں عدم مساوات نہ ہو' نہ سیاسی میدان میں جبر و استبداد کی حکومت قائم ہو اور نہ ہی اقتصادی میدان میں ظلم و استحصال کے باعث امیر و غریب کی تقسیم ہو۔ اگر کسی معاشرے میں معاشی عدل و انصاف کی کمی ہو تو ایسا معاشرہ ظلم و استحصال کا شکار ہو جاتا ہے جس

میں حریت' اخوت اور مساوات جیسی اقدار جمہوریت جہاں ایک ڈھونگ نظر آتی ہیں۔ وہاں پورا نظام اجتماعی مراعات یافتہ طبقات کی آمریت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت کی ضد ہیں۔ جبکہ پاکستان میں یہی جاگیردارانہ جمہوریت رائج ہے۔ یہی جاگیردار حکومت اور بڑے وسائل رزق پر قابض ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''عہد حاضر میں سماجی انصاف کا اولین اور اہم ترین تقاضا معاشی عدل اور اقتصادی انصاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی معاشرے میں معاشی عدل وقسط کا فقدان ہو اور اقتصادی میدان میں ظلم واستحصال کی بھٹی گرم ہو اور انسان ''مترفین'' اور ''محرومین'' کے طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئے ہوں تو وہاں خواہ ''حریت' اخوت اور مساوات'' کے کتنے ہی راگ الاپے جائیں یا وعظ کہے جائیں' حقیقت کے اعتبار سے وہاں کا پورا اجتماعی نظام ''مراعات یافتہ طبقات کی آمریت'' کی صورت اختیار کر لے گا اور سماجی و معاشرتی اور سیاسی و ریاستی انصاف کے تمام دعوے باطل اور کھوکھلے قرار پائیں گے۔ اس لیے کہ وہاں سرمایہ دارانہ معیشت اور سود' جوئے اور سٹے پر مبنی اقتصادی نظام نے کروڑ پتی اور ارب پتی سرمایہ داروں کا ایک محدود طبقہ پیدا کر دیا ہے اور ملکی سیاست ان کی زرخرید لونڈی بن کر رہ گئی ہے...... مجموعی نسبت و تناسب کے اعتبار سے تا حال پاکستانی معاشرے میں سرمایہ دارانہ طرز استحصال کے مقابلے میں زمیندار ظلم و جور اور جاگیردارانہ زراعت اور مزارعت کے ''طریق واردات'' سے ہونے والے جبر و استحصال کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ یہاں کسی ''سماجی انصاف'' کا کوئی تصور تک نہیں کیا جاسکتا جب تک جاگیرداری اور زمین داری کے موجود نظام کو ختم کر کے ایک بالکل نئے امور منصفانہ بندوبست اراضی کی صورت پیدا نہ کی جائے۔ اس لیے کہ جب تک یہ نظام موجود ہے اور ستر پچھتر فیصد انسان جاگیرداروں' وڈیروں' بڑے زمین داروں اور قبائلی سرداروں کے زیر نگیں ہیں' دستورِ مملکت میں درج حقوقِ شہریت بالکل بے معنی ہیں اور نام نہاد بالغ رائے دہی کی اساس پر خواہ کتنے ہی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کا ڈھونگ رچا لیا جائے ان پر مبنی جمہوریت فی الحقیقت جاگیرداروں کی آمریت کے سوا کچھ نہیں۔'' (۲۲)

(۱۰) مذہبی حالتِ زار

دینی سطح پر اسلام کے ساتھ عملی تعلق کے اعتبار سے ہمارا یہ حال ہے کہ ہماری ایک عظیم

اکثریت کا دین و مذہب کے ساتھ کوئی عملی تعلق نہیں ہے۔ ماسوائے ان چند ناگزیر تمدنی اور سماجی امور کے جن میں دین و مذہب کے خلاف کسی روش کا اختیار کرنا مذہب سے علی الاعلان قطع تعلق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ یعنی شادی بیاہ کا معاملہ' میت کی تکفین و تدفین سے متعلق رسومات اور کچھ مذہبی تہوار وغیرہ...... یہ صورت حال معاشرے کے کسی خاص طبقہ کی نہیں' یہ حال ہماری پوری سوسائٹی کا بحیثیت مجموعی ہے۔[۲۳] ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ امراء کی اکثریت بھی اسی حال میں ہے اور غرباء کی بھی کارخانہ داروں کی اکثریت کا حال بھی یہی ہے اور مزدوروں کا بھی۔ زمینداروں کی اکثریت بھی دین سے اتنی ہی دور ہے اور کاشتکاروں کی بھی۔ گلبرگ اور کلفٹن کے باسی بھی اکثر و بیشتر اسی حال میں ہیں اور جھونپڑوں کے مکین بھی۔ الغرض ہماری پوری سوسائٹی کا چاہے جس زاویہ سے Crose Section لے لیا جائے' صورتِ معاملہ واحد ہے۔ صرف اس ایک فرق کے ساتھ کہ امراء اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات کے ایک غالب حصے میں اس عملی روش کی پشت پر ایک فکری الحاد اور ذہنی استعداد بھی موجود ہے' جبکہ عامۃ الناس کے اذہان میں کوئی واضح چیز موجود نہیں۔ وہ صرف ایک رو میں بہے چلے جا رہے ہیں جو اکثر و بیشتر انہی اعلیٰ طبقات کے زیر اثر چل رہی ہے۔''[۲۴]

ڈاکٹر صاحب اپنے معاشرے کی ایمان کے اعتبار سے حالت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایمان کے اعتبار سے بھی حالت انتہائی دگرگوں ہے۔ اس لیے کہ عوام کی سطح پر تو ایمان بالعموم ایک عقیدہ (Dogma) کی ایسی پوٹلی کے مشابہ ہے جو ذہن کے کسی ایک کونے میں رکھی ہوئی ہو اور جس سے انسان کے اخلاقی رویے اور عملی اقدار کا کوئی تعلق نہ ہو اور خواص میں سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت یا باضابطہ الحاد (Atheism) کی شکار ہے یا کم از کم تشکک (Scepticism) اور لاادریت (Agnosticism) سے دوچار ہے اور علماء دین کے حلقے میں کثیر تعداد ان علماء سوء کی موجود ہے جن کی عملی روش سے ہویدا حب دنیا' حب مال' اور حب جاہ ان کے ایمان کی ناگفتہ بہ حالت کی غمازی کر رہی ہے۔ مزید برآں ان کی پیدا کردہ فرقہ واریت کی ہولناکی روز بروز بڑھ رہی ہے اور قومی سطح پر تشتت و انتشار (Chaos) میں ایک مزید اور حد درجہ تشویشناک سمت کا اضافہ کر رہی ہے۔''[۲۵]

حاصل کلام

ڈاکٹر صاحب درحقیقت ایک حساس انسان تھے۔ امت مسلمہ اور بالخصوص پاکستان سے ان کو شدید محبت تھی گویا ان کا دل امت مسلمہ اور پاکستان کے لیے دھڑکتا تھا۔ لیکن یہ تعلق ان کو سب اچھا کا افسانہ بتانے کے بجائے حقیقت پسندانہ طور پر صحیح صحیح تصویر پیش کرنے سے نہ روکتا اور انہوں نے ایک مدبر راہنما کے طور پر پاکستان کے سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی نیز بین الاقوامی حالات پر کڑھنے اور افسوس کرنے کی بجائے ان کا حل قرآن وسنت کو قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآنی تعلیمات پر اپنے اور اپنے گھر والوں کو عمل کرانے کے ساتھ ساتھ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے باقاعدہ ملکی و بین الاقوامی سطح پر درسِ قرآن کا آغاز کیا تاکہ عامۃ الناس قرآنِ مجید کی تعلیمات سے روشناس ہوں اور اپنے موجودہ سیاسی، معاشی، مذہبی اور اخلاقی مسائل کے حل کے لیے اس سے رہنمائی پائیں۔ آپ نے نہ صرف درسِ قرآن کا اہتمام کیا بلکہ ایک طرف قرآنِ مجید کے فہم وحکمت کو اعلیٰ علمی سطح پر مربوط اور منظم طریقے سے متعارف کرانے کے لیے ''انجمن خدام القرآن'' قائم کی جس کے تحت آپؒ نے بہت سے تعلیمی پروگرام نوجوانوں، خواتین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کے لیے شروع کیے تو دوسری طرف دعوتِ دین اور غلبہ اقامتِ دین کے لیے باقاعدہ جماعت سازی کی اور ایک غیر سیاسی اسلامی انقلابی جماعت ''تنظیم اسلامی'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد یہ تھا کہ پہلے پاکستان اور بالآخر کل روئے زمین پر اللہ کے دین کے غلبہ یعنی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام بالفاظ دیگر اسلامی انقلاب اور اس کے نتیجے میں نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کیا جائے۔ نیز اسلامی نظامِ خلافت کی برکات سے آگاہ کرنے کے لیے ''تحریکِ خلافت پاکستان'' کا آغاز کیا تاکہ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اسلامی نظامِ خلافت کے قیام کا نقطہ آغاز بنے اور بالآخر تمام روئے زمین پر اللہ کا نظام قائم ہو جائے۔

الغرض ڈاکٹر صاحبؒ نے مسلمانوں کو ان دگرگوں حالات سے نکالنے کے لیے حتی الوسع مخلصانہ کوششیں کیں۔ آپ اپنے مقاصد کے حصول میں کتنے کامیاب ہوئے اس سے قطع نظر اتنا ضرور ہے کہ آپ عامۃ الناس کو قرآنی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی رسم و رواج، بے حیائی، سودی نظامِ معیشت اور غیر اسلامی قوانین کے خطرناک اور ہولناک نتائج سے روشناس بھی کرتے رہے۔

دینی' دعوتی اور قومی تحریکات

تحریک پاکستان

پاکستان ایک ملک کا نام نہیں بلکہ اس کی ایک مربوط تحریک اور ایک مسلسل تاریخ ہے۔ یہ تاریخ صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس تحریک کو ہر عہد میں مسلمان مجاہدین اور غازیان حریت نے گراں قدر قربانیاں دے کر جاری وساری رکھا ہے۔

یہ تحریک کیا تھی؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا جواب ایک جملے میں یوں دیا جاسکتا ہے کہ ''حق و باطل اکٹھے نہیں رہ سکتے'' حق کو باطل سے الگ رکھنا ہی مقصود تھا یہی ہماری تحریک تھی' ساری جدوجہد کا مدار بھی اسی پر تھا کہ مسلمان ایک الگ اور علیحدہ قوم ہیں' ہندوؤں سے مختلف۔ (۲۶)

اس قوم نے اپنے علیحدہ تشخص' اپنی ممتاز اور منفرد حیثیت کو تاریخ کے ہر دور میں برقرار رکھا..... تحریک پاکستان کی اصل بنیاد ہی یہی تھی کہ مسلمان اپنے عقیدے اور مذہب کی وجہ سے ایک قوم اور ملت ہیں اس لیے اس قوم کو ایسا وطن درکار ہے جہاں وہ اپنی تہذیب و تمدن' عقیدے اور نظامِ قانون کے تحت اجتماعی زندگی گزار سکیں۔ یہی علیحدہ قومیت کا نظریہ آگے چل کر نظریۂ پاکستان کہلایا۔ (۲۷)

اورنگ زیب عالمگیر (۱۷۰۷ء) کی وفات کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے سیاسی اقتدار نکلنا شروع ہوگیا۔ برطانوی سامراج نے سیاسی عدم استحکام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برصغیر پر قبضہ جمانا شروع کردیا۔ بالآخر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی نہ صرف سیاسی قوت بلکہ مذہبی اور ذہنی قوتیں بھی انحطاط پذیر ہوگئیں۔ انگریز حکمران انہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے اور ان پر ہر قسم کی زیادتی روا رکھتے تھے۔ ایسے وقت میں سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء) نے قوم کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالا اور مسلمانوں میں علمی' ادبی' مذہبی اور معاشرتی تحریک سے سیاسی بیداری پیدا کی اور پہلی بار مسلمانوں کو دوقومی نظریہ سے متعارف کرایا۔ اسی دوران ہندوؤں نے انگریزوں سے اتنے تعلقات بڑھا لیے کہ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز لارڈ ہیوم کی ایما پر اپنی سیاسی جماعت آل انڈیا کانگریس قائم کی۔ اس وقت سرسید نے مسلمانوں پر واضح کردیا کہ کانگریس محض ہندوؤں کی جماعت ہے۔ (۲۸)

ہندوؤں کے عمومی رویے اور خاص طور پر انگریزوں کے غیر ہمدردانہ طرزِ عمل سے مسلمانوں کو احساس ہو گیا کہ جب تک وہ سیاسی طور پر منظم نہ ہوں گے وہ اپنا تحفظ نہ کر سکیں گے اس لیے مسلمانوں نے اپنی الگ سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۰۶ء کے بعد کے واقعات[۲۹] نے مسلمانوں کو یقین دلا دیا کہ مسلمانوں کو انگریز اور ہندوؤں سے کسی بہتر سلوک کی امید نہیں جس پر مسلم لیگ نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔

اسی زمانے میں جنگ بلقان ختم ہوئی اور پہلی عالمی جنگ شروع ہو گئی۔ ترک جرمنی کے حلیف بن کر میدان میں کود پڑے' اب برطانیہ اور ترکیہ باہم حریف اور دشمن تھے اس سے مسلمانانِ ہند بڑے اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔[۳۰]

اگرچہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) کے آغاز سے قبل ہی تمام ہندوستانی سیاسی حلقے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت کو محسوس کر رہے تھے لیکن جنگ کے آغاز پر اس سوچ میں گہرائی و گیرائی پیدا ہو گئی۔ ہندوستانی زعماء نے محسوس کیا کہ اگر جنگ کے بعد برطانوی حکومت سے کچھ حاصل کرنا ہے تو دونوں قوموں کو اپنے اختلافات مٹا کر متحدہ قدم اٹھانا ہوگا۔[۳۱]

اس دور میں مسٹر محمد علی جناح' جو ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے' کی کوششوں سے ہندو مسلم اتحاد کی فضا پیدا ہوئی۔ نتیجتاً مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان لکھنو میں ۱۹۱۶ء میں معاہدہ ہوا جس میں کانگریس نے مسلمانوں کے دیگر مطالبات کے ساتھ مسلم قومیت کے جداگانہ حق نیابت کو تسلیم کر لیا۔ میثاق لکھنو کو حکومت نے بھی تسلیم کر لیا اور ۱۹۱۹ء کی اصلاحات میں میثاق کی دفعات کو شامل کر لیا۔ اس طرح یہ ملکی قانون بن گیا۔[۳۲]

۱۹۱۶ء میں لکھنو پیکٹ کے بعد ہندو مسلم اتحاد کے مختصر دور کا آغاز ہوا اور دونوں قوموں نے مل کر آزادی کے لیے جدوجہد شروع کی۔ حکومت خفیہ اور انقلابی سرگرمیوں سے بہت گھبرائی اور حکومت کی جانب سے رولٹ ایکٹ[۳۳] اور جلیانوالہ باغ[۳۴] جیسے واقعات رونما ہوئے۔ ان واقعات نے ہندوستان کے لوگوں کے اندر ہلچل مچا دی جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مزید قریب کر دیا۔ اس دور میں انہوں نے غیر معمولی جدوجہد کے مظاہرے کیے اور عظیم الشان قربانیاں دیں۔ اس دور میں مختلف تحریکیں ریشمی رومال تحریک'[۳۵] تحریک خلافت'[۳۶] تحریک ترک موالات اور عدم تعاون'[۳۷] تحریک ہجرت[۳۸] اور سودیشی

تحریک (۳۹) برپا ہوئیں۔

ان تحریکوں میں اہم ترین ''تحریک خلافت'' تھی جس میں ہندو مسلم اتحاد کا بے مثال مظاہرہ ہوا۔ اگرچہ تحریک خلافت نے کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی تاہم اس تحریک کے گہرے اثرات نہ صرف ہندوستانی سیاست پر مرتب ہوئے بلکہ وہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا ایک گراں قدر ذریعہ ثابت ہوئی۔ غرض یہ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں بڑے کردار کی حامل ہے۔

اس دور کا آغاز ہندو مسلم تعاون سے ہوا لیکن اختتام پر ایک بار پھر ہندو مسلم اختلافات و فسادات شروع ہو گئے۔ سنگٹھن (۴۰) اور شدھی (۴۱) جیسی تحریکات نے مسلمانوں پر ہندوؤں کے عزائم کی قلعی کھول دی۔

خلافت تحریک کے خاتمے کے ساتھ مسلمانوں کی ذہنی پراگندی اور نامرادی کا دور شروع ہوا۔ ہر شخص نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی۔ قوم مختلف گروہوں اور ٹولیوں میں بٹ گئی۔ قوم پرست مسلمان، کانگریسی مسلمان، جمعیت العلماء، مجلس احرار، خاکسار، خدائی خدمت گار (سرحد)، یونینسٹ (پنجاب)۔ اس انتشار اور افتراق سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ ان کی کوئی متحدہ آواز نہ رہی۔ پھر قومی قیادت میں خلا بھی پیدا ہو گیا۔ مولانا محمد علی جوہر (م جنوری ۱۹۳۱ء) کا انتقال ہو گیا۔ مسٹر محمد علی جناح نے بھی انگلستان میں سکونت اختیار کر لی...... ملک میں قومی مرتبہ کا کوئی بلند قامت لیڈر نہیں رہا۔ اس طرح ۱۹۳۰ سے ۱۹۳۵ء تک قیادت کا محاذ خالی پڑا رہا۔ ملک میں عمومی بے چینی اور انتشار ہی انتشار رہا۔ آخر کار حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو سیاسی اختیارات کی آخری قسط عطا کی۔ انہوں نے صوبائی خودمختاری عطا کی اور ۱۹۳۵ء کا دستور ملک میں نافذ کیا۔ اس کے تحت صوبوں میں وزیر اعلیٰ تمام معاملات میں خودمختار ہوتا تھا...... جدید حالات میں قومی قیادت کی کمی بری طرح محسوس کی جانے لگی۔ علامہ اقبال نے محمد علی جناح کو لندن سے بلانے کے لیے خطوط لکھے بالآخر لیاقت علی خان ان کو لینے لندن گئے تب وہ یہاں آئے اور انہوں نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ (۴۲)

فروری ۱۹۳۷ء میں ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت عام انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں کامیابی حاصل کرتے ہی کانگریس اور اس کے رہنماؤں کا مسلمانوں کے خلاف طرزِ عمل (۴۳) سامنے آنے لگا۔ وہ رام راج قائم کرنے کے درپے ہو گئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم

لیگ کے وجود ہی سے انکار کرتے ہوئے پہلی بار یہ نعرہ لگایا:

> ''اس ملک میں دو جماعتیں موجود ہیں' ان میں سے ایک کانگریس ہے اور دوسری برسر اقتدار حکمران جماعت...... اس لیے اگر کوئی سمجھوتہ ہوا تو ان دونوں جماعتوں میں ہونا چاہیے۔''(۴۴)

دوسالہ کانگریسی راج نے ان تمام اندیشوں اور خطرات کو درست ثابت کر دیا جو مسلمان ہندوؤں کی حکومت سے متعلق رکھتے تھے...... کانگریسی حکومت نے تمام مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں اور اس کے بعد وہ سب مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس نے دوسری اقلیتوں کی بھی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے انگریز حکومت پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں کے اندیشے بے بنیاد نہیں ہیں۔(۴۵) یعنی ہندو قوم کا نقطہ نظر واضح ہو گیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کے لیے ہے۔

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو یورپ میں جنگ عظیم ثانی شروع ہوگئی۔ جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ برطانیہ جرمنی کے خلاف جنگ میں شامل ہو گیا۔ وائسرائے ہند نے برطانوی حکومت کے ایما پر ہندوستان کی طرف سے اتحادیوں کی حمایت اور جنگ میں شرکت کا اعلان کر دیا۔ کانگریس نے اس کے خلاف احتجاج کیا کہ اس کی رائے دریافت کیے بغیر اور صوبائی حکومتوں کی تائید حاصل کیے بغیر یہ اقدام کیوں کیا۔ کانگریس نے اس کو استعمار کی جنگ قرار دیا اور احتجاجاً اکتوبر اور نومبر ۱۹۳۹ء میں صوبائی کانگریسی وزارتوں سے استعفیٰ دے دیا۔(۴۶)

کانگریسی راج کے خاتمے پر مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان دوسالوں میں جس طرح کانگریسی وزارتیں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ میں مکمل طور پر ناکام رہیں۔ مجلس قانون ساز میں اور اس سے باہر جس طرح مسلمانوں کی ثقافت کو تباہ و برباد کیا اور ان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں مداخلت کی اور ان کے اقتصادی اور سیاسی حقوق کو پامال کیا۔ مسلمانوں نے اس ظلم و تشدد اور ناانصافی سے چھٹکارے پر قائداعظم کی اپیل پر ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو یوم نجات منایا۔(۴۷)

منزل مقصود کی طرف پیش رفت

۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک کے واقعات نے مسلمانوں میں یہ بیداری پیدا کر دی کہ ہندوستان کو متحد رکھنا سارے ہندوستان کو غلام بنانے کے مترادف ہے۔ اب مسلم لیگ کے

جماعتی مؤقف میں بھی آہستہ آہستہ لیکن انقلابی تبدیلی آنے لگی اور وہ ہندوستان کے واحد وفاق سے ہٹ کر مسلمانوں کی مکمل اور قطعی آزادی کے لیے سوچنے لگی۔ چنانچہ اس دورِ ابتلاء میں ہی مسلمانوں نے اپنی منزلِ مقصود کی طرف پیش رفت شروع کر دی۔ لہٰذا سندھ صوبائی مسلم لیگ کی جو کانفرنس ۱۹۳۸ء میں کراچی میں منعقد ہوئی' وہ مسلمانانِ ہند کی تحریک آزادی میں ایک سنگ میل ثابت ہوئی۔ دس اکتوبر کو اس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں مسلمانوں کی بڑی اکثریت کے جذبات کی ترجمانی کی گئی۔ اس میں آل انڈیا مسلم لیگ سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے لیے مکمل آزادی کے حصول کو اپنا مقصود قرار دے۔ (۴۸)

آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈیڑھ سال مزید جدوجہد اور غور و فکر کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند کے لیے ایک واضح نصب العین متعین کیا۔ مسلم لیگ کا ستائیسواں اجلاس ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں وزیر اعلیٰ بنگال مولوی ابو القاسم فضل الحق نے ایک تاریخی قرارداد پیش کی جو ''قرارداد پاکستان'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی خطوں کے مسلم اکثریت والے علاقوں کو یکجا کر کے آزاد ریاستوں کی تشکیل کرنی چاہیے جن میں شامل یونٹ خود مختار اور آزاد ہوں۔ اس اجلاس کی صدارت قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمائی۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی اس قرارداد نے برعظیم پاک و ہند کی سیاسی تاریخ میں ایک انقلاب آفریں باب کا آغاز کر دیا۔ مسلمانانِ ہند نے اس قرارداد لاہور کی بھرپور انداز میں نہایت واشگاف الفاظ میں تائید کی اور یہ ثابت کر دیا کہ اب مسلمانانِ ہند کی منزلِ مقصود واضح ہو چکی ہے جس کا تصور ۱۹۳۰ء میں حکیم الامت حضرت علامہ اقبال نے اپنے خطبہ صدارت (الہ آباد) میں پیش کیا تھا۔ (۴۹)

ایک جانب قائد اعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر پورے ہندوستان میں قرارداد پاکستان کی تائید میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقد ہونے لگے جبکہ دوسری جانب کانگریس اور ہندو پریس اس قرارداد کی شدید مخالفت کرنے لگے۔ یہی نہیں بلکہ کانگریسی مسلمانوں' جمعیت العلماء ہند' خاکسار' خدائی خدمت گار وغیرہ سب نے اس قرارداد کی مخالفت کی۔ (۵۰)

بہر حال اس قرارداد نے انگریزوں اور ہندوؤں پر یہ واضح کر دیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور وہ اپنے لیے الگ خطہ وطن حاصل کیے بغیر مطمئن نہیں بیٹھیں گے۔

جنگ عظیم دوم کی ابتدا سے لے کر ۱۹۴۶ء تک برطانوی حکومت برصغیر کے لیے ایک ایسا آئینی حل تلاش کرنے کے لیے سرگرم عمل رہی جو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے لیے قابل قبول ہو۔ اسی دوران ۲۷ جولائی تا دسمبر ۱۹۴۴ء تک گاندھی جناح مذاکرات کی ناکامی نے روز بروز سنگین ہوتے ہوئے سیاسی بحران کو حل کرنے کی ذمہ داری ایک مرتبہ پھر حکومت کو منتقل کر دی۔ چنانچہ وائسرائے ویول نے ہندوستانی لیڈروں کی ایک کانفرنس جون ۱۹۴۵ء میں شملہ میں منعقد کی اور اپنا ایک منصوبہ پیش کیا' مگر یہ بھی ناکام ہوئی۔ (۵۱)

حالات تیزی سے بدلتے گئے۔ برصغیر کے سیاسی رہنماؤں میں اور حکومت میں الگ الگ مذاکرات ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ ملک میں تازہ انتخابات کے انعقاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ وائسرائے نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ ۲۱ اگست ۱۹۴۵ء کو عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔ تمام پارٹیوں نے زور شور سے انتخابات کی تیاری شروع کر دی۔ مسلم لیگ نے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے اپنے منشور کا اعلان کیا اور کہا:

''ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں اور پاکستان ہی ہندوستان کے مسلمانوں کے تمام مسائل کا دانش مندانہ حل ہے۔''

کانگریس نے اپنے انتخابی منشور میں اس کے برعکس اعلان کیا:

''کانگریس ہندوستان کے تمام لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے اور ہندوستان ایک غیر منقسم اکائی رہے گا۔'' (۵۲)

انتخابات کا اعلان ہوتے ہی مسلمانان برصغیر اس وقت کی نازک صورت حال سے بخوبی واقف ہو گئے چنانچہ عام مسلمانوں اور خصوصاً طالب علموں نے حالات کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے مسلم لیگ کو انتخابات کے لیے کھل کر چندہ دیا اور مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچا کر انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے راہ ہموار کی۔

۲۰ دسمبر ۱۹۴۵ء میں سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات ہوئے ان انتخابات میں مسلم لیگ کو اپنے علاقوں اور صوبوں میں کھلم کھلا کامیابی حاصل ہوئی۔ انتخابات میں مسلمانوں کے لیے جو تیس (۳۰) نشستیں مخصوص تھیں وہ تمام کی تمام آل انڈیا مسلم لیگ نے جیت لیں۔ کانگریس کے امیدوار ہر جگہ شکست کھا گئے بلکہ بعض کی تو ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔ نتائج کی خوشی میں ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو مسلمانان ہند نے ملک بھر میں یوم فتح منایا۔ اس کے بعد صوبائی

اسمبلیوں کے انتخابات ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوئے اس میں کامیابی کے لیے مسلمانانِ ہند نے بھرپور محنت کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی کامیابی عطا کی۔ ان انتخابات میں مسلمانوں کے لیے کل ۴۹۵ نشستیں مختص کی گئی تھیں۔ مسلم لیگ نے ان میں سے ۴۴۶ نشستیں جیت لی تھیں۔ (۵۳)

۱۹۴۵-۱۹۴۶ء کی انتخابی مہم میں ڈاکٹر اسرار احمد کا کردار

۱۹۴۵-۱۹۴۶ء میں ہونے والے انتخابات میں ڈاکٹر اسرار احمد نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بطور گورنمنٹ ہائی سکول کے طالب علم اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ضلع حصار کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''حصار ڈسٹرکٹ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بھی کل کی کل ہائی سکول کے طلبہ پر مشتمل تھی اور میں نویں جماعت کے طالب علم کی حیثیت سے اس کا جنرل سیکرٹری تھا اور نہ صرف یہ کہ اپنے قصبے حصار میں اس کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا بلکہ اکثر سرسہ اور ہانسی کے قصبات کے دوروں پر بھی جاتا رہتا تھا۔'' (۵۴)

اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''۱۹۴۶ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ حال میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا جو تاریخی جلسہ منعقد ہوا تھا' جس سے قائد اعظم مرحوم نے خطاب فرمایا تھا' اس میں ضلع حصار کے دو مندوبین میں سے ایک میں تھا (دوسرے دسویں جماعت کے طالب علم عبدالواحد)۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس موقع پر ہمارے قیام کا انتظام میکلوڈ روڈ کے لکشمی چوک سے متصل ایک ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ راقم کو اس پر فخر ہے کہ تحریک پاکستان کے ننھے کارکنوں میں اس کا نام بھی شامل ہے۔'' (۵۵)

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں:

> ''۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کامیاب ہوگئی اور اسے پورے ہندوستان میں نہ صرف اکثریتی صوبوں میں بلکہ اقلیتی صوبوں میں بھی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس دوران میں دعائیں بھی بہت مانگی گئیں اور نعرہ لگایا گیا پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ...... یہ مسلمانانِ ہند کے دلوں کی آواز بنا۔ میں تو خود ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے یہ نعرے لگائے...... ہم نے جلسوں جلوسوں میں یہ نعرے لگائے ہیں اور جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں گڑگڑا کر دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دے دے' ہمیں ایک آزاد

خطہ ارضی عطا فرما۔ وہاں پر ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نافذ کریں گے۔ درحقیقت اگر یہ نعرہ اور پیغام نہ ہوتا تو پورے ہندوستان کے مسلمان ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیتے لہٰذا اس اعتبار سے یہی فیصلہ کن نظریہ تھا جو پاکستان کی بنیاد بنا۔"(۵۶)

الغرض انتخابات کے نتائج کو حتمی شکل دینے کے لیے مارچ ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن برطانیہ سے ہندوستان آیا اور ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو اس کابینہ مشن کی سفارشات میں تین منزلہ آئینی منصوبہ پیش کیا گیا جس کی رو سے صوبوں کی گروپ بندی سکیم کا لازمی حصہ تھی جس میں ہندوستان کی وحدت کو قائم رکھتے ہوئے، مسلمان صوبوں کی خودمختاری کے ساتھ ہی، ایک عبوری حکومت کے قیام کی تجویز پیش کی گئی جس میں مسلم لیگ اور کانگریس دونوں شریک ہوں گے۔

کانگریس کے برعکس مسلم لیگ نے ان تجاویز کو منظور کر لیا، لیکن ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ وہ اس منصوبہ کو منظور کر رہی ہے، لیکن اس کا مطمع نظر پاکستان ہی ہے۔ اب وائسرائے پر اپنے اعلان کردہ فیصلے کی رو سے یہ لازم تھا کہ وہ مسلم لیگ کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دیتا لیکن کانگریس کے رویے کے پیش نظر وائسرائے نے عبوری حکومت کا قیام ملتوی کر دیا۔ اس بدعہدی پر ۲۹ جون ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ نے کابینہ مشن کی تجاویز کی منظوری کی قرارداد واپس لے لی۔ ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ نے حکومت کی پالیسیوں کے خلاف یوم راست اقدام ملک بھر میں جلسے جلوسوں کی صورت میں منایا۔ اب کانگریس تنہا ہی مرکز میں حکومت بنانے کی متمنی تھی جب ستمبر میں کانگریس نے عبوری حکومت تشکیل دی تو اس کے نتیجے میں ہندو مسلم فسادات اتنی شدت اختیار کر گئے کہ وائسرائے اور کانگریس نے خود مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت کی کوششیں شروع کر دیں۔ بالآخر ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مخلوط حکومت کے قیام کا اعلان ہوا۔ (۵۷)

عبوری حکومت سے حالات بہتر ہونے کی بجائے بدتر ہوتے گئے۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کا چارج سنبھالتے ہی حالات کو سدھارنے کے لیے مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنماؤں سے گفت وشنید کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران قائداعظم اپنے مطالبہ پاکستان پر شدت سے ڈٹے رہے۔ بالآخر ۳ جون ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے منصوبہ کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کی نظریاتی مملکت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آئی۔ (۵۸)

ڈاکٹر اسرار احمد کا تحریک پاکستان میں حصہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا اپنی عمر اور بساط کے مطابق فکری و عملی تعلق مکمل طور پر تحریک پاکستان کے ساتھ رہا۔ آپ لکھتے ہیں:

''میں نے اپنی زندگی کے بالکل ناسمجھی کے دور میں بھی چونکہ اس فضا میں سانس لیا جس میں ہندو مسلم کش مکش کے سائے گہرے ہونے شروع ہو چکے تھے اور مسلمانان ہند اپنے قومی تشخص کے تحفظ کے لیے جان توڑ کوشش پر مجبور ہو گئے تھے۔ لہٰذا میرے تحت الشعور کی سب سے نچلی سطح میں مسلم قوم پرستی کا جذبہ رچ بس گیا۔ یہاں تک کہ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۳۸ء میں جبکہ میری عمر کل چھ سال کی تھی، میں نے علامہ اقبال مرحوم...... کے انتقال کو نہ صرف ایک قومی نقصان بلکہ ذاتی صدمہ کی حیثیت سے محسوس کیا۔''(۵۹)

اسی لیے جب ۱۹۴۶-۱۹۴۷ء میں مسلمانان ہند کی قومی جدوجہد اپنے عروج پر تھی تو ڈاکٹر صاحب تحریک پاکستان کے ساتھ کسی نہ کسی طور پر عملاً وابستہ رہے، آپ لکھتے ہیں:

''۱۹۴۶-۱۹۴۷ء کے دوران مسلمانان ہند کی قومی جدوجہد اپنے نقطۂ عروج پر تھی اور پورے برصغیر کے مسلمانوں کے اعصاب پر تحریک مسلم لیگ کا کامل تسلط تھا۔ چنانچہ میں بھی ...... پوری تندہی کے ساتھ اس سے وابستہ تھا۔ اس زمانے میں، میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ایک فعال ورکر تھا اور اس دور میں ہمارے جذبہ ملی کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہم فیڈریشن کے کارکن روزنامہ ''نوائے وقت'' کے استقبال کے لیے بالعموم ریلوے سٹیشن پہنچ جایا کرتے تھے۔''(۶۰)

الغرض تحریک پاکستان جو اس وقت اپنے عروج پر تھی آپ اس کے ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔(۶۱)

جماعتِ اسلامی

جماعت اسلامی کی بنیاد تقسیم ہند سے پہلے ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں رکھی گئی۔ یہ جماعت اس عہد کے ایک ممتاز عالم دین اور مفکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء) کی تحریک کے نتیجے میں قائم ہوئی۔

برطانوی ہند کے مسلمانوں کو انگریز کی غلامی کے دور میں جو سب سے بڑا خطرہ پیش آیا وہ ''متحدہ قومیت'' کا تھا۔ یہ خطرہ ۱۹۲۵ء میں تحریک خلافت کے غیر موثر ہو جانے کے بعد سے شدید تر صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ہر میدان میں شکست پر شکست

کھانے سے ان پر شدید مایوسی کا غلبہ تھا۔کوئی قومی تنظیم باقی نہیں رہی تھی۔قومی لیڈر ایک ایک کر کے یا تھک گئے تھے' یا اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور یا پھر قوم کا اعتماد کھو بیٹھے تھے۔نت نئے فتنے اُبھر رہے تھے اور کوئی نہ تھا جو ان کا مقابلہ کرے۔ان حالات میں کانگریس نے مسلمانوں کو نرم نوالہ سمجھ کر نگل لینا چاہا اور اس غرض کے لیے متحدہ قومیت کی تحریک کو تیز تر کر دیا۔علمی میدان میں مغرب کی پوری سیاسی فکر کی بنا پر متحدہ قومیت کے تصور کو پیش کیا جا رہا تھا اور کوئی سیلاب اس کا مقابلہ کرنے والا نہ تھا.....علماء کا ایک طبقہ انگریز کی مخالفت میں متحدہ قومیت کی تائید پر اتر آیا۔[۶۲]

مزید برآں ۱۹۳۷ء میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہوتے ہی ہندوؤں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کا راج آ گیا' یو پی میں' بہار میں اور ہندو اکثریت کے دوسرے صوبوں میں اذان پر' نماز پر' قربانی پر' محرم کے جلوس پر' روک ٹوک اور حملے اپنے غلبے کے مظاہرے کے لیے انہوں نے ضروری قرار دے لیے۔پولیس نے ان ہنگاموں میں بے پروائی اختیار کی۔اگر وہ دباتی بھی تو مسلمانوں ہی کو۔خود کانگریسی حکومتوں نے سرکاری عمارتوں پر کانگریس کے جھنڈے لگوا دیے۔بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دیا۔سرکاری سکولوں میں کانگریس کے جھنڈے کی سلامی جاری کی۔کانگریسی حکومتوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو یہ محسوس کرایا کہ ان کی رائے اور مرضی کوئی چیز نہیں' ان کو اس ملک میں ہندوؤں کے تابع ہو کر رہنا ہو گا۔[۶۳]

مسلم لیگ نے مسلمانوں پر ہندوؤں اور کانگریسی حکومتوں کے مظالم کی شکایتوں کی تحقیقات کے لیے ۴ نومبر ۱۹۳۸ء کو ایک کمیٹی مقرر کی۔اس کمیٹی نے حقائق اور واقعات پر مبنی رپورٹ پیش کر دی جس نے کانگریسی وزارتوں کی زیادتیوں کا پردہ چاک کر دیا۔[۶۴]

ان حالات میں صاف نظر آ رہا تھا کہ ملت اسلامیہ ہند کی کشتی ڈانواں ڈول ہے اور اگر حالات کو بدلنے کی فوری کوشش نہ کی گئی تو اس کشتی کو بچانا ممکن نہ رہے گا۔اسی دور میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش' مسئلہ قومیت اور تحریک آزادی ہند اور مسلمان'' نامی کتابیں تحریر کیں۔جس کے ذریعے مولانا نے کانگریس' متحدہ قومیت اور لادینی نظام کے خطرے سے مسلمانوں کو روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ مسلم قوم پرستی کو اپنا مقصد حیات سمجھنے کے بجائے اسلامی انقلاب کو اپنا نصب العین بنائیں۔مولانا نے ان نازک حالات میں مسلمانوں کو اپنے دینی و دُنیوی مقاصد سے اور اقامت دین کی جدوجہد سے آگاہ کرنے کی ضرورت محسوس کی۔مولانا لکھتے ہیں:

''اب دین وملت کی سب سے بڑی خدمت ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے عوام و خواص، علماء وزعماء کو ان حقیقی خطرات کی طرف توجہ دلائی جائے جو مسلم قوم ہونے کی حیثیت سے ہمیں درپیش ہیں اور اس کے ساتھ انہیں یہ بھی یاد دلایا جائے کہ تمھارے لیے ہدایت کا سرچشمہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول پاک ﷺ کی پاک سیرت میں ہے جس کو چھوڑ کر محض اپنی تدابیر پر بھروسا کر لینا ہلاکت کا پیش خیمہ ہوگا۔''(۶۵)

''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کو مسلمان رہنے یا نہ رہنے کا آخری فیصلہ کرنا ہے۔ اگر ہم مسلمان رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ماحول کو اور پھر تمام دنیا کو دارالسلام بنانے کا عزم لے کر اٹھنا چاہیے اور اس کے لیے جان وتن کی بازی لگا دینی چاہیے...... جو اپنے مقصد کی راہ میں لڑتے ہوئے ناکام مرجانے کو دنیا کی ساری کامرانیوں پر ترجیح دینے کے لیے تیار ہیں...... صرف وہی دارالسلام کی تحریک چلا سکتے ہیں۔''(۶۶)

مولانا کے نزدیک فریضۂ اقامتِ دین کی انجام دہی ایک صالح اسلامی جماعت کے ساتھ مشروط بلکہ لازم وملزوم تھی۔ چنانچہ اسی فرض کو ادا کرنے کے لیے انہوں نے اسلامی تحریک کے نقشے پر منظم جدوجہد کرنے کی دعوتِ عام دی جس پر ملک بھر سے ۷۵ افراد جمع ہوئے اور ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی (۶۷) اور جماعت نے بالاتفاق سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو اپنا امیر منتخب کیا۔

اپنی فکری اور تنظیمی ساخت کے اعتبار سے، یہ مروجہ معنوں میں کوئی سیاسی جماعت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اس دور کی عملی سیاست سے دور رکھا۔ مولانا مودودیؒ کا یہ کہنا تھا کہ جو لوگ متحدہ قومیت کو حق سمجھ کر کانگریس کا ساتھ دے رہے ہیں اور جو مسلم قومیت کے علم بردار کے طور پر مسلم لیگ میں شامل ہیں، دونوں ہی مغالطے میں مبتلا ہیں اور ان دونوں سیاسی قوتوں کے پاس مسلمانانِ ہند کے مسائل کا حل موجود نہیں۔ ان کے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے جو درست لائحہ عمل تھا، وہ مثبت طور پر جماعت اسلامی کے قیام کی صورت میں سامنے آیا۔ (۶۸)

جماعت اسلامی کا نصب العین

جماعت اسلامی کا نصب العین دستور جماعت میں یہ قرار پایا:

''جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔''(۶۹)

جماعت اسلامی کی دعوت

مولانا مودودیؒ نے اپنی دعوت کو مختصر طور پر صاف اور سیدھے الفاظ میں تین نکات میں خود بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

"(۱) یہ کہ ہم بندگان خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

(۲) یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ کرے اسے ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کر دے اور جب وہ مسلمان ہے یا بنا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

(۳) یہ کہ زندگی کا نظام جو باطل پرستوں اور فساق و فجار کی رہنمائی، قیادت اور فرماں روائی میں چل رہا ہے اور معاملات دنیا کے انتظام کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے، ہم دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی و امامت نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مؤمنین و صالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔" (۷۰)

طریق کار اور لائحہ عمل

جماعت اسلامی کا طریق کار دستور جماعت اسلامی کی دفعہ پانچ کے تحت یہ ہوگا کہ وہ کسی امر کا فیصلہ کرنے یا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھے گی کہ خدا اور رسولؐ کی ہدایت کیا ہے، جبکہ دوسری ساری باتوں کو ثانوی حیثیت سے صرف اس حد تک پیش نظر رکھے گی جہاں تک اسلام میں گنجائش ہو گی۔ (۷۱)

اس طریق کار کو طے کرنے کے بعد جماعت اسلامی نے جو لائحہ عمل تیار کیا وہ چار مقاصد پر مشتمل ہے۔

(۱) تطہیر افکار و تعمیر افکار:

"ہم کئی سال سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور ہماری اس کوشش کا سلسلہ برابر جاری ہے کہ ایک طرف غیر اسلامی قدامت اور دوسری طرف مغربی علوم و فنون اور نظام تہذیب و تمدن پر تنقید کر کے یہ بتایا جائے کہ اس میں کیا کچھ غلط اور قابل ترک ہے اور کیا کچھ صحیح اور قابل اخذ ہے۔ تیسری طرف یہ وضاحت کی جائے کہ اسلام کے اصولوں کو زمانۂ حال کے مسائل اور معاملات پر منطبق کر کے ایک صالح تمدن کی تعمیر کس طرح ہو سکتی ہے۔" (۷۲)

(۲) صالح افراد کی تلاش، تنظیم اور تربیت:

''ہمارے معاشرے میں جو صالح عنصر بچا کھچا موجود ہے مگر منتشر ہونے کی وجہ سے یا جزوی اصلاح کی پراگندہ کوشش کرنے کی وجہ سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر رہا ہے اسے چھانٹ چھانٹ کر ایک مرکز پر جمع کیا جائے اور ایک حکیمانہ پروگرام کے مطابق اس کو اصلاح و تعمیر کی منظم سعی میں لگایا جائے۔''(۷۳)

(۳) اجتماعی اصلاح کی سعی:

''اس میں سوسائٹی کے ہر طبقہ کی اس کے حالات کے لحاظ سے اصلاح شامل ہے اور اس کا دائرہ کار اتنا وسیع ہو سکتا ہے جتنے ہمارے ذرائع وسیع ہوں۔ہم اپنے ارکان اور متفقین کو ان کی صلاحیتوں کے لحاظ سے مختلف حلقوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر ایک کے سپرد وہ کام کرتے ہیں جس کے لیے وہ اہل تر ہوں......ان کا متعین نصب العین یہ ہے کہ اس ذہنی، اخلاقی اور عملی انارکی کو ختم کیا جائے جو پرانے جمودی اور نئے انفعالی رجحانات کی وجہ سے قوم میں پھیلی ہوئی ہے اور عوام سے لے کر خواص تک سب میں صحیح اسلامی فکر، اسلامی سیرت اور سچے مسلمانوں کی سی زندگی پیدا کی جائے۔''(۷۴)

(۴) نظام حکومت کی اصلاح:

''اگر ہم فی الواقع اپنے ملک کے نظامِ زندگی کو فسق و ضلالت کی راہ سے ہٹا کر دین حق کی صراط مستقیم پر چلانا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ بگاڑ کو مسند اقتدار سے ہٹانے اور بناؤ کو اس کی جگہ پر متمکن کرنے کی براہ راست کوشش کریں۔''(۷۵)

جماعت اسلامی کا تنظیمی جائزہ

(۱) دستوری جماعت: جماعت اسلامی روز اول سے ایک دستوری جماعت کی حیثیت سے قائم ہوئی۔اس کے پہلے ہی اجلاس میں دستور کا ایک مسودہ (۲۶ اگست ۱۹۴۱ء) پہلے ہی سیشن میں پاس کیا گیا جس پر حاضرین نے شق وار بحث کی اور مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد پاس کیا۔(۷۶) جماعت اسلامی کا ایک امیر ہوگا، جو حالات کی روشنی میں جماعت چلانے کا ذمہ دار تھا اور اس کے ساتھ ہی امیر جماعت کی امداد اور مشورے کے لیے ایک مجلس شوریٰ ہوگی۔(۷۷)

(۲) مختلف شعبہ جات کی تشکیل و تنظیم: مجلس شوریٰ کے انتخاب کے دوسرے دن ہی سے امیر جماعت نے شوریٰ کے مشورے سے جماعت اسلامی کی تنظیم کو موثر بنانے کے لیے اس کے مختلف شعبہ جات قائم کیے اور جماعت اسلامی کے پیش نظر دعوتی اور تنظیمی کام کو ان شعبہ جات

کے ذریعے تقسیم کار کا نقشہ تیار کیا گیا۔

(i) شعبہ علمی و تعلیمی کا قیام: اس شعبے کا کام اسلام کے نظام فکر اور اس کے نظام حیات کا اس کے مختلف فلسفیانہ، علمی اور تاریخی پہلوؤں پر زبردست انقلابی لٹریچر تیار کرنا اور اسلام کے نظریہ تعلیمی اور نظام تعلیم کو از سر نو مدون کر کے اس کے مطابق نصاب اور معلمین تیار کرنا تھا جو بالآخر ایک درس گاہ قائم کر کے آئندہ نسل کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا کام شروع کر دے۔ ایک ایسی تربیت گاہ قائم کرے جو دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے بہترین کارکن تیار کرے۔ اس شعبہ کا انچارج امیر جماعت کو بنایا گیا۔ (۷۸)

(ii) شعبہ نشر و اشاعت: اس شعبہ کا کام اس لٹریچر کی توسیع و اشاعت تھا جو شعبہ علمی کے تحت تیار ہوتا تھا۔ اس شعبہ کے کارکنوں کا کام یہ تھا کہ وہ جماعت کے لٹریچر کو جہاں تک ممکن ہو خدا کے بندوں تک پہنچائیں۔ یہ شعبہ بھی سر دست امیر جماعت کی زیر نگرانی رکھا گیا۔ (۷۹)

(iii) شعبہ تنظیم جماعت: اس شعبہ کے فرائض کارکنوں کو کام کی ہدایات دینا، مقامی جماعتوں کے کام کی نگرانی کرنا، ان سے رپورٹیں طلب کرنا، ان کو مشورے دینا، منفرد ارکان کو مقامی جماعتیں بنا کر کام کرنا، جماعت کے ہم خیال افراد سے رابطہ قائم رکھنا اور مجموعی طور پر جماعت کے کام کی رفتار کا جائزہ لیتے رہنا ہوں گے۔

(iv) شعبہ مالیات: جماعت اسلامی کا ایک مرکزی بیت المال بھی قائم کیا گیا۔ (۸۰)

(v) شعبہ دعوت و تبلیغ: یہ شعبہ جماعت اسلامی کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ جماعت اسلامی کی کارکردگی کا تمام تر انحصار اس شعبہ کی کارگزاری پر ہے۔ جماعت کے تمام ارکان اس کے دائمی کارکن ہیں اور ان کی حقیقی حیثیت دعوت اسلامی کے مبلغین کی ہے۔ اس شعبہ کے ہر فرد جماعت کا یہ کام ہے کہ وہ جماعت کی دعوت، اس کا عقیدہ، اس کا نصب العین اور پروگرام دوسروں تک پہنچائے اور نظام جماعت کی تشریح کرے۔ اس شعبہ کو ۸ حلقوں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ حلقے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کالجوں اور جدید تعلیم یافتہ افراد کا حلقہ
(۲) علماء اور دینی مدارس کا حلقہ
(۳) صوفیاء اور مشائخ طریقت کا حلقہ
(۴) سیاسی جماعتوں کا حلقہ
(۵) شہری عوام کا حلقہ
(۶) دیہاتی عوام کا حلقہ
(۷) عورتوں کا حلقہ
(۸) غیر مسلموں کا حلقہ (۸۱)

جماعت اسلامی بعد از تقسیم ہند

تقسیم ہند کے ساتھ ہی جماعت اسلامی بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور امیر جماعت دیگر مرکزی قائدین کے پاکستان منتقل ہو جانے سے جماعت اسلامی پاکستان کو اصل جماعت کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس مرحلے پر جماعت اسلامی ایک نئی صورت حال سے دوچار ہوئی۔ اب اسے جماعت اسلامی کی اپنی تعبیر کے مطابق ''مسلمانوں کی ایک قومی ریاست'' میں اپنا کام جاری رکھنا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس کی حکمت عملی میں ایک تغیر واقع ہو۔ جماعت اسلامی پاکستان کے نصب العین میں اگرچہ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور اس کے لائحہ عمل کے چار اجزاء...... ہی بیان کیے جاتے رہے۔ تاہم بعض اجزاء پر زیادہ توجہ سے عدم توازن کی ایک فضا پیدا ہوگئی اور یہ گمان کیا جانے لگا کہ جماعت اسلامی ایک سیاسی جماعت کا روپ دھار چکی ہے۔ مولانا مودودی صاحبؒ نے اس تاثر کے بارے میں اپنا مؤقف (۸۲) بھی بیان کیا لیکن اس کی وضاحت کے باوجود یہ تاثر نہ صرف قائم رہا بلکہ جماعت کے اندر بھی دور تک سرایت کر گیا' جس کے نتیجے میں صف دوم کی قیادت جماعت سے الگ ہوگئی۔ (۸۳)

ڈاکٹر اسرار احمد کا جماعت اسلامی سے تعلق و وابستگی

ڈاکٹر صاحب جن تحریکوں سے متاثر رہے ان میں جماعت اسلامی سرفہرست ہے۔ آپ کے خاندان کا مولانا مودودی مرحوم کی تصانیف اور ان کی دعوت و تحریک سے اولین تعارف بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کے ذریعے ہوا جنھوں نے اپنی انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران جماعت اسلامی کے لٹریچر کو نہ صرف پڑھا بلکہ اسے اچھی طرح از بر کر لیا اور دوسری جانب وہ جماعت اسلامی کے رکن بن گئے۔ (۸۴)

ڈاکٹر صاحب اس زمانے میں (۱۹۴۶-۱۹۴۷ء) میں میٹرک میں پڑھ رہے تھے جب مسلمانانِ ہند کے اعصاب پر مسلم لیگ کی تحریک پورے طور پر مسلط تھی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''اپنے میٹرک کے زمانہ تعلیم کے دوران اگرچہ میں عملاً تحریک مسلم لیگ ہی سے وابستہ رہا اور نیا دینی فکر مجھ پر اس درجہ غالب نہ آسکا کہ میں عملاً بھی اسی کا ہو رہتا' تاہم اس کا اثر مجھ پر اس حد تک ضرور ہوا کہ مسلم لیگ یا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے حلقوں میں جب بھی مولانا مودودیؒ یا جماعت اسلامی پر کوئی تنقید ہوتی یا طنز و طعن کا معاملہ ہوتا' میں ان کی جانب سے مدافعت میں پورا زور صرف کر دیتا۔''(۸۵)

تاہم اس زمانہ میں جماعت سلامی سے عملی وابستگی نہ ہونے کے باوجود آپ نے جماعت کی بنیادی دعوت پر مشتمل چھوٹے کتابچے تمام کے تمام پڑھ ڈالے۔(۸۶) جس سے مولانا مودودیؒ کی فکر کے دو پہلو آپ کے سامنے واضح ہو کر آئے' ایک یہ کہ اسلام ایک مذہب نہیں دین ہے۔ یہ ایک مکمل نظام زندگی ہے اور یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے' یہ مغلوب ہونے کے لیے نہیں آیا۔ اور دوسرا پہلو فرائض دینی کے حوالے سے سامنے آیا یعنی فرائض دینی صرف نماز' روزہ' حج اور زکوۃ ہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بھی ہیں۔(۸۷)

قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر صاحب کے اندر جو دینی وملی جذبہ پروان چڑھ رہا تھا وہ یہ تھا کہ اب قیام پاکستان سے گویا اصلی مرحلہ تو طے ہو ہی گیا ہے اب کسر صرف اتنی ہے کہ اس میں ''اسلامی نظام'' قائم کر دیا جائے اور پھر اسے بنیاد بنا کر اسلام کے عالمی غلبے کی سعی و جہد کی جائے۔ ان حالات میں جب جماعت اسلامی پاکستان میں ''قیام نظام اسلامی'' کی داعی بن کر سامنے آئی تو گویا اس نے ان کے جملہ قومی وملی اور دینی و مذہبی جذبات کو اپیل کیا۔(۸۸) لہٰذا ہندوستان سے لاہور آتے ہی آپ نے جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ شروع کر دیا اور جماعت اسلامی لاہور کے حلقہ کرشن نگر کے ساتھ عملاً وابستہ ہو گئے۔

اس زمانے میں (۱۹۴۸ء-۱۹۴۹ء) آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف ایس سی کے طالب علم تھے۔ آپ نے جماعت کے لیے ان تھک کام کیا لیکن جماعت کے ساتھ اپنے اس دور کے تعلق اور وابستگی کو بے شعوری کا تعلق قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''ایک عام کارکن کی طرح اگرچہ میں بھی بھاگ دوڑ میں پوری طرح حصہ لیا کرتا تھا لیکن تحریک کے ساتھ میرا یہ تعلق سطحی تھا اور میں ابھی پوری طرح اسے سمجھ نہ پایا تھا۔ ۱۹۴۹ء کے اواخر میں' میں میڈیکل کالج میں داخل ہوا اور اس وقت سے میں نے جماعت اور تحریک کے بارے میں زیادہ سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا تو اپنے تعلق کا سطحی ہونا واضح ہوا اور جماعت کی دعوت اپنی پوری گہرائی کے ساتھ دل و دماغ میں منکشف ہوئی۔''(۸۹)
>
> ''اصل دعوت یہ نہیں کہ دو چار کتابیں پڑھ لیں' جماعت کے لیے پمفلٹ تقسیم کر دیے یا تحریک اسلامی کے چند اجتماعات میں شریک ہو گئے بلکہ یہ ہے کہ اللہ کو اپنا مالک و آقا مانتے ہوئے پوری زندگی کو اس کی عبادت میں دے دیں' خدا سے اپنے تعلق کو استوار کریں اور خدا کی رضا کے حصول کو اپنا مقصد زندگی بنائیں۔''(۹۰)

اپنی زندگی کے شعوری دور کی ابتدا میں آپ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۴ء (میڈیکل کالج لاہور

میں تعلیم کے دوران) تک اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن رہے اور اس میں آپ نے ایک عام کارکن اور رکن سے لے کر اس کی نظامت علیا تک کے فرائض سرانجام دیے۔ (۹۱)

اس پورے چار سال کے عرصہ میں آپ نے ایک دن بھی جمعیت کو جماعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں سمجھا' اس بارے میں آپ لکھتے ہیں:

''میں اپنی حد تک اسلامی جمعیت طلبہ کو تنظیمی طور پر تو ضرور آزاد اور جماعت سے علیحدہ سمجھتا رہا ہوں لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے اس پورے دور میں میں نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی ہی کا ایک رکن متصور کیا۔'' (۹۲)

اور اس دور میں ڈاکٹر صاحب نے انتہائی جوش و خروش اور حد درجہ انہماک کے ساتھ اور تحریک کے تقاضوں کو دوسری ہر چیز پر مقدم جان کر کام کیا۔ یہاں تک کہ اپنی تعلیم کے نقصان اور پیشہ وارانہ زندگی کی کوئی پروا نہ کی۔ (۹۳)

جمعیت کے رکن ہوتے ہوئے بھی آپ کا رابطہ جماعت کے اکابرین کے ساتھ رہا۔ چنانچہ اس پورے دور میں آپ نے مولانا مودودی صاحبؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ سے ذاتی ربط قائم رکھا۔

اکتوبر ۱۹۵۴ء میں ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر کے آپ نے اسلامی جمعیت طلبہ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا اور زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے بعد ۱۵ نومبر ۱۹۵۴ء کو جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست دیتے ہوئے آپ نے لکھا:

''میں یہ محسوس کرتا ہوں اور آج سے نہیں بلکہ چار سال قبل سے محسوس کر رہا ہوں کہ اقامت دین میرا فرض ہے اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس دور میں پیدا ہوا جبکہ خالصتاً اقامت دین کے کام کے لیے جماعت اسلامی قائم ہو چکی ہے اور میں آسانی کے ساتھ اس میں شریک ہو کر اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سعی کر سکتا ہوں۔ اس لحاظ سے میں جماعت اسلامی کے وجود کو اپنے لیے ایک نعمت تصور کرتا ہوں اس لیے کہ اگر یہ نہ ہوتی تو خود کام کرنا میرے بس میں نہ ہوتا۔'' (۹۴)

''اور میں سمجھتا ہوں کہ پوری دنیا میں خالص تحریک اسلامی تو محض جماعت اسلامی ہے (پاکستان کی بھی اور ہندوستان کی بھی) البتہ دینی مقاصد کے لیے اور اچھے کام کرنے والے اور ادارے بھی ہیں جماعتیں بھی ہیں۔ پاکستان میں بھی اور باقی دنیا میں بھی۔ ان اداروں یا جماعتوں نے مجھے ایک حد تک تو متاثر کیا ہے' لیکن جماعت اسلامی کے

سوا کسی اور ادارے یا جماعت کے مقصد اور طریق کار کو میں خالصتاً اسلامی اور ٹھیٹھ دینی نہیں سمجھتا۔"(۹۵)

نومبر ۱۹۵۴ء میں درخواست رکنیت پیش کر دینے کے بعد ہی آپ نے فوراً جماعت کے ارکان کی طرح اپنے آپ کو نظم کا پابند بنا کر کام شروع کر دیا۔ فروری ۱۹۵۵ء میں آپ کی درخواست رکنیت منظور ہوگئی۔(۹۶)

جماعت کی رکنیت کے ڈیڑھ سال بعد ہی آپ کو جماعت کی موجودہ پالیسی سے اختلافات ہوگئے۔ اسی دوران جماعت کے اندر بھی اس کی پالیسی کے بارے میں بے اطمینانی بڑھنی شروع ہوگئی جس کے لیے ایک جائزہ کمیٹی بنائی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اواخر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اپنا ایک مفصل بیان قلمبند کر کے جائزہ کمیٹی کے سپرد کر دیا۔(۹۷)

جس میں آپ نے اپنی یہ رائے واضح کی کہ پالیسی اور طریق کار کے اعتبار سے تقسیم سے ماقبل اور اس کے مابعد کی جماعت میں واضح تفاوت و اختلاف بلکہ تضاد پایا جاتا ہے اور قبل از تقسیم کی جماعت جہاں ایک خالص اور ٹھیٹھ اسلامی تحریک کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ وہاں بعد از تقسیم کی جماعت ایک ایسی قومی' سیاسی جماعت بن گئی ہے جس میں دین کا داعیہ چاہے کم یا زیادہ موجود ہو' خالص اسلامی تحریک کی خصوصیات موجود نہیں ہیں۔(۹۸)

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۵۶ء پیش ہونے سے لے کر اجتماع ماچھی گوٹ فروری ۱۹۵۷ء جو اس غرض سے بلایا گیا تھا کہ ارکان جماعت پالیسی اور طریق کار کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لے کر آئندہ کے لیے اپنا لائحہ عمل طے کریں گے' کے اختتام تک جماعت اسلامی میں یہ اختلاف رائے انتہائی ہنگامہ خیز بن گیا جس نے ۱۹۴۱ء میں قائم ہونے والی جماعت کو ختم اور ایک نئی جماعت اسلامی کو جنم دیا جس کے نتیجے میں ڈاکٹر اسرار احمد سمیت کم و بیش ستر' اسی (۷۰' ۸۰) ارکان جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔(۹۹)

الغرض تقریباً جماعت میں شمولیت کے ڈھائی سال بعد اپریل ۱۹۵۷ء کو آپ نے جماعت کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ آپ لکھتے ہیں:

"لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں نے زندگی کا وہ نصب العین بھی ترک کر دیا جس کے حصول کے لیے میں نے جماعت میں شمولیت اختیار کی تھی اور احیائے اسلام و تجدید دین اور شہادت حق و اقامت دین کی اس جدوجہد سے بھی لاتعلقی اختیار کر لی جسے میں نے پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنا دینی فرض سمجھ کر قبول کیا تھا۔"(۱۰۰)

لہٰذا جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد آپ نے مذکورہ فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تن تنہا کوشش شروع کر دی۔

حواشی' فصل اول

(۱) ملاقات' ڈاکٹر ابصار احمد برادر ڈاکٹر اسرار احمد' ۲ جون ۲۰۱۰ء

(۲) ایضاً۔

(۳) حصار دہلی سے ۲۵۰ کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔ خالد بہزاد ہاشمی' ڈاکٹر اسرار احمد کی یادیں اور باتیں' (ہفت روزہ) ندائے خلافت' لاہور' جلد ۱۹' شمارہ ۱۷' ۲۷ اپریل تا ۳ مئی ۲۰۱۰ء' ۱۵۔

(۴) ڈاکٹر اسرار احمد' دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآن حکیم' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' طبع پنجم' ۲۰۰۶ء۔ ۲۰

(۵) ملاقات' ڈاکٹر ابصار احمد۔

(۶) ڈاکٹر اسرار احمد' عزم تنظیم' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' طبع پنجم ۲۰۰۷ء' ۱۸۔

(۷) ملاقات' ڈاکٹر ابصار احمد

(۸) عزم تنظیم' ۳۰

(۹) ملاقات' ڈاکٹر ابصار احمد

(۱۰) انیس احمد' انوار القرآن' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۲۰۰۱' ۷۔

(۱۱) ملاقات' ڈاکٹر ابصار احمد

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ملاقات' محترمہ امۃ المعطی صاحبزادی ڈاکٹر اسرار احمد' ۲ جون ۲۰۱۰ء

(۱۴) ملاقات ڈاکٹر ابصار احمد؛ عزم تنظیم' ۱۱؛ مجیب الرحمٰن شامی' ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اور ان کی خدمات' (ہفت روزہ) ندائے خلافت' لاہور' جلد ۱۹' شمارہ ۱۷' ۲۷ اپریل تا ۳ مئی ۲۰۱۰ء' ۱۹؛ ڈاکٹر اسرار احمد' تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ششم' ۲۰۰۵ء' ص ۳۷؛ خالد نجیب خان' ڈاکٹر اسرار احمد (ہفت روزہ) فیملی میگزین' لاہور' جلد ۲۰' شمارہ ۱۳' ۲۵ اپریل۔ یکم مئی ۲۰۱۰ء' ۹

(۱۵) ڈاکٹر اسرار احمد' اسلام میں عورت کا مقام' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' طبع سیزدہم' ۲۰۰۸ء' ۱۳۲۔

(۱۶) مرزا ایوب بیگ' اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا' (ہفت روزہ) ندائے خلافت'

لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۳

(۱۷) ڈاکٹر اسرار احمد، استحکام پاکستان، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہفتم، ۲۰۰۶ء، ۴۲
(۱۸) ملاقات، محترمہ اَمۃ المعطی
(۱۹) عزم تنظیم، ۱۶
(۲۰) ایضاً، ۱۲
(۲۱) ایضاً، ۱۴
(۲۲) عزم تنظیم، ۱۴
(۲۳) ایضاً، ۱۵
(۲۴) ایضاً
(۲۵) عزم تنظیم، ۱۱
(۲۶) عبدالمجید ساجد، ڈاکٹر اسرار احمد (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۳۵
(۲۷) عزم تنظیم، ۱۶، ۱۷
(۲۸) ایضاً، ۱۷
(۲۹) ایضاً
(۳۰) ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریۂ پاکستان، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۷ء، ۱۸؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر از ڈاکٹر اسرار احمد، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۲ء، ۱۲۹-۱۴۶
(۳۱) محمد علی چراغ، اکابرین تحریک پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ۴۹۳
(۳۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ۴۹۴؛ ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال اور ہم، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ششم، ۱۹۹۷ء، ۶۹، ۷۰
(۳۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: فیروز سنز، اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، طبع چہارم، ۲۰۰۵ء، ۱۶۰؛ علامہ اقبال اور ہم، ۷۱
(۳۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا، ۱۶۰؛ ناعمہ صہیب، تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات، کتاب سرائے، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۹ء، ۳۴۶
(۳۵) اکابرین تحریک پاکستان، ۴۹۷، ۴۹۸
(۳۶) ایضاً، ۵۰۱

(۳۷) علامہ اقبال اور ہم' ۱۲۰
(۳۸) اکابرین تحریک پاکستان' ۵۰۱؛ علامہ اقبال اور ہم' ۷۵
(۳۹) اکابرین تحریک پاکستان' ۵۰۳
(۴۰) سید اسعد گیلانی، اقبال، دار السلام اور مودودی، اسلامی اکادمی، لاہور، ۱۹۷۸ء، ۲۶۱
(۴۱) پروفیسر افتخار احمد، عالمی تحریک اسلامی کے عظیم قائدین سید ابوالاعلیٰ مودودی، ٹو دی پوائنٹ پبلشرز، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۱ء، ۲۹
(۴۲) سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، طبع ہشتم، ۲۰۰۵ء، ۱۰۶/۱
(۴۳) شعبہ تنظیم جماعت اسلامی، روداد جماعت اسلامی، شعبہ نشر و اشاعت منصورہ، لاہور، طبع سی و پنجم، ۲۰۰۸ء، ۳/۱
(۴۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: روداد جماعت اسلامی' ۱/۱۳؛ چوہدری عبدالرحمٰن' مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۸۸ء' ۱۴۷' ۱۴۸
(۴۵) روداد جماعت اسلامی' ۱/۱۱؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی' جماعت اسلامی کا مقصد۔ تاریخ اور لائحہ عمل' دارالاشاعت اسلامی' لاہور' ۱۹۹۲ء' بست و دوم' ۳۵
(۴۶) شعبہ تنظیم جماعت اسلامی' دستور جماعت اسلامی' جماعت اسلامی پاکستان منصورہ' لاہور' طبع سی و پنجم' ۲۰۰۸ء' ۱۴
(۴۷) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱/۱۰۷
(۴۸) خورشید احمد ندیم، اسلام اور پاکستان، ادارہ علم و تحقیق، المورد، لاہور، ۱۹۹۵ء، ۸۰
(۴۹) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱/۱۰۷؛ فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا، ۱۳۶۷
(۵۰) سیدہ حمیرا مودودی، ہمارے والدین شجر ہائے سایہ دار، (ماہنامہ) ترجمان القرآن، لاہور، جلد ۱۳۱، شمارہ ۵، مئی ۲۰۰۴ء، ۶۹
(۵۱) احمد حسین کمال' مولانا آزاد نے پاکستان کے بارے میں کیا کہا' حبیب پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۹۶ء' ۴۵؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱/۴۳
(۵۲) ڈاکٹر محمد ضیا الدین انصاری' مولانا آزاد' سرسید اور علی گڑھ' انجمن ترقی اردو ہند' نئی دہلی' ۲۰۰۲ء' ۲۴
(۵۳) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱/۴۳
(۵۴) مولانا آزاد نے پاکستان کے بارے میں کیا کہا؟ ۳۴

(۵۵) سید قاسم محمود، انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۴ء، ۴۷
(۵۶) محمد فاروق قریشی، مولانا ابو الکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۷ء، ۳۹
(۵۷) اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ۱/۱۷
(۵۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، ۵۴، ۵۵
(۵۹) اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۱/۱۷
(۶۰) مولانا آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، ۶۲
(۶۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا، ۲۹؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۱/۱۷
(۶۲) انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، ۵۷
(۶۳) محمد ہارون عثمانی، مولانا امین احسن اصلاحی کی نثری خدمات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ۱۵
(۶۴) ایضاً، ۱۶
(۶۵) ایضاً، ۱۶؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱/۳/۲۷
(۶۶) مولانا امین احسن اصلاحی کی نثری خدمات، ۱۷
(۶۷) ایضاً، ۱۷؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱/۳/۲۷
(۶۸) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱/۳/۲۷
(۶۹) اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۱/۱۳۴؛ مولانا امین احسن اصلاحی کی نثری خدمات، ۱۸، ۱۹
(۷۰) امین احسن اصلاحی کی نثری خدمات، ۱۹
(۷۱) ایضاً
(۷۲) ڈاکٹر اسرار احمد، تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب نقش غزل، مرکزی انجمن خدام القرآن، طبع چہارم، ۲۰۰۹ء، ۱۸۸
(۷۳) مولانا امین احسن اصلاحی کی نثری خدمات، ۲۰
(۷۴) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱/۳/۲۷
(۷۵) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱/۳/۲۷؛ مولانا امین احسن اصلاحی کی نثری خدمات، ۲۱؛ فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا، ۱۴۴؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۱/۱۳۴
(۷۶) فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا، ۶۲۸؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۲/۱۰۶۷
(۷۷) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۲/۱۲۴۶

(۷۸) ایضاً

(۷۹) فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا، ۶۲۸

(۸۰) ایضاً

(۸۱) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱۳۴۷/۲

(۸۲) فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا، ۶۲۸

(۸۳) حافظ فیوض الرحمٰن' مشاہیر علماء دیو بند' المکتبۃ العزیزیہ' لاہور ۱۹۷۶ء' ۵۶۶/۱؛ اکابرین تحریک پاکستان' ۲۸۱

(۸۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱۴۶۰/۲؛ اکابرین تحریک پاکستان' ۲۸۱' ۲۸۲؛ سید اصغر حسین' حیات شیخ الہند' دار الکتب اصغریہ دیو بند' ضلع سہارن پور' س۔ن' ۱۱

(۸۵) اردو جامع انسائیکلو پیڈیا' ۱۵۱۳/۲

(۸۶) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱۴۶۰/۲

(۸۷) تفصیل کے لیے دیکھئے: اکابرین تحریک پاکستان، ۲۸۶؛ مشاہیر علماء دیو بند، ۵۶۶/۱

(۸۸) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱۴۶۰/۲؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۱۵۱۳/۲

(۸۹) حیات شیخ الہند، ۸۲؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱۴۶۱/۲

(۹۰) اکابرین تحریک پاکستان' ۲۸۵

(۹۱) حیات شیخ الہند' ۱۲۱؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱۴۶۱/۲

(۹۲) اکابرین تحریک پاکستان' ۲۸۶

(۹۳) حیات شیخ الہند' ۱۳۵

(۹۴) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱۴۶۱/۲

(۹۵) ایضاً

(۹۶) اکابرین تحریک پاکستان' ۵۹۸؛ مشاہیر علماء دیو بند' ۲۰۹/۱؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا' ۸۴۰/۱

(۹۷) مشاہیر علماء دیو بند، ۲۱۰/۱

(۹۸) اکابرین تحریک پاکستان، ۵۹۸، ۵۹۹؛ انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، ۵۹۴

(۹۹) اکابرین تحریک پاکستان، ۵۹۹؛ مشاہیر علماء، ۲۱۰

(۱۰۰) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱۰۶۴/۲

(۱۰۱) اردو جامع انسائیکلو پیڈیا' ۸۴۰/۱؛ اکابرین تحریک پاکستان' ۶۰۰

(۱۰۲) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' ۱۰۶۴/۲؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا' ۸۴۰/۱

(۱۰۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا' ۲/۱۰۶۴؛ اکابرین تحریک پاکستان'
۶۰۳-۶۰۵

(۱۰۴) مشاہیر علماء دیوبند، ۱/۲۱۲

(۱۰۵) شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ۲/۱۰۶۴؛ اکابرین تحریک پاکستان، ۵۹۸

(۱۰۶) Dr. Rafi ud Din, Ideology of the Future, Dr. Rafi ud Din Foundation,

(۱۰۷) Ibid

(۱۰۸) Ibid

(۱۰۹) اسرار احمد' ڈاکٹر' تنظیم اسلامی کی دعوت' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ششم ۲۰۰۹ء' ۶؛ عزم تنظیم' ۱۸؛ ملاقات' ڈاکٹر ابصار احمد

(۱۱۰) عزم تنظیم' ۱۹' ۲۳؛ اسلام میں عورت کا مقام' ۱۳۳

(۱۱۱) ملاقات، ڈاکٹر ابصار احمد؛ انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد حالات زندگی اور خدمات دینی، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۸۱

(۱۱۲) ڈاکٹر اسرار احمد، حساب کم وبیش اور گزارش احوال واقعی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۵ء، ۸

(۱۱۳) عزم تنظیم، ۲۸

(۱۱۴) ملاقات، بیگم ڈاکٹر اسرار احمد، ۲ جون ۲۰۱۰ء

(۱۱۵) حساب کم وبیش......، ۹

(۱۱۶) عزم تنظیم، ۲۹، ۳۰

(۱۱۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: حساب کم وبیش......، ۳۰-۳۸

(۱۱۸) عزم تنظیم، ۴۲؛ حساب کم وبیش......، ۴۰

(۱۱۹) عزم تنظیم، ۴۳

(۱۲۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۱۶۰-۱۷۰

(۱۱۶) عزم تنظیم، ۲۹، ۳۰

(۱۱۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: حساب کم وبیش......، ۳۰-۳۸

(۱۱۸) عزم تنظیم، ۴۲؛ حساب کم وبیش......، ۴۰

(۱۱۹) عزم تنظیم، ۴۳

(۱۲۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۱۶۰-۱۷۰

(۱۲۱) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۳

(۱۲۲) تنظیم اسلامی کی دعوت، ۷

(۱۲۳) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۳، ۲۰۸

(۱۲۴) ایضاً، ۲۴۴

(۱۲۵) تنظیم اسلامی کی دعوت، ۹

(۱۲۶) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۳

(۱۲۷) انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد حالاتِ زندگی اور خدماتِ دینی، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۸۸-۹۰

(۱۲۸) ملاقات، محترمہ امۃ المعطی، ۱۹ جون ۲۰۱۰ء

(۱۲۹) ایضاً

(۱۳۰) مرکز تعلیم و تحقیق، وفات محترم بانی تنظیم، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۷۷؛ وسیم احمد، ڈاکٹر اسرار احمد کا سفر آخرت (ہفت وزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۸؛ روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۵ اپریل ۲۰۱۰ء، ۱

(۱۳۱) ملاقات، بیگم ڈاکٹر اسرار احمد، ۱۹ جون ۲۰۱۰ء

(۱۳۲) وسیم احمد، ڈاکٹر اسرار احمد کا سفر آخرت، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۸

(۱۳۳) روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۵ اپریل ۲۰۱۰ء، ۱

(۱۳۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: اہل علم و دانش، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۳۷-۴۰

(۱۳۵) پروفیسر نثار احمد ملک، ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت، فکر اور تحریک، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۱۰

(۱۳۶) محمد عطاء اللہ صدیقی، اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا، (ماہنامہ) محدث، لاہور، جلد ۴۲، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۷۹

(۱۳۷) پروفیسر محمد یونس جنجوعہ' ڈاکٹر اسرار احمد پیکر صدق و وفا (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۵۹' شمارہ ۵' مئی ۲۰۱۰ء' ۸' ۱۲۳

(۱۳۸) محمد اسلم شیخوپوری' اک ڈاکٹر نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا' (ہفت روزہ) ندائے خلافت'

لاہور، جلد ۲۰، شمارہ ۱۸، ۴۔۱۰ مئی ۲۰۱۰ء، ۱۲

(۱۳۹) حافظ محمد زبیر، خادم قرآن: کچھ یادیں، کچھ باتیں، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۴۸

(۱۴۰) پروفیسر محمد یونس جنجوعہ، ڈاکٹر اسرار احمد: پیکر صدق و وفا، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۲۵

(۱۴۱) ملاقات، بیگم ڈاکٹر اسرار احمد، ۱۹ جون ۲۰۱۰ء

(۱۴۲) پروفیسر نثار احمد ملک، ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت، فکر اور تحریک، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۱۱

(۱۴۳) ملاقات، بیگم ڈاکٹر اسرار احمد، ۲۹ جون ۲۰۱۰ء

(۱۴۴) پروفیسر نثار احمد ملک، ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت، فکر اور تحریک، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۱۱

(۱۴۵) حافظ محمد ادریس، قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، موئی ۲۰۱۰ء، ۱۰۴

(۱۴۶) محمد عطاء اللہ صدیقی، اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا، (ماہنامہ) محدث، لاہور، جلد ۴۲، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۳۷؛ محمد عطاء اللہ صدیقی، اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا، روزنامہ پاکستان، لاہور، ۲ مئی ۲۰۱۰ء

(۱۴۷) ملاقات خاشعہ عارف، پوتی ڈاکٹر اسرار احمد، ۲۱ جون ۲۰۱۰ء

(۱۴۸) پروفیسر نثار احمد ملک، ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت، فکر اور تحریک، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۱۴، ۱۱۵

(۱۴۹) حافظ محمد زبیر، خادم قرآن: کچھ یادیں کچھ باتیں، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۴۸

(۱۵۰) پروفیسر محمد یونس جنجوعہ، ڈاکٹر اسرار احمد پیکر صدق و وفا، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۲۵

(۱۵۱) محمد اسلم شیخوپوری، اک ڈاکٹر نے ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۲۰، شمارہ ۱۸، ۴-۱۰ مئی ۲۰۱۰ء، ۱۲

(۱۵۲) انجینئر نوید احمد، ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی، ۲۴

(۱۵۴) پروفیسر خورشید احمد، اسرار بھائی.....رفتید ولے نہ از دل ما، (ماہنامہ) ترجمان القرآن، لاہور، جلد ۱۳۷، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۹۱

(۱۵۵) عرفان صدیقی، ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور، روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۶ اپریل، ۲۰۱۰ء

(۱۵۶) مبشر لقمان، ڈاکٹر اسرار احمد: ۲۱ ویں صدی کا ستون، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل -۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۲۶، ۲۷؛ روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۱۸ اپریل ۲۰۱۰ء؛ غازی محمد وقاص (مرتب)، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں، صفہ پبلشرز، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۱۰ء، ۳۹

(۱۵۷) اظہار احمد خان، ڈاکٹر اسرار احمد، عجیب آزاد مرد تھا، روزنامہ اسلام، لاہور، ۲۱ اپریل ۲۰۱۰ء؛ ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں، ۶۸، ۶۹

(۱۵۸) محمد عطاء اللہ صدیقی، اک اور شاہ بلوط ٹوٹ گرا، (ماہنامہ) محدث، لاہور، جلد ۴۲، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۷۹

(۱۵۹) حافظ محمد زبیر، خادم قرآن کچھ یادیں کچھ باتیں، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۴۶

(۱۶۰) ملاقات، راضیہ عاکف بہو ڈاکٹر اسرار احمد، ۱۹ جون ۲۰۱۰ء

(۱۶۱) ملاقات، مومنہ عاطف پوتی ڈاکٹر اسرار احمد، ۲۱ جون ۲۰۱۰ء

(۱۶۲) ملاقات، خاشعہ عارف پوتی ڈاکٹر اسرار احمد، ۲۱ جون ۲۰۱۰ء

(۱۶۳) پروفیسر خورشید احمد' اسرار بھائی..... رفتید ولے نہ از دل ما' (ماہنامہ) ترجمان القرآن' لاہور' جلد ۱۳۷' شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۹۲؛ ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں، ۱۵۴

(۱۶۴) مشاہیر علماء دیوبند، ۱/ ۶۳۵؛ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ۱/ ۴۲۴

(۱۶۵) ایضاً، ۱/ ۶۳۵؛ ایضاً، ۱/ ۴۲۴

(۱۶۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۱/ ۲۶۴؛ مشاہیر علماء دیو بند، ۱/ ۶۳۵-۶۳۷

(۱۶۷) مشاہیر علماء دیوبند، ۱/ ۶۳۶

(۱۶۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد، جماعتِ شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع چہارم، ۱۹۹۸ء، ۵۰۵-۵۰۸

(۱۶۹) شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ۱/ ۴۲۵

(۱۷۰) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۲/ ۱۵۰۳؛ عبداللطیف عثمانی، مولانا مالک کاندھلویؒ کی علمی

خدمات، مقالہ ایم فل، شیخ زائد اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۷

(۱۷۱) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱۴۵۳/۲؛ مولانا مالک کاندھلوی کی علمی خدمات، ۷

(۱۷۲) انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، ۸۵۱؛ مولانا مالک کاندھلوی کی علمی خدمات، ۱۰

(۱۷۳) انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا، ۸۵۱؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۱۵۰۳/۲

(۱۷۴) مولانا مالک کاندھلوی کی علمی خدمات، ۱۵

(۱۷۵) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱۴۵۴/۲

(۱۷۶) مولانا مالک کاندھلوی کی علمی خدمات، ۱۸

(۱۷۷) ملاقات، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی (ایسوسی ایٹ پروفیسر) شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، اگست ۲۰۱۰ء

(۱۷۸) ایضاً؛ روزنامہ جنگ، کراچی، ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء

(۱۷۹) مولانا اصلاحی کے حالات کے بارے میں دیکھیے: مقالہ ہذا باب اول، فصل اول

(۱۸۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۱۳۸، ۱۳۹

(۱۸۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ۱۴۰-۱۴۲

(۱۸۲) ڈاکٹر اسرار احمد، تعارف تنظیم اسلامی پس منظر اور اساسی نظریات، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع نہم، ۲۰۰۹ء، ۹

(۱۸۳) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۱۴۵

(۱۸۴) مشاہیر علماء دیوبند، ۱۲۵/۱؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۸۱۱/۱

(۱۸۵) اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۵۳۴/۱

(۱۸۶) ایضاً، ۵۳۴/۱؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۸۱۱/۱

(۱۸۷) اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۵۳۴/۱؛ مشاہیر علماء دیوبند، ۱۲۵/۱، ۱۲۶

(۱۸۸) شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۸۱۱/۱؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۵۳۴/۱

(۱۸۹) مشاہیر علماء دیو بند، ۱۲۶/۱؛ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۸۱۱/۱؛ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ۵۳۴/۱

(۱۹۰) جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ۵۰۰

(۱۹۱) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۱۳۴

(۱۹۲) اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن انڈیا میں قائم ہونے والی ایک تنظیم ہے اس کے صدر ڈاکٹر ذاکر نائیک ہیں۔ یہ اسلامی دعوت کو عام کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔ یہ تنظیم ہے تو بھارت

میں لیکن اس کی دعوت بین الاقوامی سطح پر ہو رہی ہے۔

(۱۹۳) ڈاکٹر عبدالکریم ذاکر نائیک، اسلام پر ۴۰ اعتراضات کے عقلی و نقلی جوابات، محمد رضار ذوالقرنین (مترجم)، دارالسلام، پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ۳۲

(۱۹۴) ایضاً، ۳۲؛ ڈاکٹر عبدالکریم ذاکر نائیک، خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک، سید ریحان شاہ (مترجم)، دعا پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن، ۵۸

(۱۹۵) اسلام پر اعتراضات کے عقلی و نقلی جوابات، ۳۲

(۱۹۶) خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک، ۵۹

(۱۹۷) وسیم احمد، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ، ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۱۳

(۱۹۸) Excerpt From Some Selected Letters/ E-mails، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۴۳، Dr. Israr shall be long remembered for his interpretation of the true

(۱۹۹) وسیم احمد، ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ، ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۱۲، ۱۳

(۲۰۰) ایضاً، ۱۲

(۲۰۱) Excerpt From Some Selected Letters/ E-mails، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۴۳

(۲۰۲) عطاء الرحمٰن، آہ ڈاکٹر اسرار احمد، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۶ اپریل ۲۰۱۰ء، ۱۱

(۲۰۳) مرکز تعلیم و تحقیق، وفات محترم بانی تنظیم......(ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۸۷؛ شاہ نواز فاروقی، ڈاکٹر اسرار احمد کی موت کا نقصان، روزنامہ جسارت، لاہور، ۲۴ اپریل ۲۰۱۰ء

(۲۰۴) قاری محمد اسلم غازی، فہم قرآن کی روشنی تھا وہ، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱۹، شمارہ ۱۷، ۲۷ اپریل-۳ مئی ۲۰۱۰ء، ۴۲

(۲۰۵) (ہفت روزہ) گواہ حیدر آباد دکن بحوالہ مرکز تعلیم و تحقیق، وفات محترم بانی تنظیم......(ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۱۸۵

حواشی فصل دوم

(۱) اکبر علی، پاکستان جدید دور کے تقاضے، تخلیقات مزنگ روڈ، لاہور، ۲۰۰۰ء، ۱۷۴، ۱۷۵

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع پنجم، ۱۹۹۶ء، ۳۰

(۳) ایضاً، ۲۵

(۴) ڈاکٹر اسرار احمد، بصائر منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۶ء، ۱۲۶

(۵) استحکام پاکستان، ۱۷۴

(۶) استحکام پاکستان، ۵۴، ۵۵

(۷) ڈاکٹر اسرار احمد، پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۶ء، ۲۸

(۸) پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، ۳۶، ۳۷

(۹) ڈاکٹر اسرار احمد، قرار داد مقاصد اور دستور پاکستان، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۴، اپریل، ۲۰۱۰ء، ۶

(۱۰) بصائر منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، ۱۵

(۱۱) اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی و ثقافتی پس منظر، ۴۱

(۱۲) ڈاکٹر اسرار احمد، جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع چہارم، ۲۰۰۶ء، ۲۹

(۱۳) بصائر منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، ۱۰۳

(۱۴) ایضاً، ۱۴، ۱۵

(۱۵) استحکام پاکستان، ۱۷۵

(۱۶) بصائر منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، ۳۳

(۱۷) استحکام پاکستان، ۱۷۵

(۱۸) استحکام پاکستان، ۳۱

(۱۹) ڈاکٹر اسرار احمد، ابلیس کی مجلس شوریٰ کا مطالعہ، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۴، شمارہ ۴، اپریل ۲۰۰۸ء، ۹۴، ۹۵

(۲۰) پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر، ۸

(۲۱) استحکام پاکستان،۱۷۴

(۲۲) ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے خاتمے کی صورت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۱ء، ۲۸-۲۲

(۲۳) استحکام پاکستان، ۱۰۹، ۱۱۰

(۲۴) استحکام پاکستان، ۱۱۰، ۱۱۱

(۲۵) استحکام پاکستان، ۱۷۵؛ چراغ ۱۳۹-۱۵۵؛ سید حسن ریاض، پاکستان ناگزیر تھا، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی، طبع پنجم، ۱۹۸۷ء، ۲۲-۴۱

(۲۶) محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۱۳

(۲۷) حمید رضا صدیقی، نظریۂ پاکستان پس منظر و پیش منظر، کاروان ادب، لاہور، ۱۹۸۹ء، ۱۲

(۲۸) تفصیل کے لیے دیکھئے: مفتاح الدین ظفر، تاریخ پاکستان، عزیز پبلشرز، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۲ء، ۲۹-۴۶؛ تاریخ پاکستان از محمد علی

(۲۹) منٹو مارلے اصلاحات (۱۹۰۹ء) کی رو سے جداگانہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا' اس سے مسلمانوں کو جو معمولی سا فائدہ پہنچا اس پر کانگریس اور ہندوؤں کی متعصبانہ روش سے یہ اصلاحات زیادہ دیر تک نہ چل سکیں اور ملک میں افراتفری کی فضا پیدا ہوگئی، (تاریخ اسلام از محمد علی چراغ، ۱۸۸)؛ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہندوؤں اور کانگریس کے شدید دباؤ پر برطانوی بادشاہ جارج پنجم کا تنسیخ تقسیم بنگال کا اعلان، ۱۹۱۱ء میں جنگ طرابلس وبلقان میں برطانیہ کی بالواسطہ یا بلاواسطہ شمولیت، (محمد علی چراغ، پاکستان منزل بہ منزل ۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ۴۲، ۴۳)؛ یکم جولائی ۱۹۱۳ء کو کانپور کے عمال حکومت کا مسجد کے ایک حصہ کو منہدم کر کے سڑک تعمیر کرنا اور اگست ۱۹۱۳ء میں مسلمانوں کے احتجاجی جلوس پر گولی چلانے سے مسلمانوں کی شہادت کا واقعہ، (تاریخ پاکستان از محمد علی چراغ، ۲۰)

(۳۰) پاکستان ناگزیر تھا، ۶۳

(۳۱) احمد سعید، حصول پاکستان، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۱۹۸۹ء، ۱۰۳

(۳۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: پروفیسر سید محمد سلیم، تاریخ نظریۂ پاکستان، ادارہ تعلیمی وتحقیق، لاہور، طبع سوم، ۱۹۹۶ء، ۱۶۳؛ ڈاکٹر محمد عارف، تحریک پاکستان، پروگریسو پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ۸۸، ۹۲، ۱۰۱؛ پاکستان ناگزیر تھا، ۶۹-۷۳

(۳۳) اس ایکٹ کے تحت جرم ثابت کرنا پولیس کی ذمہ داری نہیں بلکہ ملزم کا فرض ہے کہ وہ اپنی

صفائی ثابت کرے۔ فیصلے کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی، حصول پاکستان، ۱۱۱؛ تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۶۴

(۳۴) ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ میں امرتسر جنرل ڈائر کی فائرنگ سے نہتے ۳۷۹ افراد ہلاک اور ۱۲۰۰ سے زائد زخمی ہوئے، تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ پاکستان از محمد علی چراغ، ۲۲۱-۲۲۶؛ تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۶۴

(۳۵) تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۶۸، ۱۶۹

(۳۶) تفصیل کے لیے دیکھئے: پاکستان ناگزیر تھا، ۱۰۰-۱۲۸؛ تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۶۹-۱۷۳؛ تاریخ پاکستان از محمد علی چراغ، ۲۲۸-۲۳۱

(۳۷) تفصیل کے لیے دیکھئے: حصول پاکستان، ۱۲۲، ۱۲۳؛ تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۷۶، ۱۷۷

(۳۸) تفصیل کے لیے دیکھئے ایضاً، ۱۲۴، ۱۲۵؛ تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۷۳-۱۷۶؛ پاکستان ناگزیر تھا، ۱۰۳؛ پاکستان منزل بہ منزل، ۷۴

(۳۹) تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۷۸، ۱۷۹

(۴۰) سنگٹھن تحریک ہندوؤں کے آپس میں گٹھ جوڑ اور اتحاد کی تحریک تھی، تاریخ پاکستان از محمد علی چراغ، ۲۳۴؛ تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۸۶

(۴۱) اس تحریک کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا، پاکستان منزل بہ منزل، ۷۸

(۴۲) تاریخ نظریۂ پاکستان، ۱۹۹، ۲۰۰

(۴۳) اقتدار کے نشے میں تمام سرکاری عمارتوں پر ترنگا لہرا دیا، بندے ماترم کا ترانہ تمام سکولوں میں لازمی قرار دے دیا۔ سرکاری طور پر مسلمانوں کو گائے کے ذبح کرنے پر پابندی عائد کر دی اور تعلیمی اداروں اور دیگر دفاتر میں گاندھی کی تصاویر اور اقوال آویزاں کیے جانے لگے، تاریخ پاکستان از محمد علی چراغ، ۲۷۸

(۴۴) پاکستان، منزل بہ منزل، ۱۰۷

(۴۵) تاریخ نظریۂ پاکستان، ۲۱۱، ۲۱۲

(۴۶) ایضاً، ۲۱۱؛ فائق کامران، تحریک پاکستان، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، س۔ن، ۲۱۲

(۴۷) حصول پاکستان، ۱۸۰، ۱۸۱؛ تحریک پاکستان از فائق کامران، ۲۱۳؛ تاریخ نظریۂ پاکستان، ۲۱۱

(۴۸) تحریک پاکستان از ڈاکٹر محمد عارف، ۱۹۹، ۲۰۰

(۴۹) تفصیل کے لیے دیکھئے: پاکستان منزل بہ منزل، ۱۲۵-۱۲۹؛ تاریخ پاکستان از محمد علی چراغ، ۲۹۲-۲۹۶؛ پاکستان ناگزیر تھا، ۲۵۵، ۲۵۶

(۷۱) دستور جماعت اسلامی،۱۵

(۷۲) سید ابو الاعلیٰ مودودی، تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، طبع سی، ۲۰۰۶ء، ۴۰؛ تاریخ دعوت و جہاد، ۳۶۰

(۷۳) ایضاً، ۴۱، ۳۶۰، ۳۶۱؛ ایضاً، ۳۶۰، ۳۶۱

(۷۴) تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، ۴۲؛ تاریخ دعوت و جہاد، ۳۶۱، ۳۶۲

(۷۵) ایضاً، ۴۳؛ ایضاً، ۳۶۲

(۷۶) روداد جماعت سلامی، ۱/۱۱، ۱۹

(۷۷) تفصیل کے لیے دیکھئے: دستور جماعت اسلامی، ۲۳، ۲۵، ۲۷

(۷۸) تفصیل کے لیے دیکھئے: روداد جماعت اسلامی، ۱/۳۰، ۳۱

(۷۹) تفصیل کے لیے دیکھئے: روداد جماعت اسلامی، ۱/۳۱، ۳۲

(۸۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: ایضاً، ۱/۳۲، ۳۳

(۸۱) ایضاً، ۱/۳۵

(۸۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، ۱۰۸-۱۵۳

(۸۳) اسلام اور پاکستان، ۷۸

(۸۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: حساب کم وبیش......، ۲۰

(۸۵) عزمِ تنظیم، ۱۵، ۱۶؛ تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، ۳۷، ۳۸

(۸۶) عزمِ تنظیم، ۱۷

(۸۷) تنظیم اسلامی کی دعوت، ۶

(۸۸) تفصیل کے لیے دیکھئے: عزمِ تنظیم، ۱۸، ۱۹

(۸۹) تحریک جماعت اسلامی —— ایک تحقیقی مطالعہ، ۳۸

(۹۰) ایضاً، ۳۹، ۴۰

(۹۱) ایضاً، ۴۰؛ عزمِ تنظیم، ۱۹

(۹۲) تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، ۴۱

(۹۳) عزمِ تنظیم، ۱۹

(۹۴) تحریک جماعت اسلامی —— ایک تحقیقی مطالعہ، ۴۳؛ تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب، ۱۶۶

(۹۵) تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب، ۱۶۶، ۱۶۷

(۹۶) تحریک جماعت اسلامی۔ایک تحقیقی مطالعہ،۴۴،۴۵
(۹۷) تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب،۱۵۷
(۹۸) ایضاً،۱٦۷
(۹۹) تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب،۹۱، ۱۱۲؛ عزم تنظیم،۲۵
(۱۰۰) عزمِ تنظیم،۲٦

باب دوم

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی، تبلیغی اور تنظیمی خدمات

فصل اوّل :

دعوتی و تبلیغی خدمات کے ذرائع اور طریق کار

ڈاکٹر صاحب کی عملی زندگی کا بیشتر حصہ دعوت رجوع إلی القرآن' غلبہ اقامت دین اور اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل دین ہے' کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں بسر ہوا۔ یہ دینی فکر آپ کی تحریر' تقریر اور کردار میں بھی نمایاں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذہنی' فکری اور دعوتی تگ و دو کے بنیادی طور پر چار موضوعات رہے:

(۱) فرائض دینی کا جامع تصور

(۲) اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی اور اس کے نمایاں خدوخال

(۳) منہج انقلابِ نبوی ﷺ

(۴) حقیقتِ ایمان

یہی موضوعات ہیں جنہیں آپ نے قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں عام کرنے کے لیے مختلف ذرائع و طریق کار اختیار کیے۔ ڈاکٹر صاحب نے دعوتِ دین کی تشہیر کے لیے کون کون سے متفرق ذرائع وطریق کار اختیار کیے' ذیل میں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

(۱) دروسِ قرآن

دعوت و تبلیغ اور قرآنی خدمات کے ضمن میں اولیت ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن کو حاصل ہے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ نے یہ خدمت سرانجام دینی شروع کر دی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> ''جمعیت کے اجتماعات میں بھی درسِ قرآن کی ذمہ داری اکثر و بیشتر مجھ پر رہتی تھی اور تعطیلات کے زمانے میں جب میں گھر آتا تھا تو جماعت اسلامی کے اجتماعات میں بھی درس قرآن کی فرمائش مجھ ہی سے کی جاتی۔''(۱)

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۵۴ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ساہیوال کے گردونواح کے علاقوں میں حلقہ ہائے درس قائم کیے۔ ۱۹۶۵ء سے آپ نے لاہور مستقل تشریف لانے کے بعد باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دروسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا' آپ لکھتے ہیں:

''۱۹۶۵ء ہی کے وسط میں راقم الحروف غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کے پختہ ارادے اور تعلیم و تعلم قرآن کی منظم منصوبہ بندی کے عزم مصمم کے ساتھ دوبارہ وارد لاہور ہوا۔ چنانچہ وہ دن اور آج کا دن یہی دو کام میری زندگی کا مرکز و محور رہے ہیں۔ ان پچپن سالوں کے دوران الحمد للہ...... میرے اوقات اور میری صلاحیتوں کا اکثر و بیشتر حصہ اصلاً غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد اور عملاً تعلیم و تعلم قرآن کی مساعی میں صرف ہوا...... راقم ہمہ وقت' ہمہ وجوہ ان ہی مقاصد عظیمہ کے لیے وقف رہا اور ناگزیر استراحت اور ضروری علائق و حوائج دنیوی کے سوا راقم کے وقت کا کوئی لحہ اور اس کی صلاحیت اور توانائی کا کوئی شمہ حصولِ دُنیا یا تلاشِ معاش کی مساعی میں صرف نہیں ہوا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة!!'' (۲)

چنانچہ آپ نے لاہور میں متعدد مقامات کرشن نگر' مسجد خضراء سمن آباد' مسجد شہداء' مسجد دارالسلام اور لاہور کے مختلف علاقوں اور بڑے بڑے تعلیمی مراکز میں ہفتہ وار اور پندرہ روزہ اجتماعات کیے جس میں آپ نے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دروس کے علاوہ قرآن مجید کے سلسلہ وار دروس کا آغاز بھی کیا۔ ان دروس کی مقبولیت عامہ کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ان میں سامعین کی تعداد کئی سو تک ہوتی۔ (۳)

ڈاکٹر صاحب کے ان دروس کا سلسلہ لاہور اور اس کے مضافات تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ دوسرے بڑے شہروں میں بھی ماہانہ دروس قرآن کی محافل منعقد ہونے لگیں اور ان دروس کی ادائیگی کے لیے آپ کی مشقت کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ ۱۹۷۱ء میں آپ نے ریل گاڑی کی تھرڈ کلاس میں ہر ماہ کراچی کا سفر کیا اور اس سفر کے دوران آتے اور جاتے ہوئے مختلف شہروں میں بھی خطاباتِ عام اور مجالس درس کا اہتمام کرتے رہے۔ (۴)

ڈاکٹر صاحب نے ان دروس کے ذریعے اپنی دعوت ہر خاص و عام کو پہنچائی۔ ان میں اربابِ اقتدار' علماء کرام اور عوام سب شامل تھے۔ آپ کے دروس قرآن کے سامعین کی بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ آپ خود لکھتے ہیں:

''میرے مخاطبین یہی لوگ ہیں۔ اگر سوسائٹی کا یہ طبقہ تبدیل ہو جائے تو یہ تبدیلی خود بخود اعلیٰ سطح تک پہنچے گی کیونکہ یہی لوگ معاشرے کا رجحان بنانے اور بگاڑنے والے ہوتے ہیں اور عام لوگ انہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔''(۵)

یہی وجہ ہے کہ آج ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کے سامع اور آپ کے شاگرد مختلف

زبانوں اور مختلف علاقوں میں دروس قرآن کا اہتمام کر رہے ہیں۔

(۲) خطباتِ جمعہ

عوام کو قرآنی تعلیمات کی جانب موڑنے اور ان کی ذہنی اور فکری تطہیر میں جمعۃ المبارک کے خطبات کی بہت اہمیت ہے۔ اسی غرض سے ڈاکٹر صاحب نے ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہانہ دروس کے علاوہ جمعۃ المبارک کے خطاب کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی اور ان خطبات جمعہ کا آغاز ۱۹۶۸ء میں مسجد خضراء سمن آباد سے ہوا۔ ان خطباتِ جمعہ میں دروس قرآن کے علاوہ ملک وملت کو درپیش مسائل اور ان کے صحیح حل کی نشاندہی بھی کی جاتی۔ ان خطبات جمعہ کا دورانیہ دو ڈھائی گھنٹے پر محیط ہوتا اور باذوق سامعین کی تعداد دو ڈھائی ہزار کے قریب بھی ہو جاتی۔ (۶)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی علمی، فکری اور تبلیغی فکر کو عام کرنے کے لیے ملکی اور غیر ملکی سطح پر کئی دورے کیے۔ جب کبھی کہیں سے دین حق کو عام کرنے کی دعوت آئی تو نہ فاصلوں کی مشکلات و صعوبتوں کو دیکھا، نہ بیماری اور پیرانہ سالی کو عذر بنایا۔ بلکہ اللہ کے پیغام کو پورے جذبہ وخلوص کے ساتھ پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ الغرض آپ نے غیر ملکی سطح پر امریکہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، انگلینڈ، آسٹریلیا وغیرہ کے کامیاب دورے کیے۔ (۷)

(۳) کانفرنسز کا انعقاد

☆ قرآن کانفرنس: ڈاکٹر صاحب کی دعوتی خدمات میں ''قرآن کانفرنسوں'' کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ان کانفرنسوں نے قرآنِ حکیم کے علوم ومعارف کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

ان کانفرنسوں کا آغاز ۱۹۷۳ء میں ہوا جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء اور اہل فکر کو مدعو کیا جاتا۔ ان علماء کرام میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا حافظ محمد گوندلویؒ، مولانا محمد حنیف ندویؒ، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، مولانا سید ابوبکر غزنویؒ، مولانا سید حامد میاںؒ، یوسف سلیم چشتیؒ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھارت سے بھی جید علماء کرام جیسے مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا عبدالکریم پاریکھؒ اور مولانا وحید الدین خانؒ وغیرہم کو بھی مدعو کیا جاتا رہا۔ ہر کانفرنس کا ایک خاص موضوع ہوتا، جس پر مقالے بھی پڑھے جاتے اور تقاریر بھی کی جاتیں۔ ۱۹۷۳ء سے مسلسل سات سال قرآن کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران کل آٹھ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ (۸)

☆ محاضراتِ قرآنی: ڈاکٹر صاحب کی ایک خالص علمی و دینی خدمت محاضرات قرآنی کا انعقاد بھی تھا جس کے ذریعے علمائے دین کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملتا اور باہم سوالات وجوابات کی صورت میں نادر علمی افکار سے آگاہی حاصل ہوتی۔

قرآن کانفرنس کی بجائے ۱۹۸۱ء سے محاضرات قرآنی کا آغاز ہوا اور یہ محاضرات لاہور کے علاوہ کراچی میں بھی منعقد ہوئے۔ ان محاضرات میں ڈاکٹر صاحب نے یہ انداز اپنایا کہ کسی موضوع پر ایک مختصر تحریر مرتب کرنے کے بعد اسے متعدد علماء کی خدمت میں تصویب وتصحیح کے لیے ارسال فرما کر' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور تنظیم اسلامی کے مشترکہ اجتماع میں خطاب فرمانے کی دعوت دیتے جس کی بنا پر علماء کرام کو اپنے خیالات کا بھرپور اور بلا جھجک اظہار کا موقع ملتا۔ ان محاضرات قرآنی میں ایک انداز آپ نے یہ بھی اپنایا کہ آپ ایک موضوع کو منتخب کر کے اس پر متعدد قرآنی لیکچر دیتے اور ہر لیکچر کے بعد اہل فکر و دانش کا ایک پینل اس علمی موضوع سے متعلق سوالات کرتا اور یہ پینل مختلف مکاتب فکر کے جید علماء' جدید فکر کے حامل اہل فکر' وکلاء اور صحافیوں پر مشتمل ہوتا۔ اس طرح آپ نے مختلف موضوعات پر دیے گئے ان اعلیٰ علمی سطح کے حامل محاضرات کے ذریعے اہل علم و دانش تک قرآن حکیم کی دعوت کو پہنچایا' نیز یہ محاضرات قرآنی زیادہ تر اردو اور کبھی کبھار انگریزی زبان میں منعقد کیے جاتے۔ (۹)

☆ سیرت کانفرنس: سالانہ قرآن کانفرنس اور سالانہ قرآنی محاضرات کی طرح سیرت کانفرنس کا انعقاد بھی ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم دینی خدمت ہے۔ سیرت کانفرنس سے قبل آپ نے سیرتِ نبوی ﷺ کے موضوع پر مختلف مقامات پر تقاریر کیں جو بہت مقبول ہوئیں۔

چنانچہ ۲۴ نومبر تا ۲۷ نومبر ۱۹۷۸ء کو پہلی سیرت کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ بعض وجوہات کی بنا پر یہ کانفرنس صرف ایک روز ۲۴ نومبر ۱۹۷۸ء کو منعقد ہوئی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے یکم دسمبر سے ۸ دسمبر ۱۹۷۸ء تک روزانہ مسجد شہداء میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر مسلسل تقاریر کیں۔ پہلی سیرت کانفرنس کے انعقاد کے بعد پھر کوئی سیرت کانفرنس منعقد نہ کی جاسکی۔ (۱۰)

۱۹۷۸ء کے سال کو ڈاکٹر صاحب نے ''سیرت النبیؐ کا سال'' قرار دیا۔ لہٰذا آپ نے ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۳ء تک ملک کے طول وعرض میں بلا مبالغہ سینکڑوں تقاریر سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر کیں۔ جن کے دوران ڈاکٹر صاحب کے بقول:

''سیرت مطہرہ کے بہت سے گوشے ان پر پہلی بار منکشف ہوئے۔''

۱۹۸۴ء کے اواخر میں مسجد دار السلام باغ جناح میں سیرت النبی ﷺ سے اخذ کردہ ''انقلابِ اسلامی کا منہج'' کے موضوع پر گیارہ تقاریر ہوئیں۔ بعد میں یہی خطابات ''منہج انقلابِ نبویؐ'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کر دیے گئے۔ (۱۱)

ڈاکٹر صاحب نے دروس قرآن کے ساتھ ساتھ نبی آخر الزماں ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو ٹھوس علمی شواہد کے ساتھ بڑے پیانے پر متعارف کروایا تاکہ عامۃ الناس آپ ﷺ کے اُسوہ حسنہ سے جو قرآنِ مجید کی عملی تفسیر ہے' روشناس ہو سکیں کیونکہ کوئی مسلمان اس پر چلے بغیر اپنی زندگی بہترین خطوط پر استوار نہیں کر سکتا۔

(۴) نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے دینی تعلیم کے فروغ کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ قرآنِ مجید کی تعلیمات سے روشناس کرنے کے لیے نئے انداز اختیار کیے جن میں آپ کی دینی و قرآنی خدمت میں نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ رمضان المبارک میں اس طرح کے طویل دورانیے کے پروگرام کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآنی کا آغاز ۱۹۸۴ء میں قرآن اکیڈمی لاہور سے ہوا۔ نماز تراویح میں قرآن کے جتنے حصے کی تلاوت کی جاتی اس کا پہلے سہل و سلیس ترجمہ اور پھر مختصر تفسیر بیان کی جاتی۔

ڈاکٹر صاحب کے جاری کردہ اس پروگرام کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ نہ صرف ملک بھر میں سینکڑوں مقامات پر آپ کے تلامذہ دورۂ ترجمہ قرآن کی ادائیگی کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ بلکہ بیرون ملک میں بھی یہ خدمت جاری ہے۔ (۱۲)

(۵) دعوت بذریعہ ابلاغِ عامہ

ذرائع ابلاغ نہ صرف ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانے کا اہم ذریعہ ہیں بلکہ عامۃ الناس کی اصلاح احوال و تزکیۂ نفس کا بھی موثر ذریعہ بن جاتے ہیں' اگر ان ذرائع ابلاغ کو دعوت دین کے لیے استعمال کیا جائے۔ ذرائع ابلاغ میں ریڈیو' ٹیلی ویژن' اخبارات و رسائل' ویب سائٹس' آڈیو اور ویڈیو کیسٹس وغیرہ آ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے دعوت و تبلیغ کے لیے ان ذرائع سے بھی بھرپور استفادہ کیا جس کے سبب آپ کی دعوت نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرون ملک

بھی پہنچی۔ ذیل میں ان خدمات کا انفرادی حیثیت سے مختصر تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

☆ ریڈیو: ڈاکٹر صاحب کی تقاریر اور درس قرآن ریڈیو پر بھی نشر ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعے آپ نے قرآنِ مجید کی مختلف سورتوں کے دروس کے علاوہ ''قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی''، ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ''، ''الحياء شعبة من الايمان''، ''اسلام کی عیدیں''، ''نبی اکرم بحیثیت منتظم''، ''صراطِ مستقیم''، ''انفاق فی سبیل اللہ'' اور اسی طرح کے دیگر عنوانات پر تقاریر پیش کیں۔ (۱۳)

☆ ٹیلی ویژن: ٹیلی ویژن اس دور میں سب سے مؤثر ذریعہ ابلاغ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے قرآنِ مجید کا پیغام ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانے کے لیے اس ذریعہ کو بھی خوب استعمال کیا۔ چنانچہ پاکستان ٹیلی ویژن سے آپ کے قرآنِ مجید کی مختلف سورتوں کے منتخب دروس اور متنوع موضوعات پر مختلف پروگرام (الکتاب، الٓمٓ، الھدیٰ وغیرہ) نشر ہوتے رہے۔ بعدازاں پرائیویٹ چینلز شروع ہونے کے بعد آپ کے دروس نہ صرف ملک بھر میں، بلکہ دنیا بھر میں سنے اور دیکھے جانے لگے۔ (۱۴)

☆ اخبارات: اخبارات بھی ابلاغ عامہ کا ایک بہترین ذریعہ ہیں جس کے ذریعے کوئی بھی بات لاکھوں قارئین تک آسانی سے پہنچتی ہے۔ اس ذریعہ ابلاغ کی اسی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب کے مضامین پاکستان کے تمام قومی اردو اور انگریزی اخبارات نوائے وقت، جنگ، پاکستان ٹائمز، مشرق، جسارت، وفاق، امروز، مسلم اور ڈان وغیرہ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ (۱۵)

ڈاکٹر صاحب اخبارات کے ذریعے اس بات پر زور دیتے رہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے کیونکہ مذہب کا تعلق ایک شعبہ زندگی سے ہے جبکہ دین کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آپ نے انسانی زندگی کے اجتماعی پہلوؤں سیاست، معاشرت اور معیشت پر کھل کر بات کی۔ ملکی حالات سے باخبر رہتے ہوئے ایک طرف معاشرے میں رائج غلط رسومات کے خلاف آواز بلند کی، دوسری طرف حکمرانوں اور سیاستدانوں کو پیش آمدہ ملکی حالات سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی غلطیوں کو بھی دوٹوک انداز میں واضح کرتے رہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے مافی الضمیر کی آواز پہنچانے کا ایک ذریعہ اخبارات و رسائل کو بنایا تاکہ وقت کے حکمرانوں اور عامۃ الناس کی

بروقت اصلاح ہو سکے۔

☆رسائل وجرائد: ڈاکٹر صاحب نے دینی، علمی اور دعوتی نوعیت کے تین رسائل بھی جاری کیے جن میں ڈاکٹر اسرار احمد اور دوسرے بہت سے اہل علم حضرات کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ان رسائل کا سلسلہ آج تک مسلسل جاری ہے۔ بلند معیار علمی کے حامل یہ رسائل، دین کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

(۱) ماہنامہ میثاق: یہ رسالہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے شروع کیا تھا بعد میں ۱۹۶۶ء سے یہ ڈاکٹر اسرار کی زیر ادارت شائع کیا جانے لگا۔ یہ رسالہ تنظیم اسلامی کے تحت ماہانہ بنیاد پر باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔

(۲) حکمت قرآن: ڈاکٹر اسرار نے ۱۹۸۲ء سے اس شمارے کا آغاز کیا اور اس کی مسلسل اشاعت تا حال جاری ہے۔ پہلے یہ رسالہ ماہانہ بنیادوں پر جاری ہوتا تھا، بعد ازاں جنوری ۲۰۰۸ء سے اسے سہ ماہی کر دیا گیا۔ یہ رسالہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت شائع ہوتا ہے۔

(۳) ہفت روزہ ندائے خلافت: پہلے اس رسالہ کا نام صرف ''ندا'' تھا کچھ عرصے کے بعد اس کا نام ندائے خلافت رکھ دیا گیا۔ ۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء سے اب تک تحریک خلافت پاکستان اور تنظیم اسلامی کے تحت جاری ہے۔ یہ ہفت روزہ رسالہ ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد کے بیٹے حافظ عاکف سعید کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔

(۴) The Quranic Horizon: تنظیم اسلامی کے تحت یہ انگریزی مجلہ جنوری ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۰ء تک ماہانہ بنیادوں پر جاری رہا۔ [۱۶]

☆ویب سائیٹ: ڈاکٹر صاحب کی تحریک ''تنظیم اسلامی'' کی اپنی ویب سائیٹ (www.tanzeem.org) بھی ہے جس کے ذریعے ڈاکٹر صاحب اور آپ کی تنظیم سے متعلق معلومات آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

☆دعوت بذریعہ آڈیو، ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز و ڈی وی ڈیز: موجودہ دور میں معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ کیسٹس، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز وغیرہ بھی ہیں جن کے ذریعے معلومات کو محفوظ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور جب چاہیں اپنی پسندیدہ معلومات کو سن اور دیکھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے علوم اسلامیہ کو عام کرنے کے لیے درس قرآن اور دوسرے موضوعات

بروقت اصلاح ہو سکے۔

☆ رسائل و جرائد: ڈاکٹر صاحب نے دینی، علمی اور دعوتی نوعیت کے تین رسائل بھی جاری کیے جن میں ڈاکٹر اسرار احمد اور دوسرے بہت سے اہل علم حضرات کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ان رسائل کا سلسلہ آج تک مسلسل جاری ہے۔ بلند معیار علمی کے حامل یہ رسائل، دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

(۱) ماہنامہ میثاق: یہ رسالہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے شروع کیا تھا بعد میں ۱۹۶۶ء سے یہ ڈاکٹر اسرار کی زیر ادارت شائع کیا جانے لگا۔ یہ رسالہ تنظیم اسلامی کے تحت ماہانہ بنیاد پر باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔

(۲) حکمت قرآن: ڈاکٹر اسرار نے ۱۹۸۲ء سے اس شمارے کا آغاز کیا اور اس کی مسلسل اشاعت تا حال جاری ہے۔ پہلے یہ رسالہ ماہانہ بنیادوں پر جاری ہوتا تھا، بعد ازاں جنوری ۲۰۰۸ء سے اسے سہ ماہی کر دیا گیا۔ یہ رسالہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت شائع ہوتا ہے۔

(۳) ہفت روزہ ندائے خلافت: پہلے اس رسالہ کا نام صرف ''ندا'' تھا کچھ عرصے کے بعد اس کا نام ندائے خلافت رکھ دیا گیا۔ ۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء سے اب تک تحریک خلافت پاکستان اور تنظیم اسلامی کے تحت جاری ہے۔ یہ ہفت روزہ رسالہ ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد کے بیٹے حافظ عاکف سعید کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔

(۴) The Quranic Horizon: تنظیم اسلامی کے تحت یہ انگریزی مجلہ جنوری ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۰ء تک ماہانہ بنیادوں پر جاری رہا۔(۱۶)

☆ ویب سائیٹ: ڈاکٹر صاحب کی تحریک ''تنظیم اسلامی'' کی اپنی ویب سائیٹ (www.tanzeem.org) بھی ہے جس کے ذریعے ڈاکٹر صاحب اور آپ کی تنظیم سے متعلق معلومات آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

☆ دعوت بذریعہ آڈیو ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز و ڈی وی ڈیز: موجودہ دور میں معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ کیسٹس، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز وغیرہ بھی ہیں جن کے ذریعے معلومات کو محفوظ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور جب چاہیں اپنی پسندیدہ معلومات کو سن اور دیکھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے علوم اسلامیہ کو عام کرنے کے لیے درس قرآن اور دوسرے موضوعات

پر تقاریر کیں۔ انہیں جدید انداز میں آڈیو ویڈیو کیسٹس، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی صورت میں محفوظ بھی کرایا۔ آج ان سے لاکھوں لوگ نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرون ملک بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ (۱۷)

(٦) دعوتی کتابچوں کی تقسیم

ڈاکٹر اسرار احمد نے دعوتِ حق کو عام کرنے اور اس کی تشہیر کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ دعوتی کتب کی مفت تقسیم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جن میں چند کتابچے ''روزہ اور قرآن''، ''حج اور عید الاضحیٰ اور ان کی اصل روح قرآن حکیم کے آئینہ میں''، ''انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج''، ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کرنے کا اصل کام''، ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق''، ''دعوت الی اللہ'' اور ''راہِ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں'' ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیے گئے۔ (۱۸)

(٧) خطوط بنام سربراہانِ مملکت

ڈاکٹر صاحب درس و تدریس، خطبات، تقاریر اور تصنیف و تالیف کے ذریعے اپنا پیغام ہر خاص و عام کو پہنچانے کے ساتھ ساتھ آپ ہر دور میں بالخصوص اربابِ اختیار و اقتدار کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس بھی دلاتے رہے کبھی انہیں مجمع عام میں مخاطب کر کے اور کبھی انہیں خطوط ارسال کر کے۔ چنانچہ آپ نے صدر ضیاء الحق، صدر رفیق تارڑ، صدر پرویز مشرف اور وزیر اعظم نواز شریف وغیرہ کو وقتاً فوقتاً ان کے فرائض منصبی سے آگاہ فرمایا اور جن باتوں کی آپ نے انہیں تاکید کی ان میں خاص طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا، سود کا فی الفور خاتمہ اور قرآن و سنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دینے کے لیے دستور میں ضروری ترامیم کرانا تھا۔ (۱۹)

الغرض ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے قرآنی و دینی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے نہ صرف مندرجہ بالا متفرق ذرائع اختیار کیے بلکہ آپ نے باقاعدہ دینی علوم کی دعوت و اشاعت کے لیے ایک طرف تو باقاعدہ اشاعتی و تعلیمی و تدریسی ادارے قائم کیے۔ دوسری طرف آپ اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند و بالا مقاصد کے لیے خالص اصولی اور انقلابی طریق پر جدوجہد اور اسلامی انقلاب کی سعی کے لیے ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر نئی تحریکوں کا قیام بھی عمل میں لائے۔

فصل دوم:

تدریسی اور اشاعتی اداروں کا قیام

اسلامی تعلیمات کی رو سے حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔[۱] اور علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔[۲] یہی وجہ ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی مسلمانوں نے ہر دور میں جاری رکھی اور علم و جہاد کے ذریعے اسلام کی حفاظت کی۔ برصغیر میں علماء کرام نے دور غلامی میں انگریز حکومت کے خلاف مسلسل جہاد جاری رکھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی تہذیب وافکار کے خلاف کام شروع کیا تو اس صورت حال میں علماء کرام نے قوم کو اغیار کی تہذیب اور اس کے اثرات سے بچانے کے لیے ایسے تعلیمی ادارے قائم کیے جو اپنی تہذیب وافکار کو طاغوتی قوتوں سے بچا سکیں۔ اور ان تعلیمی اداروں سے ایسے افراد تیار ہوں جن کے نزدیک اسلام کی بقا و سالمیت اہم ہو۔ چنانچہ ان تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل علماء کی کاوشوں سے ہی مسلمانوں کو پاکستان جیسی نعمت ملی۔

پاکستان بننے کے بعد جب مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہوئی تو یہاں ایسا نظامِ تعلیم رائج نہ ہو سکا جو اسلامی فکر سے ہم آہنگ و مطابق ہو اور جس کے فارغ التحصیل طلبہ جدید علوم و فنون کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم سے بھی واقف ہوں۔ لیکن مغرب سے مرعوب ملک کے حکمرانوں نے مغرب سے درآمد شدہ نظام تعلیم کو رائج رکھنا مناسب سمجھا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان بننے کے بعد اسلامی سوچ کے حامل افراد اپنے اپنے طور پر اسلامی تعلیمات پر مبنی ادارے قائم کرتے رہے تا کہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کا علم رکھنے والے افراد بھی تیار ہوتے رہیں جو اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ ڈاکٹر اسرار بھی انہی علماء میں شامل ہیں، جنھوں نے اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین اسلام کے نفاذ کے لیے تدریسی و اشاعتی ادارے قائم کیے۔ ذیل میں ان اداروں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۱) دارالاقامہ

ڈاکٹر صاحبؒ کی نوجوانوں کو قرآنِ حکیم کی طرف لانے کی پہلی منفرد کاوش ۱۹۵۹ء میں ساہیوال میں ایک ہاسٹل کے قیام کی تھی۔ جس کے قیام کا مقصد کالج میں زیر تعلیم طلبہ کو رہائش

فراہم کر کے انہیں عربی زبان اور قرآن حکیم کی تعلیم دینا اور کالج کے طلبہ میں قرآن حکیم سے ایک قلبی اور ذہنی لگاؤ پیدا کرنے کی کوشش کرنا تھا۔ اس غرض کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ان طلبہ کو مولانا اصلاحی سے پڑھے ہوئے منتخب نصاب کا درس دیا۔ (۳)

(۲) دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور

دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تعلیم و تعلم قرآن کے دور اول کا اہم سنگ میل دارالاشاعت اسلامیہ کا قیام تھا۔ یہ ادارہ ۱۹۶۶ء میں قائم ہوا۔ یہ ڈاکٹر صاحبؒ کا خالص نجی ادارہ تھا جس کے قیام کا مقصد علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت تھا۔ علاوہ ازیں آپ کے پیش نظر اس ادارے کے قیام کے یہ مقاصد بھی تھے:

(۱) عوام کی توجہات قرآنِ حکیم کی جانب منعطف ہوں‘ ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو‘ دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

(۲) بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور انہی میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیں تاکہ ایک عظیم الشان اکیڈمی کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے۔ (۴)

خدمات: چنانچہ آپ نے ان مقاصد کے پیش نظر دارالاشاعت اسلامیہ سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر تدبر قرآن کی پہلی دو جلدیں اور مولاناؒ کی ہی معرکۃ الآراء تصانیف ’’دعوتِ دین اور اس کا طریق کار‘‘، ’’مبادی تدبر قرآن‘‘، ’’قرآن اور پردہ‘‘ اور ’’اقامت دین کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کا طریق کار‘‘ شائع کیں۔ نیز ماہنامہ میثاق جو پہلے مولانا امین احسن اصلاحی کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا‘ وہ ڈاکٹر صاحبؒ کی زیر ادارت اگست ۱۹۶۶ء میں دوبارہ دار الاشاعت سے شائع ہونا شروع ہوا۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تصانیف کے علاوہ ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی چار تصانیف ’اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کرنے کا اصل کام‘، ’مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق‘ اور ’دعوت اِلی اللہ اور مستقبل کی اعلیٰ سطح کی اسلامی علمی تحریک کے شعبہ تحقیق کی اساسی رہنمائی کے لیے ڈاکٹر رفیع الدین کی تالیف ’’اسلامی تحقیق کا مفہوم‘ مدعا اور طریق کار: ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام‘‘ شائع کیں۔ ان تصانیف میں سے دو اوّل الذکر

تصانیف کو بلاشبہ اس دعوت وتحریک کے سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ (۵)

اس طرح دارالاشاعت الاسلامیہ کے تحت علوم قرآنی کی عمومی نشرو اشاعت کی سعی کی گئی اور اس کے ساتھ ہی قرآن اکیڈمی کے قیام کی اہمیت لوگوں پر واضح کرنے کے لیے ''سلسلہ اشاعت قرآن اکیڈمی'' کے عنوان سے کئی کتابچے شائع کیے گئے۔ الغرض قرآنِ حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر اور قرآن اکیڈمی کے تصوراتی خاکہ کو عملی شکل دینے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۹۶۷ء ہی میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نام سے ایک باقاعدہ ادارے کے قیام کا فیصلہ کر لیا۔ (۶)

۱۹۷۲ء میں جیسے ہی مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم ہوئی' دار الاشاعت کی طباعت واشاعت کا سارا سلسلہ انجمن کے حوالے کر دیا گیا۔ (۷)

(۳) مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

پس منظر: جب بھی اُمت مسلمہ میں وسیع پیمانے پر کوئی بگاڑ' فتنے یا خرابی کا ظہور ہوا تو اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق (۸) اصلاح تجدید کے لیے مجدد بھیجتا رہا جو دین میں بگاڑ کی اصلاح اور از سرِ نو اس کی تجدید کرتے رہے۔ ایک ہزار سال کی امت محمدیؐ کی تاریخ میں مجددین عرب اور اس کے متصل علاقوں میں پیدا ہوتے رہے۔ لیکن گیارہویں صدی ہجری میں مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۶۲۴ء) (جنھوں نے اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کے خلاف جہاد کیا) اور بعد میں آنے والے مجددین و مصلحین کا تعلق زیادہ تر ہندوستان سے رہا۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ کا یہ کہنا کتنا بجا ہے:

> ''حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصیتوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا تو تیرھویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا جتنا ہندو مذہب' یہ دو بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔'' (۹)

تیرھویں صدی ہجری میں ایک ایسی تحریک اُبھری جس نے خالص نبوی طریق پر احیائے دین کے لیے تحریک جہاد برپا کی۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک طرف مسلمانوں کی ہندوستان میں سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم و بدعات

ترویج پا رہی تھیں۔ چودھویں صدی ہجری اس حوالے سے بڑی زرخیز تھی کہ اس صدی میں مختلف ارباب ہمت و عزیمت پیدا ہوئے جنھوں نے تجدید و اصلاح دین کا کام انتہائی جانفشانی سے کیا۔

اس صدی کے دوران چونکہ عالم اسلام میں مغربی سامراج کے باعث تعلیم و تربیت کے دو مستقل دھارے جدا جدا بہہ نکلے تھے' لہٰذا ان دونوں نے اپنا اپنا حق علیحدہ علیحدہ ادا کیا۔ چنانچہ دینی تعلیم و تربیت کے قدیم نظام سے فیض یاب ہونے والوں میں سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ایسی عظیم اور جامع شخصیت بھی یہیں پیدا ہوئی اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے جدید نظام تعلیم سے مستفید ہونے والوں میں علامہ اقبال مرحوم جیسا نابغہ وقت اور رومی ثانی بھی اسی خاک سے اٹھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ علماء کے حلقے سے ایک عظیم حرکت ''تبلیغ'' کے عنوان سے اسی خاک ہند سے ایسی اٹھی جس نے اس وقت پورے عالم اسلام ہی نہیں الحمدللہ بہت سے دیارِ کفر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دوسری جانب زیادہ تر تعلیم یافتہ نوجوانوں کے حلقے سے قوت پا کر اُبھری ایک دوسری عظیم تحریک...... تحریک جماعت اسلامی...... جس نے پورے عالم اسلام پر اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ عالم عرب کی عظیم تحریک ''الاخوان المسلمون'' کو بھی فکری غذا فراہم کی اور اس وقت اس تحریک کے زیر اثر متحرک اور فعال لوگوں کی ایک کثیر تعداد پورے عالم ارضی میں پھیلی ہوئی ہے۔ (۱۰)

اس تحریک کا نصب العین حکومت الٰہیہ یا اسلامی نظام زندگی کا قیام تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے اس تحریک (جماعت اسلامی) کا اس بات پر بہت زور تھا کہ وہ دین کی ہمہ گیر دعوت کی علم بردار ایک عالمگیر تحریک ہے اور کسی سیاسی مصلحت یا عارضی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر حکمت عملی ترتیب دینے کے حق میں نہیں۔ لیکن جب قیام پاکستان کے بعد جماعت اسلامی نے الیکشن کی سیاست میں حصہ لینے کی پالیسی اختیار کی تو اس سے اختلاف کرتے ہوئے ۱۹۵۷ء میں کئی نامور لوگ (۱۱) جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے جن میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ بھی شامل تھے۔ ان کے نزدیک صرف اور صرف اقامت و غلبہ دین کے لیے قائم کی جانے والی جماعت اسلامی کا انتخابی سیاست میں شریک ہو جانا ایک المیہ تھا۔ چنانچہ آپ نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے تنہا غلبہ و اقامت دین کے لیے کاوشیں شروع کر دیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''پیش نظر اصل مقصد تجدید و احیائے دین کی اسی اصولی انقلابی تحریک کا احیا تھا جس

کے بیسویں صدی عیسوی کے داعی اوّل تھے' امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور داعی ثانی تھے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم۔ مولانا آزادؒ نے ۱۹۲۰ء میں وقتی حالات اور مشکلات سے بددل ہونے کے باعث اپنا رُخ تبدیل کر کے جو خلا پیدا کیا تھا' اسے تو بیس سال کے وقفے کے بعد پر کر دیا تھا مولانا مودودیؒ اور ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی نے' لیکن خود جماعت اسلامی نے ۱۹۴۷ء میں ایک وقتی ترغیب سے متاثر ہو کر اصولی اسلامی انقلابی تحریک کی بجائے اسلام پسند' قومی' سیاسی جماعت کا رول اختیار کر کے جو خلا پیدا کیا تھا اسے پر کرنے کی کوشش ایک بڑا چیلنج بھی تھی اور دین وملت کی اہم ترین ضرورت بھی...... چنانچہ راقم نے لاہور منتقل ہو کر اپنی اصل توجہ اور سعی و جہد کو تو مرتکز رکھا اس مقصد پر' لیکن اس کے ساتھ ساتھ چونکہ اپنے زمانہ تعلیم اور اس کے بعد کے گیارہ سالوں کے دوران اللہ کے فضل وکرم سے ایک خصوصی انس پیدا ہو گیا تھا قرآنِ حکیم کے ساتھ اور خصوصی مناسبت پیدا ہو گئی تھی درس قرآن سے' لہٰذا اپنی ذاتی حیثیت میں دعوت و تبلیغ دین کی ایک حقیری کوشش کے طور پر آغاز کر دیا حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کا' جن کے ذریعے مطالعہ قرآن حکیم کے ایک منتخب نصاب کے دروس کی صورت میں قرآن کے انقلابی فکر کی اشاعت اور اقامت دین یا اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لیے مؤثر دعوت کا آغاز ہو گیا۔''(۱۲)

چنانچہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں پر یہ گرفت کی گئی کہ انھوں نے علیحدگی کے بعد کوئی مثبت اجتماعی جدوجہد کیوں نہ شروع کی' اس ضمن میں روزنامہ نوائے وقت لاہور نے لکھا:

''تدارک کی مؤثر ترین بلکہ اظہر من الشمس صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان جس بات کو سچ سمجھے اس کے صرف انفرادی اظہار پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنے ہم رائے و ہم خیال اصحاب سے مل کر اپنے نزدیک سچ اور درست کو بروئے کار بھی لائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں نے اپنے اس اقدام کے بارے میں لکھا تو بہت کچھ لیکن اب تک کوئی مثبت اقدام نہیں کیا۔''(۱۳)

چنانچہ مختلف اخبارات کے تبصروں کے جواب میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے لکھا:

''ہمیں اس کوتاہی اور تقصیر کا صاف اعتراف ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علیحدہ ہونے والوں پر جماعت اسلامی اور اس کے ہم خیال حضرات کا یہ الزام بالکل درست ہے کہ انہیں مجتمع ہو کر اس نہج پر عملی جدوجہد کا آغاز کر دینا چاہیے تھا جس کو وہ صحیح سمجھتے ہیں۔

مزید برآں یہ دوسرے رفقاء کے احساسات کی ترجمانی ہو نہ ہو ہماری دیانت دارانہ رائے یہی ہے کہ اسباب خواہ کچھ بھی ہوں بہر حال اس معاملے میں ہم سب سے مجموعی طور پر کوتاہی ہوئی ہے اور اس الزام کا اصل جواب ہماری جانب سے ہی ہونا چاہیے تھا کہ جماعت اسلامی کے طریق کار میں جن غلطیوں کی نشاندہی کر کے علیحدہ ہوئے تھے ان سے پہلو بچا کر اس مقصد کے لیے اجتماعی جدوجہد شروع کی جائے جس کے لیے جماعت اسلامی قائم ہوئی۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔''[۱۴]

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے اس واضح اعتراف اور مخلصانہ تذکیر کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے حضرات میں کسی نئی تعمیر و تنظیم کی خواہش بیدار ہوئی۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء میں ایک نئی اسلامی تنظیم کے قیام کے لیے قرارداد تاسیس پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ، سردار محمد اجمل خان لغاری، مولانا امین احسن اصلاحیؒ مولانا عبدالغفار حسنؒ اور شیخ سلطان احمد کا اتفاق ہو گیا بعد ازاں مؤخر الذکر دو بزرگوں کی مساعی سے ستمبر ۱۹۶۷ء میں اجتماع رحیم یار خان میں اچھی خاصی تعداد پرانے رفقاء کی جمع ہو گئی۔ لیکن مسلسل دس سال تک کسی تنظیم یا تحریک سے عدم وابستگی اور چند حوادث کی وجہ سے ان حضرات کے ولولے سرد پڑ گئے لہٰذا اس طرح جماعت اسلامی کے ساتھ سابقہ تعلق کی قدر مشترک کی اساس پر کسی نئی تنظیم کا شیرازہ بندھنے سے پہلے ہی بکھر گیا۔[۱۵] اس وقت ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے یہ طے کیا:

''اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے بلند و بالا مقاصد کے لیے خالص اصولی اور انقلابی طریق پر جدوجہد بالفاظ دیگر اسلامی انقلاب کی سعی کے لیے ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر کسی نئی تحریک کے اجراء اور تنظیم کے قیام کے لیے خود اپنی بساط کے مطابق کوشش جاری رکھے گا خواہ اس نئے سفر اور نئی تعمیر و تشکیل کے لیے تنہا ہی آغاز کرنا پڑے۔''[۱۶]

الغرض اس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ کے ذہن میں دو عملی اقدامات تھے جن کی وضاحت ڈاکٹر صاحب اس طرح فرماتے ہیں:

''(۱) عمومی دعوت و تبلیغ کا ایسا ادارہ قائم ہو جو ایک طرف تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاحِ اعمال کی دعوت دے اور جو لوگ اس کی جانب متوجہ ہوں ان کی ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی تربیت کا بندوبست کرے۔ اور ساتھ ہی اس عملی کام کی اہمیت ان لوگوں پر واضح کرے جو خلوص اور دردمندی کے ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آرزومند ہیں اور دوسری طرف ایسے ذہین نوجوان تلاش کرے جو پیش نظر علمی کام کے لیے زندگیاں

وقف کرنے کو تیار ہوں۔

(۲) ایک قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے جو ایک طرف علوم قرآن کی عمومی نشر و اشاعت کا بندوبست کرے تا کہ قرآن کا نور عام ہو اور اس کی عظمت لوگوں پر آشکارا ہو اور دوسری طرف ایسے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے جو بیک وقت علوم جدیدہ سے بہرہ ور ہوں اور قرآن کے علم و حکمت سے بھی براہ راست آگاہ ہوں تا کہ متذکرہ بالا کاموں کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔"(۱۷)

چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے جسم و جان کی تمام توانائیاں بالکل یکسو کر کے قرآن کی انقلابی دعوت کی نشر و اشاعت پر مرکوز کر دیں جن کے نتیجہ میں اولاً ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ دوسرے عمومی دعوت و تبلیغ کے ادارہ (یعنی تنظیم اسلامی) کے قیام کے لیے ۲۱ جولائی ۱۹۷۴ء کی شام کو اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ کے اختتام پر ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا:

"آئندہ معاملہ صرف قرآن کے درس و تدریس اور تعلیم و تعلم تک محدود نہیں رہے گا اور صرف انجمن پر اکتفا نہیں ہوگا بلکہ اقامت دین کی اجتماعی جدوجہد کے لیے ایک باضابطہ جماعت کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔"(۱۸)

مرکزی انجمن خدام القرآن کا قیام

مارچ ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کا قیام عمل میں آیا اور نومبر ۱۹۷۲ء میں اس نے باقاعدہ ایک رجسٹرڈ ادارے کی حیثیت حاصل کر لی۔(۱۹)

ڈاکٹر صاحب نے انجمن خدام القرآن لاہور کو باقاعدہ قواعد و ضوابط کا پابند کیا۔ لہٰذا اس ادارے کے قیام کے وقت مخصوص اغراض و مقاصد مدنظر رکھے گئے اور ایک منظم تنظیمی ڈھانچہ اس ادارے کے تحت قائم ہونے والے شعبہ جات کو بہتر انداز میں چلا رہا ہے۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی قائم کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے اغراض و مقاصد، اس کے اراکین، شعبہ جات اور تنظیمی ڈھانچے کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ مرکزی انجمن خدام القرآن کی دینی و علمی خدمات پیش کی جاتی ہیں۔

انجمن کے مقاصد: انجمن کے اراکین نے انجمن کے قیام کے وقت جن مقاصد کے لیے کوشاں رہنے کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ سے کامل اتفاق کیا وہ مقاصد یہ ہیں:

☆ عربی زبان کی تعلیم

☆ قرآنِ مجید کے مطالعہ کی عام ترغیب وتشویق

☆ علوم قرآن کی عمومی نشرواشاعت

☆ ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم وتربیت جو تعلیم وتعلم قرآن کو مقصد زندگی بنالیں۔

☆ ایک قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرسکے۔ (۲۰)

انجمن سے وابستگی کی صورتیں: انجمن کے اراکین کی انجمن کے ساتھ وابستگی کی چار صورتیں ہیں یعنی:

(۱) حلقہ مؤسسین

(۲) حلقہ محسنین

(۳) حلقہ مستقل ارکان

(۴) اور حلقہ عام اراکین (۲۱)

انجمن کے ارکان کی تعداد: جب سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم ہوئی تب سے اب تک اس کے اراکین (محسنین، مستقل ارکان اور عام ارکان) کی کل تعداد ۲۷۹ ہے۔ (۲۲)

تنظیمی ڈھانچہ: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور باقاعدہ ایک تنظیمی ڈھانچہ کے تحت کام کر رہی ہے جو درج ذیل ہے:

☆ انجمن کی ہیئت انتظامیہ ایک صدر اور ایک مجلس منتظمہ پر مشتمل ہوگی۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو اس انجمن کے صدر ومؤسس اور تاحیات صدر کی حیثیت حاصل ہوگی اور اس دوران میں انجمن اصلاً ان ہی کی رہنمائی میں ان ہی کی صوابدید کے مطابق کام کرے گی اور انہیں مجلس منتظمہ کے کسی بھی فیصلے کو کلیۃً یا جزوی طور پر رد کردینے کا حق حاصل ہوگا۔
ڈاکٹر صاحب کے انتقال یا اس سے پہلے سبکدوش ہونے کی صورت میں صدر کا منصب وجود میں آئے گا۔ اس صورت میں صدر انجمن کا انتخاب مجلس منتظمہ اپنے ارکان میں سے کثرت رائے سے کرے گی اور صدر انجمن کو حق استرداد (ویٹو) حاصل نہیں ہوگا۔

☆ مجلس منتظمہ چودہ ارکان پر مشتمل ہوگی جن میں بارہ ارکان منتخب اور دو نامزد ہوں گے۔

☆ انجمن کے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لیے صدر موسس یا صدر انجمن مجلس منتظمہ کے ارکان میں سے اعزازی ناظمین مقرر کرے گا۔ (۲۳)

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبہ جات

مرکزی انجمن خدام القرآن باقاعدہ ایک ادارہ ہے اور یہ مختلف شعبہ جات کے تحت کام کر رہا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

☆**اکیڈمک ونگ:** اکیڈمک ونگ چار شعبوں پر مشتمل ہے۔

(۱) شعبہ مطبوعات

(۲) شعبہ تحقیق اسلامی

(۳) شعبہ تدریس

(۴) شعبہ انگریزی برائے طباعت

(۱) **شعبہ مطبوعات:** یہ ایک انتہائی اہم شعبہ ہے جس کے تحت تین ذیلی شعبے کام کر رہے ہیں:

(۱) تصنیف و تالیف اور ترتیب و تسوید سیکشن

(۲) کمپوزنگ سیکشن

(۳) پرنٹنگ سیکشن

شعبہ مطبوعات کے متذکرہ بالا تینوں سیکشنز باہم مربوط ہیں۔

(۲) **شعبہ تحقیق اسلامی:** قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر پیش کرنا مرکزی انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی کے قیام کا اہم مقصد تھا جس کی طرف پیش قدمی کے لیے شعبہ تحقیق اسلامی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس شعبہ کا کام شعبہ تدریس کی جملہ تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کی ذمہ داری' میثاق' حکمت قرآن' ندائے خلافت کے مضامین کی فنی جانچ پرکھ' ان جرائد کے لیے علمی اور تبلیغی موضوعات پر مضامین کی تیاری' معاشی' معاشرتی' سیاسی' تحریکی اور فقہی استفسارات کا جواب دینا' ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن کے ساتھ اشتراک عمل کا معاملہ اور ڈاکٹر صاحبؒ کے انگریزی دورۂ ترجمہ قرآن کی تسوید و ترتیب' نومسلم افراد سے رابطے اور دیگر امور شامل ہیں۔ نیز مرکزی انجمن خدام القرآن کی قرآن اکیڈمی لائبریری شعبہ تحقیق اسلامی کے زیر انتظام کام کر رہی ہے جسے انجمن خدام القرآن لاہور کی مرکزی لائبریری کی حیثیت حاصل ہے۔ [۲۴]

(۳) **شعبہ تدریس:** شعبہ تحقیق اسلامی اس شعبے کے جملہ انتظامی اور تدریسی معاملات کا ذمہ دار ہے۔ اس شعبہ کی اہم سرگرمیوں میں رجوع الی القرآن کورسز' ترجمہ قرآن سمر کیمپ' تفہیم دین

کورسز وغیرہ کا انعقاد کرنا ہے۔[25]

(۴) شعبہ انگریزی (برائے طباعت): شعبہ انگریزی کے تحت مختلف کتب و مضامین کا انگریزی ترجمہ کیا جاتا ہے۔ نیز فقہی سوالات کے جوابات بذریعہ E-mail کا کام بھی اسی شعبے کے تحت ہو رہا ہے۔[26]

☆متفرق شعبہ جات:

مندرجہ بالا چار شعبے اکیڈمک ونگ سے تعلق رکھتے ہیں اس کے علاوہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے درج ذیل شعبے مختلف امور سرانجام دے رہے ہیں۔

(۱) مکتبہ خدام القرآن: اس شعبہ کا کام مرکزی انجمن خدام القرآن کی کتب، رسائل و جرائد، دروس وخطابات کی کیسٹس کی ترسیل، فروخت، اشاعت و مارکیٹنگ ہے۔

(۲) شعبہ خط و کتابت کورسز: گھر بیٹھے افراد کی سہولت کے لیے عربی گرامر اور قرآن کی تعلیم کا اہتمام کرنا ہے۔

(۳) شعبہ سمع و بصر: مرکزی انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے تمام پروگراموں کی ریکارڈنگ اور ٹی وی کے مختلف چینلز پر پروگراموں کا انعقاد وغیرہ اس شعبہ کے ذمہ ہے۔

(۴) شعبہ خواتین: یہ شعبہ خواتین کے دینی اور تربیتی کورسز منعقد کرتا ہے۔ نیز ۲۵ سال سے ہر ماہ کے پہلے ہفتے خواتین کے لیے درس قرآن اور درس حدیث کے علاوہ دوسرے موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام کراتا ہے۔

(۵) شعبہ ایڈمن: انجمن کے ملازمین کے تمام انتظامی امور کی دیکھ بھال اور حاضریوں کا ریکارڈ رکھنا اس شعبہ کے ذمہ ہے۔

(۶) اکاؤنٹس اور کیش سیکشن: یہ شعبہ باقاعدہ سالانہ اکاؤنٹس تیار کر کے آڈٹ رپورٹ تیار کرانے کا ذمہ دار ہے۔[27]

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی خدمات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے اپنے قیام کے فوراً بعد ہی اپنی دینی و تعلیمی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ چنانچہ اس نے دین کی ترویج و اشاعت کے لیے درج ذیل اقدامات کیے:

(۱) سالانہ اجلاس کا انعقاد

(۲) سالانہ کانفرنسز کا انعقاد

(۳) انجمن کی دس سالہ تقاریب کا اہتمام

(۴) کارکنوں کے لیے قرآنی تربیت گاہوں کا انعقاد

(۵) دورہ ترجمہ قرآن کا انعقاد

(۶) ہفتہ وار درس قرآن کا انعقاد [۲۸]

(۷) دینی وعصری علوم کی اشاعت کے لیے اداروں کا قیام (جن کی تفصیل درج ذیل ہے)

مرکزی انجمن خدام القرآن اور دینی علوم

خالصتاً دینی علوم کے فروغ کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن نے جس ادارے کو قائم کیا وہ قرآن اکیڈمی ہے۔

قرآن اکیڈمی

قرآن اکیڈمی کا قیام ۱۳ جنوری ۱۹۷۶ء کو عمل میں آیا جس کے قیام کے مقاصد میں علومِ قرآنی کی عمومی نشر واشاعت کا بندوبست کرنا اور ایسے نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا تھا جو بیک وقت علوم جدید سے بھی بہرہ مند ہوں اور قرآن کے علم وحکمت سے بھی براہِ راست آگاہ ہوں۔[۲۹] چنانچہ ان مقاصد کے پیش نظر قرآن اکیڈمی کے تحت بہت سے تعلیمی پروگرام شروع کیے گئے۔

(۱) دارالاقامہ کا قیام: کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو رہائش کی سہولیات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ شام کے اوقات میں عربی زبان کی تحصیل اور مختلف تدریسی وتربیتی پروگراموں کا اہتمام کرانا۔

(۲) معہد ثانوی: ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۰ء میں چند مڈل پاس طلبہ کو داخلہ کی سہولت فراہم کی گئی جو دو سال میں میٹرک کرلیں اور ساتھ ہی ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہو سکے۔ اس سلسلے میں ایک ہی Batch لیا گیا۔

(۳) شام کی عربی کلاسز: کالجز اور یونیورسٹی کے طلبہ کی توجہ قرآن حکیم کی جانب مبذول کرنے کے لیے گرمیوں کی تعطیلات میں خصوصاً اور بقیہ سال میں عموماً عربی کورسز کا اجراء کیا گیا۔ بے شمار افراد نے ان کلاسز سے استفادہ کیا۔

(۴) دوسالہ تعلیمی کورس: ۱۹۸۴ء میں قرآن اکیڈمی نے دوسالہ کورس کے اجراء کا اہتمام کیا جو

ان افراد کے لیے تھا جو گریجوایشن اور پوسٹ گریجوایشن کر چکے ہوں۔ اس دو سالہ تدریسی کورس کو تین گروپوں نے کامیابی کے ساتھ مکمل کیا۔ تقریباً پچاس (۵۰) تعلیم یافتہ نوجوانوں نے بنیادی عربی قواعد کے علاوہ پورے قرآن مجید کا قواعد کے اجراء کے ساتھ ترجمہ' حدیث نبوی' اصولِ حدیث' فقہ اور اصولِ فقہ اور مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کی تحصیل کی۔ بعد میں بیرون لاہور اور بیرون ملک سے آنے والوں کے لیے دو سال کا وقت نکالنا مشکل ہو گیا تو اس کی جگہ ایک سالہ کورس جاری کر دیا گیا جسے ایک سالہ 'رجوع الی القرآن کورس' کا نام دیا گیا۔ (۳۰)

(۵) <u>ایک سالہ رجوع اِلی القرآن کورس</u>: ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس دو حصوں پر مشتمل ہے' جس کا مقصد یہ ہے کہ نوجوان بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن میں مدد حاصل کر سکیں۔ پہلے حصے میں داخلہ کے لیے انٹرمیڈیٹ کی شرط ہے اور اس کا دورانیہ نو ماہ پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ بارہ ماہ پر مشتمل ہے جس میں داخلہ کے لیے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس پاس کرنا لازم ہے۔ ان کورسز کی ہفتہ میں پانچ دن روزانہ پانچ گھنٹے تدریس ہوتی ہے۔ یہ کورس تا حال جاری ہے اور سینکڑوں نوجوان اس سے نہ صرف استفادہ کر چکے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر دعوت دین کی خدمات اندرون اور بیرون ملک سرانجام دے رہے ہیں۔
حصہ اوّل کے نصاب میں عربی صرف ونحو' ترجمہ قرآن (پانچ پارے)' آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل' قرآنِ حکیم کی فکری وعملی راہنمائی' تجوید وحفظ' مطالعہ حدیث' اصطلاحات حدیث اور اضافی محاضرات شامل ہیں۔

حصہ دوم کے نصاب میں مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)' مجموعہ احادیث' فقہ' اصول تفسیر' اصول حدیث' اصول فقہ' عقیدہ' عربی زبان وادب اور اضافی محاضرات شامل ہیں۔ (۳۱)

(۶) <u>شعبہ حفظ قرآن</u>: اگست ۱۹۸۵ء میں قرآن اکیڈمی میں شعبہ حفظ قرآن کا آغاز کیا گیا۔ ۱۷ یا ۱۸ سال تک اس شعبے نے اپنی خدمات پیش کیں اور اس شعبے کے ذریعے کافی تعداد میں طلبہ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ (۳۲)

(۷) <u>خط وکتابت کورس</u>: جنوری ۱۹۸۸ء میں اس کورس کا اجراء ان لوگوں کے لیے کیا گیا جو قرآن اکیڈمی یا قرآن کالج میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس کورس کا مقصد خواتین وحضرات اور طلبہ وطالبات کو قرآن حکیم کے مربوط مطالعہ کے ذریعے دین

کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے متعارف کراتا ہے۔ نیز طلبہ کو عربی گرامر کے بنیادی اصولوں سے اس حد تک متعارف کرادیا جائے کہ قرآن اور حدیث سے براہ راست استفادہ کے لیے انہیں ایک بنیاد حاصل ہو جائے۔ خط و کتابت کے مختلف کورسز حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد درج ذیل ہے۔

۱۹۸۸ء سے اب تک قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی والے کورس میں طلبہ کی تعداد ۳۹۹۴ تک پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح ابتدائی عربی گرامر (حصہ اوّل) کورس میں طلبہ کی تعداد ۳۲۴۳، ابتدائی عربی گرامر (حصہ دوم) میں ۴۸۰، ابتدائی عربی گرامر (حصہ سوم) میں ۲۲۵ اور ترجمہ قرآن کریم کورس میں ۲۰۴ تک پہنچ چکی ہے۔ (۳۳)

(۸) تفہیم دین کورسز کی ایوننگ کلاسز: تفہیم دین کورسز کے مختلف بیجز کی تدریس قرآن اکیڈمی میں جاری ہے اور اس میں ابتدائی عربی گرامر، تجوید، ترجمۃ القرآن اور مطالعہ حدیث کی تدریس کی جاتی ہے۔

(۹) ترجمہ قرآن سمر کیمپ: قرآن اکیڈمی میں گرمیوں کی تعطیلات کے دوران قرآن فہمی کے حوالے سے ایک نیا پروگرام ۱۸ جون ۲۰۰۷ء سے شروع کیا گیا۔ یہ ایسے افراد کے لیے ہے جو ابتدائی عربی گرامر سے واقف ہوں اور وہ اڑھائی ماہ کی قلیل مدت میں یہ نصاب پڑھ لیں۔ (۳۴)

(۱۰) خواتین کا دینی و تربیتی کورس: تجوید، ابتدائی عربی گرامر، مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، مطالعہ حدیث، ارکان اسلام اور مختلف دینی موضوعات پر ہفتہ وار لیکچرز پر مشتمل یہ کورس ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں طالبات اور خواتین کے لیے منعقد کیا جاتا ہے۔

(۱۱) ترجمہ قرآن اور تجوید کی کلاس: قرآن اکیڈمی میں یہ کلاسز ہفتہ میں دو دن بعد نماز عصر منعقد ہوتی ہیں جس میں قرآن، عربی گرامر، تجوید اور منتخب نصاب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور کافی تعداد میں خواتین اور بچیاں اس کورس میں شامل ہوتی ہیں۔ (۳۵)

الغرض ڈاکٹر اسرار احمد کی کاوشوں سے قرآن اکیڈمی مختلف کورسز کے ذریعے عربی گرامر، قرآن فہمی اور دیگر اسلامی تعلیمات کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہی ہے اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے مختلف مواقع فراہم کر رہی ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن اور دینی وعصری علوم

مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت قرآن اکیڈمی میں جہاں خالصتاً دینی علوم کی تحصیل

جاری ہے وہیں انجمن نے دینی وعصری علوم کے فروغ کے لیے بھی عملی اقدامات کیے جو درج ذیل ہیں:

(ا) قرآن کالج کا قیام

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے دُنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ سے روشناس کرانے کے لیے ۱۹۸۷ء میں قرآن کالج لاہور کے منصوبہ کا آغاز کیا جو مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام ایک خود مختار ادارہ ہی نہیں بلکہ قرآنی دعوت و پیغام کا ایک اہم مرکز بھی رہا۔ کالج کے قیام کے ساتھ ابتدا میں ایف اے پاس طلبہ کو تین سال کی مدت میں بی اے کرانے کی سکیم کا اجراء قرآن اکیڈمی کی عمارت سے ہوا۔ جس میں ایک سال بنیادی ضروری تعلیم کے لیے وقف تھا۔ ۱۹۸۹ء میں عمارت کی تکمیل کے بعد قرآن کالج میں ایف اے کی کلاسز کا اجراء بھی کر دیا گیا۔ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر ۱۹۹۷ء سے آئی کام کی کلاسز اور بعد ازاں ۱۹۹۸ء سے آئی سی ایس کی کلاسز کا بھی آغاز ہو گیا۔ قرآن کالج کا ۱۹۹۹ء سے لاہور بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سے الحاق ہوا جبکہ بی اے کے طلبہ پنجاب یونیورسٹی کے فراہم کردہ نصاب کے مطابق بی اے کے امتحانات میں بطور پرائیویٹ امیدوار شامل ہوتے۔ (۳۶)

<u>قرآن کالج کے اغراض و مقاصد</u>: ۹ مئی ۱۹۸۶ء کو قرآن کالج کی تاسیس کے موقع پر صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اس کے قیام کے جو اغراض و مقاصد بیان کیے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

> ''اس وقت اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ نوع انسانی کی فلاح کے لیے علم کو باخدا بنایا جائے' تا کہ بہت سے ایسے لوگ سامنے آئیں جو جدید علوم کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت کے نور سے بھی بہرہ مند ہوں اور انہی میں سے ایسے باصلاحیت لوگ مل جائیں جن میں تخلیقی و تحقیقی کام کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ جدید علوم پر بھرپور تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے گمراہ کن اجزاء کو الگ الگ کر سکیں۔ انہی لوگوں کے لیے ممکن ہو گا کہ وہ جدید علوم کو قرآن و سنت کی رہنمائی میں اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں۔ قرآن کالج دراصل ایسے ہی افراد کی تیاری کے لیے نرسری کا کام دے گا۔'' (۳۷)

<u>قرآن کالج کی خصوصیات</u>: عصری علوم کے ساتھ ساتھ عربی اور قرآنی علوم کی تدریس' ہم نصابی

سرگرمیاں اور ٹیوٹوریل سسٹم' ہاسٹل اور لائبریری کی سہولت' کالج آڈیٹوریم اور تفریحی و مطالعاتی دوروں کا اہتمام اور میٹرک کے فارغ التحصیل طلبہ کے لیے دینی معلوماتی اسلامک جنرل نالج کا اہتمام کرنا قرآن کالج کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ خدمات مرکزی انجمن خدام القرآن نے غیر تجارتی بنیادوں پر اپنے محدود وسائل کے ساتھ انجام دیں۔

کالج کی موجودہ صورت حال: تقریباً ۲۱ سال قرآن کالج دینی و دنیوی تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا رہا۔[۳۸] اب قرآن کالج کو کلیۃ القرآن میں بدل کر ایک جدید اسلامی مدرسے کی شکل دے دی گئی ہے۔ جہاں درس نظامی کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔

(۲) کلیۃ القرآن کا قیام

مرکزی انجمن خدام القرآن نے قرآن کالج ختم کرنے کے بعد اس کی عمارت میں کلیۃ القرآن کے نام سے ایک نیا تعلیمی منصوبہ جولائی ۲۰۰۸ء سے شروع کیا ہے۔ کلیۃ القرآن کا الحاق وفاق المدارس سے ہو چکا ہے۔ جس میں پختہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ دینی تعلیم کے ضمن میں مکمل درس نظامی (آٹھ سالہ کورس) مع تخصص فی القرآن کروایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میٹرک' ایف اے اور بی اے اور مزید برآں ایم اے عربی و اسلامیات کی علیحدہ کلاسز بھی ہوں گی۔ وفاق کا سالانہ امتحان وفاق المدارس کے تحت ہوگا جبکہ عصری تعلیم کے امتحانات سالانہ کی بنیاد پر بورڈ اور یونیورسٹی کے تحت ہوں گے۔

ادارہ مستحق طلبہ کی مکمل کفالت کرتا ہے۔ کلیۃ القرآن میں دار الاقامہ کے طور پر قرآن کالج ہاسٹل کی عمارت استعمال میں لائی جا رہی ہے جس میں تربیت و تزکیہ کا بہترین خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

اغراض و مقاصد: ادارہ ''کلیۃ القرآن'' کا مقصد ایسے داعیان اسلام کی تیاری ہے جو کمال علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ' للّٰہیت اور اخلاص کے زیور سے آراستہ ہوں اور جن کا مقصد وحید دین اسلام کی حفاظت' نشر و اشاعت' اقامت اور اُمتِ مسلمہ کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ہو۔

کلیۃ القرآن کے دیگر مقاصد درج ذیل ہیں:

- ☆ علم دین' بالخصوص علوم القرآن کی پختہ بنیادوں پر تدریس کے ذریعے نوجوان نسل کو آسمانی ہدایت کے فلسفہ و حکمت سے روشناس کرانا۔
- ☆ جاہلیت جدیدہ و قدیمہ کی اساسات اور باطل افکار کی علمی بیخ کنی کے لیے فلسفہ اور جدید

عمرانی علوم میں خصوصی مہارت پیدا کرنا۔

☆ دوسرے مدارس دینیہ کے ساتھ روابط استوار کر کے علمی، تدریسی اور تجرباتی میدان میں ان سے تعاون کرنا۔

☆ نسل نو کو دین اسلام سے قریب کر کے دینی اقدار اور اسلامی آداب، تہذیب وثقافت سے ان کا تعلق استوار کرنا۔

☆ عامۃ المسلمین کی اصلاح و راہنمائی، نیز مختلف قسم کے ملحدانہ افکار ونظریات کی گمراہیوں سے بچا کر ملت بیضاء کے روشن اصولوں کی جانب راہنمائی کرنا۔ (۳۹)

الغرض ڈاکٹر اسرار احمد نے علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت اور قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرنے کی غرض سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کو قائم کیا تھا وہ اپنے ان مقاصد کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

نہ صرف مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور بلکہ اس سے منسلک انجمنیں مختلف شہروں کراچی (قائم شدہ ۱۹۸۶ء)، راولپنڈی (۱۹۸۶ء)، کوئٹہ (۱۹۸۹ء)، فیصل آباد (۱۹۹۰ء)، ملتان (۱۹۹۰ء)، پشاور (۱۹۹۲ء)، سرگودھا اور جھنگ (۱۹۹۸ء)، میں انہی اغراض ومقاصد کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہ منسلک انجمنیں اپنے انتظامی امور اور مالی امور میں بالکل آزاد ہیں۔ اور یہ اپنے دستور خود متعین کرتی ہیں اور انہی کے مطابق کام کر رہی ہیں۔ ان کے لیے صرف اپنی سالانہ آمدنیوں میں سے دسواں حصہ مرکزی انجمن خدام القرآن کو جمع کرانا ضروری ہے۔

علاوہ ازیں مرکزی انجمن خدام القرآن کے ادارے امریکہ، انگلینڈ، کینیڈا اور متحدہ عرب امارات میں بھی فروغ دین کے لیے کوشاں ہیں۔ ان اداروں کی بدولت دین حق کی آواز نہ صرف دنیا بھر میں پہنچ رہی ہے، بلکہ اس آواز کو سننے والے حضرات جو دین کا درد رکھتے ہیں اس دعوت حق کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی ادا کر رہے ہیں۔

فصل سوم : دعوتی اور تنظیمی اداروں کا قیام

تنظیم اسلامی

مرکزی انجمن خدام القرآن کے قیام کے پس منظر میں یہ تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۵۷-۱۹۵۸ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے والوں (۱) نے نئی ہیئت تنظیمی کو وجود میں لانے کی کوششیں کیں لیکن مختلف اسباب کی بنا پر یہ مساعی (۲) ناکام رہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اس سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں جس کے نتیجے میں جون ۱۹۶۷ء رحیم یار خان میں آپ نے شیخ سلطان احمد اور سردار محمد اجمل خان کے ساتھ طویل گفت وشنید کے بعد ایک قرارداد پر دستخط کیے جس میں یہ طے پایا:

”......ایک ایسی اجتماعیت کا قیام عمل میں لایا جائے جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد ومعاون ہو۔ جس میں وہ لوگ بھی شریک ہوسکیں جو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے جماعت اسلامی میں شامل ہوئے تھے لیکن پھر مختلف مراحل پر اس سے مایوس ہوکر علیحدہ ہوتے چلے گئے اور اب کسی ہیئت اجتماعی میں منسلک نہ ہونے کی بنا پر تشنگی محسوس کررہے ہیں اور وہ لوگ بھی شریک ہوسکیں جن میں اپنے دینی فرائض کا احساس ہوجائے اور وہ اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے کسی اجتماعی نظم میں منسلک ہونا چاہئیں۔ مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں تفصیلی نقشہ کار کی تعیین اور ایک ہیئت اجتماعی کی تشکیل کے لیے طے کیا جاتا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہم خیال لوگوں سے رابطہ قائم کیا جائے اور پھر کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ایسے لوگ ایک جگہ جمع ہوکر کسی اجتماعیت کے قیام کی عملی صورت اختیار کرلیں۔“(۳)

اس قرارداد کی تائید مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی کی۔ بعدازاں ۹،۸ ستمبر ۱۹۶۷ء رحیم یار خان میں ایک اجلاس ہوا جس میں ڈاکٹر صاحبؒ نے جو قرارداد اور اس کی توضیحات پیش کیں، اسے منظور کرلیا گیا۔ اس اجلاس میں مولانا اصلاحیؒ اور مولانا عبدالغفارؒ بھی شریک تھے۔ اسی موقع پر مولانا اصلاحیؒ نے اس نئی ہیئت اجتماعی کے لیے تنظیم اسلامی کا نام پیش کیا اور ایک نئی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرلیا گیا۔ لیکن چند حوادث کی بنا پر مولانا اصلاحی اور بعض رفقاء ڈاکٹر صاحبؒ کا ساتھ اس کام میں نہ دے سکے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس وقت طے

کرلیا کہ اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے خالص اصولی اور انقلابی طریق پر جدوجہد بالفاظ دیگر اسلامی انقلاب کی سعی کے لیے ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر کسی نئی تحریک کے اجراء اور تنظیم کے قیام کے لیے خود اپنی بساط کے مطابق کوشش جاری رکھیں گے۔ (۴)

قیام

اس پس منظر کے نتیجے میں ۲۷ اور ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور میں تنظیم اسلامی کا تاسیسی اجلاس ہوا۔ اس میں ایک سو تین (۱۰۳) افراد نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں ۱۹۶۷ء کی قرارداد کی یاددہانی بھی ہوئی اور اس کے ساتھ تنظیم کے نام شرائط شمولیت ہیئت تنظیمی اور قواعد وضوابط کا مرحلہ طے پایا۔ (۵) جس کا خلاصہ یہ ہے:

> ''اس تنظیم کا نام ''تنظیم اسلامی'' ہوگا۔ تنظیم کی دعوت تجدید ایمان، توبہ اور تجدید عہد کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے گا...... ڈاکٹر اسرار احمد کو تنظیم کے ''داعی عمومی'' کی حیثیت حاصل ہوگی...... تنظیم کے رفقاء امیر کی ''اطاعت فی المعروف'' کے پابند ہوں گے...... تنظیم میں شمولیت کے لیے ایک اہم شرط یہ ہوگی کہ تمام کارکنان تجارتی اور نجی ہر نوع کے سودی لین دین سے عملاً تائب ہو جائیں گے اور ایسے اداروں کی ملازمت بھی ترک کردیں جن میں سودی لین دین کا غلبہ ہو۔'' (۶)

چنانچہ سودی لین دین کی شرطِ شمولیت کی بنا پر ایک سو تین (۱۰۳) میں سے باسٹھ افراد نے بالفعل شرکت کی۔ یوں مارچ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا باقاعدہ طور پر قیام عمل میں آیا۔ ڈھائی سالہ عبوری دور کے بعد ۱۱ اگست ۱۹۷۷ء کو بالاتفاق رائے یہ طے پایا کہ تنظیم اسلامی کے داعی عمومی ڈاکٹر اسرار احمد آج کے بعد سے امیر تنظیم اسلامی ہوں گے اور تنظیم میں داخلہ ان کے ساتھ اطاعت فی المعروف کی بیعت کا شخصی رابطہ استوار کرنے سے ہوگا۔ (۷) مزید برآں امیر تنظیم کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا جانشین مقرر کردیں۔ (۸)

تنظیم اسلامی کی اساس

تنظیم اسلامی کی تنظیمی اساس شخصی بیعت پر قائم ہے اور اس میں شمولیت ذاتی طور پر امیر کے ساتھ بیعت جہاد کا تعلق استوار کرکے ہی ہوسکتی ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص پہلے کسی شیخ طریقت سے بیعت ارشاد میں منسلک ہو لیکن وہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کا خواہاں ہو تو اسے اچھی طرح سمجھ لینا ہوگا کہ تنظیم کی ''بیعت جہاد'' بیعت ارشاد سے فائق ہوگی۔ (۹)

تنظیم اسلامی کی بنیاد چونکہ شخصی بیعت پر قائم ہے اور فی زمانہ بیعت کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے اس لیے ڈاکٹر اسرار صاحبؒ نے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ آپ نے امت مسلمہ کی تیرہ سو سالہ تاریخ کی شہادت کی بنا پر یہ کام کیا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی منظم جدو جہد کے لیے جماعت سازی کی ضرورت پیش آئی وہاں ہمیشہ بیعت ہی کے طریقے کو اختیار کیا گیا۔ (۱۰)

تنظیم اسلامی کا نصب العین

اسلام دین ہے محض مذہب نہیں' اس میں نہ صرف انفرادی زندگی بلکہ اجتماعی زندگی کے بارے میں بھی احکامات دیے گئے ہیں لہٰذا جہاں انفرادی زندگی میں اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے وہیں اجتماعی زندگی میں بھی اسلامی احکام کے مطابق عمل ضروری ہے۔ تنظیم اسلامی کا قیام اسی لیے عمل میں لایا گیا تاکہ دین کے انفرادی اور اجتماعی مطالبات کو احسن طریقے سے ادا کیا جا سکے۔ افراد کی اصلاح ہو' دین کی اشاعت کا ولولہ پیدا ہو' دعوت فرد سے خاندان اور پھر معاشرے میں تبدیلی کا باعث ہو جس کے نتیجے میں باطل نظریات کا ابطال' اسلام پر کامل یقین اور شکوک وشبہات کا ازالہ ہو اور اللہ کے دین کا غلبہ کل روئے زمین پر ہو جائے۔ تنظیم اسلامی کا نصب العین دستور تنظیم اسلامی میں اسی بات کی نشاندہی کرتا ہے:

> ''تنظیم اسلامی نہ معروف معنی میں سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ بلکہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے جو پہلے پاکستان اور بالآخر کل روئے زمین پر اللہ کے دین کے غلبے' یعنی اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام بالفاظ دیگر ''اسلامی انقلاب'' اور اس کے نتیجے میں ''نظام خلافت علی منہاج النبوۃ'' کے قیام کے لیے کوشاں ہے۔ انفرادی سطح پر اس کے جملہ شرکاء کا اصل نصب العین صرف رضائے الٰہی اور نجات اخروی کا حصول ہے۔'' (۱۱)

تنظیم اسلامی کی دعوت

تنظیم اسلامی دعوت کے ضمن میں ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کر رہی ہے جو بطور مسلمان ایک آدمی پر فرض ہیں۔ یعنی عبادت رب' شہادت حق و اقامت دین۔ دین اسلام ایک مسلمان سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ ہم دین پر عمل پیرا ہوں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب ہم اللہ کو اپنا مالک اور حاکم تسلیم کر کے اپنی پوری زندگی کو اس کی اطاعت میں دے دیں اور اس کی اطاعت کے سامنے اپنی مرضی سے دستبردار ہو جائیں۔ اللہ کی مرضی کے خلاف

کوئی ہم سے کچھ نہ کرا سکے۔ ہمارے لیے حکم اسی کا ہو اور اس کی مرضی کے خلاف ہر حکم سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے اور ہماری زندگی مکمل طور پر اللہ کی اطاعت میں آ جائے۔ یہ اطاعت جز وقتی نہ ہو بلکہ ہمہ وقتی ہو اور زندگی کے کسی ایک شعبہ میں نہ ہو بلکہ تمام شعبوں میں ہو۔ جب ہم اپنی زندگی احکام الٰہی کے مطابق گزارنے لگیں تو پھر دین کو دعوت و تبلیغ کے ذریعے پھیلائیں (تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دے سکیں کہ ہم نے تیرا دین پہنچا دیا تھا)۔ فرائض دینی کی ادائیگی یہیں ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ جس دین کو ہم نے اپنی زندگیوں میں اللہ کے لیے نافذ کیا ہے اور اسے لوگوں میں پھیلایا ہے' اب اسے دنیا میں قائم کرنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔

تنظیم اسلامی کی دعوت بھی ان تین بنیادی اور اساسی باتوں پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس دعوت کو قرآن حکیم' سنت و سیرت نبویؐ اور سیر صحابہؓ کے مطالعہ سے اور اس امت کی پوری تاریخ پر نگاہ ڈالنے کے بعد اخذ کیا ہے جسے آپ دینی فرائض کا جامع تصور قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تنظیم اسلامی کی دعوت ایک کتابچہ ''دینی فرائض کا جامع تصور'' میں وضاحت سے بیان کی ہے۔ جس کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:

ایک مسلمان کے اساسی دینی فرائض تین ہیں:

(۱) وہ خود صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنے۔

(۲) دوسروں کو حتی المقدور اسلام کی تبلیغ کرے اور دین کی دعوت دے۔

(۳) وہ اللہ کے کلمہ کی سربلندی اور اس کے دین حق کے بالفعل قیام اور غلبے کے لیے تن من دھن سے کوشاں ہو۔

ڈاکٹر صاحب ان تین اساسی فرائض کو جنہیں آپ سہ منزلہ عمارت سے تشبیہہ دیتے ہیں' ان سے عہدہ برآ ہونے یا ان منازل کو سر کرنے کے لیے تین لوازم کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک فرائض دینی کا تصور اسی صورت میں مکمل ہوگا جب ان بنیادی امور کے ساتھ ساتھ ان لوازمات کو بھی اپنی زندگی میں شامل کر لیں جو درج ذیل ہیں:

<u>(۱) جہاد</u>: یعنی دعوت دین کے لیے اپنے نفس' جان و مال کو کھپانا اور اولاً نفس اور باطل نظریات کے خلاف یہ جہاد قرآن کے ذریعے کرنا۔ بعد ازاں باطل نظام کو ہٹانے اور باطل کے علمبرداروں سے نبرد آزما ہونے کے لیے آخری منزل قتال فی سبیل اللہ کا راستہ اختیار کرنا۔

(۲) التزام جماعت: فرائض دینی کے ضمن میں دوسرا لازمی تقاضا التزام جماعت ہے۔ کیونکہ ہر فرد اس بات پر مکلّف ہے کہ وہ اقامت دین اور شہادت حق جیسے فرائض ایک اجتماعی جدوجہد کی صورت میں ادا کرے، اگر پہلے سے کوئی جماعت یہ کام کر رہی ہو تو اس میں شریک ہو جائے اور اگر وہ کوئی ایسی جماعت نہ پائے تو تن تنہا کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے ایک ایسی جماعت کا قیام عمل میں لائے جو ان فرائض سے عہدہ برآ ہو سکیں اور یہ جماعت سمع و طاعت فی المعروف کے ٹھیٹھ اسلامی اصولوں پر مبنی جماعت ہو۔

(۳) بیعت: دینی فرائض کے لوازم میں تیسری چیز یہ ہے کہ اس جماعت کا جو نظام ہو وہ بیعت اور سمع و طاعت فی المعروف کے اصول پر مبنی ہو۔ (۱۲)

الغرض تنظیم اسلامی قرآن و سنت کے ذریعے دین کے بنیادی فرائض کی دعوت اور توحیدِ خالص پر ایمان کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کی ادائیگی کے لیے کام کر رہی ہے جس کے شرکاء کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول اور ہدف افراد کی اصلاح و فلاح دنیا و آخرت ہے اور اس نے قرآن حکیم کو ہی تعلیم و تنظیم، تربیت و تزکیہ نفس کا محور و مرکز بنایا ہے۔

تنظیم اسلامی کی دعوت وانقلاب کا طریق کار

کسی بھی کام کے آغاز سے پہلے اس کا طریق کار متعین کیا جاتا ہے تاکہ وہ کام بخوبی سرانجام دیا جا سکے اسی لیے جب کوئی تنظیم، جماعت یا ادارہ کوئی عملی اقدام اٹھاتا ہے تو وہ اپنے کام کے آغاز میں ترتیب اور نظم و ضبط کے لیے لائحہ عمل طے کر لیتا ہے کہ اسے کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

اسی طرح اسلامی اور دینی جماعتیں بھی جب کام شروع کرتی ہیں تو اپنا ایک دستور اور لائحہ عمل طے کرتی ہیں جس کے مطابق وہ اپنی دعوت لوگوں تک پہنچاتی ہیں۔ تنظیم اسلامی بھی چونکہ ایک اسلامی دعوتی اور انقلابی جماعت ہے اور اس کی دعوت کا اپنا ایک مخصوص طریق کار ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک یہ طریق دعوت و انقلاب خالصتاً اسلامی اور نبویؐ طریق کار سے ماخوذ ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے تنظیم اسلامی کی دعوتِ انقلاب کے طریق کار کو درج ذیل چھ مراحل میں تقسیم کیا ہے:

(۱) دعوت: ہر دعوت کی بنیاد ایک مخصوص فکر و نظریہ پر ہوتی ہے جب تک یہ فلسفہ ذہن میں نہ بیٹھ جائے انقلاب کے لیے کوئی اقدام نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اسلام کی نظریاتی اساس ایمان پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ دعوتِ ایمان بذریعہ قرآن ہو گی۔ کیونکہ قرآن کی دعوت

کے نتیجے میں جو ایمان پیدا ہوگا اس سے اعمال صالحہ سرزد ہوں گے اور انقلاب کے لیے ایسے ہی افراد کی ضرورت ہوتی ہے' جن کے قلوب واذہان نورِ ایمان سے منور ہوں۔ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''اسلامی انقلابی جدوجہد کا پہلا قدم دعوت ایمان بذریعہ قرآن ہے اس طرح جو حقیقی ایمان حاصل ہوگا اس کے نتیجے میں انسان کا عمل درست ہوگا۔ یہ لوگ آپ کی دعوت سے اس انقلابی فکر کی طرف کھنچیں گے۔ یہ دعوت' دعوتِ ایمان ہوگی اور اس کا ذریعہ قرآن ہوگا۔''(۱۳)

(۲) تنظیم: جو لوگ اس نظریے کو قبول کر لیں انہیں ایک ہیئت اجتماعی کے تحت مضبوط نظم وضبط والی جماعت کے تحت منظم کیا جائے گا کیونکہ باطل کے نظام کو تبدیل کرنے کے لیے ایک منظم و مضبوط جماعت درکار ہوتی ہے۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

''ان مردان کار کی تیاری کے بعد جو دوسرا مرحلہ آتا ہے وہ تنظیم کا مرحلہ ہے۔ وہ لوگ جو اس دعوت ایمان کے نتیجے میں اپنی ذات پر اللہ کا دین قائم کر چکے ہیں جب تک انہیں کسی مضبوط تنظیم کے اندر جوڑا نہیں جائے گا یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔''(۱۴)

(۳) تربیت: انقلابی جماعت کے کارکنوں کے ذہن سے ایک لمحہ کے لیے بھی انقلابی نظریہ فراموش نہیں ہونا چاہیے' اس لیے ان کی تربیت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اب ان جانثاروں کی تربیت وتزکیہ ہوگا اور تزکیہ کا یہ عمل بھی قرآن کے ذریعے ہوگا۔''(۱۵)

(۴) صبر محض: چوتھا مرحلہ صبر محض کا ہے جس کا مطلب ہے کہ انقلابی تحریک کے کارکن ہر قسم کے اشتعال دلانے کے مقابلے میں صبر سے کام لیں' نہ مشتعل ہوں نہ مایوس ہوں کہ دعوت انقلاب ترک کر دیں۔کوئی گالی دے' پتھر مارے' صبر سے کام لینا ہے۔ یہ رویہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس لیے اختیار کرنا ہے:

''شروع میں انقلابی تحریک کے کارکن تھوڑے سے ہوتے ہیں اگر وہ بھی مشتعل ہو جائیں تو اس (باطل) سسٹم کو حق حاصل ہوگا کہ انہیں کچل کر ختم کر دیا جائے لیکن اگر وہ کچھ نہیں کر رہے' کوئی جوابی کارروائی نہیں کر رہے تو انہیں تشدد وتعذیب کا نشانہ تو بنایا جائے گا لیکن انہیں کچلا نہیں جا سکے گا۔''(۱۶)

(۵) راست اقدام (Active Resistance): پانچواں مرحلہ راست اقدام کا ہے جس میں باطل کو للکارنے کے لیے مردانِ حق نے مناسب وقت کا تعین کرنا ہے۔ یہ اقدام وقت پر تیاری کے ساتھ ہو۔ اس اقدام کا فیصلہ تب ہو جب یہ محسوس ہو کہ ہماری کافی تعداد ہے۔ نظم و ضبط کی پوری پابندی ہو اور انقلابی کارکن اپنے مشن کی خاطر جان و مال سمیت ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں:

> ''اگر طاقت اتنی فراہم ہوگئی کہ اقدام کیا جا سکتا ہے تو آگے بڑھو اور باطل کو للکارو اور چیلنج کرو اور اس نظام کی کسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑو۔ اسے جدید اصطلاح میں کہا جائے گا Active Resistance یا راست اقدام۔''(۱۷)

(۶) مسلح تصادم: آخری مرحلہ مسلح تصادم ہے یعنی موجودہ نظام اور اس کے محافظوں کے ساتھ انقلابی کارکنوں کا باقاعدہ مسلح تصادم ہوگا کیونکہ جب پورے سسٹم کو راست اقدام کے ذریعے براہ راست چیلنج کر دیا تو نظام باطل اس کو کچلنے کے لیے اپنی پوری قوت لگائے گا۔ اسلامی انقلاب کی صورت میں یہی مسلح تصادم قتال فی سبیل اللہ بن جاتا ہے۔(۱۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار کے نزدیک سنت و سیرت سے اخذ شدہ یہ دعوت و انقلاب کا طریق کار ہے جس کے لیے باطل نظام سے ٹکر لے کر اسلامی انقلاب لایا جا سکتا ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو انقلاب کے اس طریق کار کے لیے ابھی تنظیم اسلامی کے پاس اتنے تربیت یافتہ کارکن نہیں ہیں کہ وہ باطل کے نظام کو چیلنج کر سکیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ تنظیم اسلامی بذریعہ تحریر و تقریر قرآن و سنت کی روشنی میں معروف پر عمل اور بدی سے نفرت دلانے اور پرامن احتجاجی آواز اٹھانے کی کوششیں بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ اس بات کی غمازی ہے کہ اگر ان کے پاس مطلوبہ طاقت (۱۹) اکٹھی ہو جائے تو تنظیم اسلامی عملی اقدام اٹھانے کی کوشش کرے گی۔

تنظیم اسلامی میں شمولیت

تنظیم اسلامی کے عہد نامہ رفاقت پر دستخط کرنے اور تنظیم کے تحریری فیصلے کی قبولیت کے بعد ایک شخص تنظیم کا رفیق متصور ہوتا ہے۔ جس کی درجہ بندی اس طرح ہوتی ہے۔

(۱) مبتدی رفیق: بیعت مسنونہ کے رشتے میں منسلک ہونے کے بعد ایسے شخص کو اُسرہ یا مقامی تنظیم یا دفتر حلقہ سے منسلک کر دیا جائے گا۔ ایسا شخص مبتدی رفیق کہلائے گا۔ جس پر دین کے

جملہ فرائض وواجبات کی ادائیگی اور حرام ومکروہات سے اجتناب اور شعائر دینی کے اہتمام کے ساتھ ساتھ ایک تعارفی اجتماع میں شرکت کرنا' ہفت روزہ مبتدی تربیت گاہ میں شرکت کرنا' مبتدی تربیتی نصاب کی تکمیل کرنا' اپنے آپ کو نظم کی پابندی کا خوگر بنانا اور ماہانہ بنیاد پر انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام کرنا لازم ہوگا۔

(۲) ملتزم رفیق: مذکورہ بالا شرائط کی تکمیل کرنے والے کو امیر حلقہ ملتزم کی بیعت سمع وطاعت کی دعوت دے گا اور وہ عہد نامہ برائے ملتزم رفقاء پر دستخط کرنے کے بعد ملتزم تصور ہوں گے جن پر متعلقہ نظم کے احکامات کی تعمیل کرنا' ملتزم تربیت گاہ میں شرکت کرنا' ذاتی وانفرادی دعوتی کام کرنا' انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام کرنا اور (شادی شدہ رفیق کو) ایک گھریلو اسرہ قائم کرنا لازم ہوگا۔

تقرری ذمہ داران: تنظیم میں اُسروں کے نقیب' مقامی تنظیموں کے امراء' امرائے حلقہ اور مقامی ومرکزی ناظمین ودیگر ذمہ داران کا تقرر ملتزم رفقاء میں سے ہوگا۔ مجلس مشاورت میں حق رائے دہی بھی ملتزم رفقاء کو حاصل ہوگا۔

جو ذمہ داران اپنی معیشت کو حرام سے پاک' معاشرت کو بدعات اور لادینی رسومات سے پاک اور ستر وحجاب کے احکام کی تنفیذ کر چکے ہوں گے وہی تنظیم اسلامی کے مناصب کے اہل ہوں گے۔ (۲۰)

تنظیمی ڈھانچہ

تنظیم اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ مرکزی وحلقہ جاتی نظام' مقامی تنظیموں' اسرہ جات اور منفرد رفقاء پر مشتمل ہے۔ جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) منفرد رفقاء: اگر کسی مقام پر تین سے کم رفقاء نقیب کی ذمہ داری نہ سنبھال سکیں وہ منفرد قرار دے کر براہ راست مرکز یا حلقہ سے منسلک ہوں گے۔

(۲) نظام اُسرہ: تنظیم میں بنیادی یونٹ ''اُسرہ'' کی حیثیت معاشرے میں خاندان کی سی ہے۔ تین سے زائد جس مقام پر رفقاء ہوں اور کوئی رفیق نقیب کی ذمہ داری سنبھال لے وہاں نظام اسرہ قائم کر دیا جائے گا اور دس سے زیادہ رفقاء ہونے پر علیحدہ اسرہ قائم کر دیا جائے گا۔ امیر حلقہ یا مقامی امیر ہی اسرہ کے نقیب کا تقرر اور اس سے رپورٹ حاصل کرے گا۔

☆ نقیب اسرہ کے فرائض:

(i) اپنے اسرہ میں شامل رفقاء کے ذاتی اور خاندانی حالات سے باخبر رہنا۔

(ii) رفقاء کی علمی اور عملی تربیت اور ترقی کی نگرانی کرنا۔ نیز اصلاح احوال کے لیے مشورے دینا اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلانا' دعوتی و تنظیمی پروگرام منعقد کرنا۔

☆ نظام اجتماعات: اُسرہ جات کے لیے درج ذیل اجتماعات یا اس سے زیادہ اجتماعات کے انعقاد کو ممکن العمل بنانے کو بنظر تحسین دیکھا جائے گا۔

ا: حلقہ جاتِ قرآنی' ہفتہ وار بنیادوں پر دروس قرآن کا اہتمام

ب: تنظیمی و تربیتی اجتماع اسرہ' جس کا ہفتہ وار یا کم از کم پندرہ روزہ بنیادوں پر انعقاد ہوگا۔ اس کا تربیتی نصاب قرآنِ مجید کی تلاوت مع تجوید' حفظ' تذکیر (ترجمہ و ترجمانی) تفہیم اور منتخب نصاب' سنت و سیرت' مطالعہ احادیث' ادعیہ ماثورہ اور اذکارِ مسنونہ پر مشتمل ہوگا۔

☆ نظام مالیات: اُسرہ جات سے متعلق رفقاء اپنا انفاق براہ راست حلقہ یا مقامی تنظیم کے بیت المال میں جمع کرائیں گے۔ اُسرہ کی سطح پر کوئی بیت المال نہیں ہوگا۔ [۲۱]

(۳) مقامی تنظیم: تنظیم کا پہلا باضابطہ یونٹ مقامی تنظیم ہے جو کم سے کم دو اسروں یا اتنے زیادہ اسروں پر مشتمل ہو کہ انہیں علاقوں کی صورت میں مجتمع کر دیا جائے۔ ان پر نقبا اعلیٰ مقرر ہوں گے جس کی حیثیت مقامی امیر کی ہوگی۔ جس مقام پر رفقاء کی کم از کم تعداد پندرہ یا اس سے زائد ہو' ان میں پانچ ملتزم رفقاء بھی موجود ہوں وہاں مقامی تنظیم قائم کر دی جائے گی جو اپنی ذمہ داریوں کی رپورٹ حلقہ کے امیر یا ناظم کو کریں گے۔

☆ ذمہ داران مقامی تنظیم: ہر مقامی تنظیم میں تین ذمہ دار لازماً ہوں گے:

(۱) امیر مقامی تنظیم

(۲) معتمد مقامی تنظیم

(۳) ناظم مقامی بیت المال

☆ نظام اجتماعات: مقامی تنظیموں کے لیے درج ذیل اجتماعات کا انعقاد لازم ہوگا۔

(i) فہم دین پروگرام: یہ پروگرام کم از کم ماہانہ بنیادوں پر منعقد کیا جائے گا۔ دعوتی نصاب سے گزرتے ہوئے احباب کو خصوصی دعوت دے کر تنظیم کی فکر پیش کی جائے گی۔

(ii) ماہانہ تربیتی اجتماع: ماہانہ اجتماع ترجیحاً شب بیداری کی شکل میں منعقد کیا جائے گا۔ تربیتی نصاب سے بہتر استفادہ کے لیے مطالعہ' سماعت' تدریس' مذاکرہ' افہام و تفہیم' ورکشاپ یا کوئی دیگر مفید انداز اختیار کیا جائے گا۔

(iii) امر بالمعروف ونہی عن المنکر باللسان: اجتماعی سطح پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر باللسان کم ازکم ہر دوسرے ماہ ایک دن مختص کرنا جس میں معاشی' معاشرتی اور ریاستی گوشوں سے متعلق منکرات کی مہم اپنے علاقہ میں چلانا اور اس میں ہینڈبل کی تقسیم' پلے کارڈز کے ساتھ منظم خاموش مظاہرہ' کارنر میٹنگ کی شکل میں اختتامی خطاب جیسی سرگرمیاں کی جائیں گی۔

(iv) جہاں اسروں کا قیام عمل میں نہ آیا ہو وہاں دعوتی پروگرام منعقد کرانا:

☆ نظام مالیات: مقامی تنظیم اور اسروں کے اخراجات اور آمدن کا حساب کتاب رکھنا وغیرہ

☆ نظام مشاورت: مقامی تنظیم کی سطح پر جائزہ اور مشاورت باہمی کا اہتمام کرنا۔ (۲۲)

(۴) نظام حلقہ جات: دعوت کی توسیع اور تنظیمی رابطوں کو آسان اور مستحکم بنانے کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں' صوبوں اور ضلعوں کی سطح پر' حلقہ جات قائم کیے جائیں گے جن کی حیثیت تنظیم میں خود مختار یونٹ کی ہوگی۔ امرائے حلقہ اپنے اپنے علاقے میں امیر تنظیم اسلامی کے نمائندے کی حیثیت سے نظام العمل کے مطابق دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں کے خود مکلفی اور ذمہ دار ہوں گے۔ ناگزیر حالت میں مرکز افرادی و مالی اسباب فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ امرائے حلقہ/ ناظمین اپنی ذمہ داریوں کی رپورٹ تنظیم کے ناظم اعلیٰ کو کریں گے۔

☆ ذمہ داران حلقہ: ہر حلقہ میں تین ذمہ دار لازماً ہوں گے۔

(i) امیر/ ناظم حلقہ (ii) معتمد (iii) ناظم بیت المال

ضرورتاً نائب امیر/ ناظم کا تقرر بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔

☆ امیر حلقہ کے فرائض

(۱) اپنے علاقے میں جہاں مقامی نظم یا اسرہ جات قائم نہ ہوں وہاں توسیع دعوت وتعارف تنظیم کے لیے منصوبے بنانا' خطابات جمعہ' حلقہ جات قرآنی قائم کرنا' دعوتی پروگرام تشکیل دینا۔

(۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر باللسان کے ضمن میں مہمات تقسیم ہینڈبل' وفود کی شکل میں نمایاں حضرات سے ملاقاتیں کرنا اور حسب موقع مظاہروں کا اہتمام کرنا۔

(۳) مقامی سطح پر معین دعوتی اور تنظیمی پروگراموں کا انعقاد یقینی بنانا' دفتر حلقہ کی نگرانی اور املاک کی حفاظت کرنا' مقامی تنظیموں کے رفقاء اور اسرہ جات کے نقباء سے ان کے رفقاء کی دینی' تنظیمی اور دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لینا اور ہر سہ ماہی ریکارڈ کی رپورٹ مرکز کو پہنچانا۔

☆نظام مالیات: حلقہ کی آمدن اور اخراجات سے متعلق امور کی انجام دہی اور حلقہ جات کے بیت المال کے حسابات اور جملہ املاک نیز مکتبہ اور لائبریری کے اثاثہ جات کی جانچ پڑتال کرنا۔ نیز مرکزی ناظم بیت المال مندرجہ بالا ان امور کو سرانجام دیں گے۔

☆نظام مشاورت: حلقہ جاتی سطح پر انتظامی امور اور کارکردگی کے ضمن میں امیر حلقہ اور ذمہ داران حلقہ کے درمیان باہمی مشاورت کا ادارہ ہے۔ (۲۳)

۵۔مرکزی نظام: تنظیم اسلامی کی سربراہی اور رہنمائی امیر تنظیم کی ذمہ داری ہے۔ فیصلہ کرنے کا اختیار حسب موقع دستور اور نظام العمل میں کمی بیشی کا اختیار امیر تنظیم کو حاصل ہوگا۔

اختیارات کے ضمن میں ہر معاملے میں امیر تنظیم کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا اور جملہ تنظیمی اختیارات امیر تنظیم ہی کو حاصل ہیں۔

(۱) مرکزی ذمہ داران اور فرائض

☆ناظم اعلیٰ: مرکز کے جملہ شعبوں کی نگرانی اور ان کے مابین رابطہ اور ہم آہنگی پیدا کرنا۔ حلقہ جات اور اُسرہ جات کی دینی' تنظیمی اور دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لینا۔

☆معتمد عمومی: تنظیم کے مرکزی دفتر سے متعلق جملہ امور کی انجام دہی کے فرائض سرانجام دینا۔

☆ناظم بیت المال: تنظیم اسلامی کے تمام مالی امور کی نگرانی اور حلقہ جات/مقامی تنظیموں کے حسابات کی جانچ پڑتال۔

☆مرکزی ناظم تربیت: تنظیم کے جملہ تربیتی نصاب کا جائزہ لینا اور تربیت گاہوں کا انعقاد کرانا۔

☆ناظم شعبہ نشر و اشاعت: اخبارات و جرائد سے مسلسل رابطہ' مضامین کی اشاعت' امیر تنظیم کے خطاب جمعہ اور دیگر بیانات پر مشتمل پریس ریلیز کا اجراء وغیرہ۔

☆مرکزی ناظم دعوت: سالانہ اجتماع یا کسی اہم تنظیمی اجلاس کے لیے دعوتی اہداف کی تجاویز' ہدایات اور ضروری مواد کی فراہمی' بلا معاوضہ دعوتی لٹریچر کی تقسیم اور مختلف حلقوں کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لینا۔

☆محاسب تنظیم اسلامی پاکستان: مرکز کے جملہ اثاثہ جات اور حسابات کی جانچ پڑتال۔ (۲۴)

(۲) نظام مشاورت

نظام بیعت کے مطابق تنظیم اسلامی کی سربراہی اور راہنمائی اصلاً امیر تنظیم کی ذمہ داری ہے۔ تاہم مشورہ امیر تنظیم کی دینی اور تنظیمی ضرورت ہے جس کو پورا کرنے کے لیے تنظیم میں

مناسب مواقع کا اہتمام کیا جائے گا لیکن بیعت کے دینی اور منطقی تقاضے کے طور پر امیر تنظیم کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا۔

نظام مشاورت کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ا: مرکزی اسرہ/مجلس عاملہ: تنظیم اسلامی کے مقاصد کے حصول کے لیے امیر تنظیم' نائب امیر' ناظم اعلیٰ' معتمد عمومی اور ناظم بیت المال' ناظم تربیت اور ناظم نشرو اشاعت باہم مشورے کرتے رہیں گے۔

ب: توسیعی مجلس عاملہ: تنظیم کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے اور باہمی مشاورت کے لیے مجلس عاملہ اور اسرائے حلقہ پر مشتمل ایک توسیعی مجلس عاملہ تشکیل دی جائے گی۔ جس کا اجلاس ہر دو ماہ بعد امیر تنظیم کی زیر صدارت منعقد ہوگا۔

ج: مرکزی مجلس مشاورت: ایک معین مرکزی مجلس مشاورت قائم کی جائے گی جس میں مرکزی اسرہ مجلس عاملہ اور توسیعی مجلس عاملہ کے علاوہ تنظیم کی وسعت کے پیش نظر ایک مناسب تعداد ملتزم رفقاء کی آراء کی روشنی میں صائب الرائے رفقاء شامل کیے جائیں گے......اس مجلس میں پالیسی' طریق کار اور کارکردگی کے امور پر امیر تنظیم اراکین کی آراء' تجاویز اور تاثرات سے استفادہ کریں گے۔ مالیاتی رپورٹ بھی پیش ہوگی نیز امیر تنظیم اور اراکین مجلس عاملہ پر تنقید کی جا سکے گی۔ (۲۵)

د: توسیعی مشاورت: تنظیم کے جملہ رفقاء کی آراء سے مستفید ہونے کے لیے وقتاً فوقتاً توسیعی مشاورت کے اجلاس منعقد کیے جائیں گے جو تنظیم کی توسیع کی مناسبت سے کچھ حلقوں کو ملا کر یا حلقہ جات کی سطح پر بھی منعقد کیے جا سکیں گے۔ ہر سال توسیعی مشاورت کے دو اجلاس منعقد کیے جائیں گے۔ ایک اجلاس لاہور میں اور دوسرا کراچی میں جس میں جملہ رفقاء کو پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں اظہار رائے کی مکمل آزادی ہوگی۔ لیکن ذاتی تنقید یا محاسبہ صرف (امیر تنظیم کا کیا جا سکے گا)۔ (۲۶)

حلقہ خواتین تنظیم اسلامی

مارچ ۱۹۷۵ء میں جب تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس کی دعوت کا اولین ہدف مرد حضرات ہی تھے چونکہ شہادت علی الناس اور اقامت دین کی ذمہ داری اصلاً مردوں پر ہی عائد ہوتی ہے لیکن اگر گھر کی خواتین کی طرف سے مردوں' اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف سے تعاون

نہ ملے اور اطمینان حاصل نہ ہو تو وہ اپنے یہ فرائض بخوبی انجام نہیں دے سکتے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی محسوس کی گئی کہ خود خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کا کوئی اہتمام کیا جائے۔ خاص طور پر جن گھروں کے مرد تنظیم میں شامل ہوں ان کی خواتین میں دین کا شعور اُجاگر کیا جائے تاکہ مردوں کی معاونت اور آئندہ نسل کی صحیح تربیت ہو سکے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر جنوری ۱۹۸۳ء میں تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا قیام عمل میں آیا۔ اس موقع پر ۱۹ خواتین نے محترم امیر و بانی تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا اصل مقصد یہی تھا کہ خواتین میں بھی دین کا وہ انقلابی اور جامع تصور اُجاگر ہو جو امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی کوششوں سے مردوں میں نفوذ کر رہا ہے۔ بانی و امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی زوجہ محترمہ ہی حلقہ خواتین کی ناظمہ ہیں۔

تنظیم میں شمولیت کا مقصد اور طریقہ

تنظیم میں شمولیت کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی اور اُخروی نجات کا حصول ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے تنظیم کا پروگرام اور طریقہ خواتین کے پیش نظر رکھنا ہوگا یعنی:

(۱) اپنے نفس کو اللہ کے حکموں کے مطابق ڈھالنا۔

(۲) شریعت کے عائد کردہ دائرہ کار کے حوالے سے اپنی اولاد محرم رشتہ داروں اور خواتین کو اللہ کے دین کی دعوت دینا۔

(۳) اقامت دین کی اجتماعی جدوجہد کے ضمن میں اپنے مردوں کو بھرپور تعاون دینا۔ (۲۷)

تنظیم میں شمولیت امیر تنظیم سے بیعت مسنونہ کے رشتہ میں منسلک ہونے سے ہوگی۔ (۲۸)

رفیقات کی درجہ بندی

تنظیم میں شمولیت اختیار کرنے والی خواتین کو ذمہ داریوں کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) رکن رفیقات: ہر رفیقہ جو اپنے اصل میدان کار یعنی گھریلو ذمہ داریوں میں پوری طرح مصروف ہے ''رکن رفیقہ'' کہلائے گی۔

(۲) کارکن رفیقات: ایسی رفیقات جن کے پاس اپنی اصل گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد وقت کی فراغت ہو۔ درس و تدریس یا تعلیم وتعلم یا انتظامی خدمات سرانجام دے سکیں وہ کارکن رفیقات کہلائیں گی۔

رکن اور کارکن رفیقات کی ذمہ داریاں

حلقہ خواتین تنظیم اسلامی کی رکن رفیقات اور کارکن رفیقات پر تنظیمی فرائض بھی عائد کیے جاتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱) سیرت النبی ﷺ اور ازواج مطہراتؓ کے اسوہ سے رہنمائی لیتے ہوئے خود اپنی ذات میں بندگی رب کے تقاضے پورے کرنا۔

(۲) اپنے دینی علم میں اضافہ اور جذبہ ایمانی میں اضافے اور اعمال صالحہ کی کوشش کرتے رہنا۔

(۳) اس تربیتی نصاب اور دعوتی لٹریچر کی تکمیل کرنا جو خواتین کا مرکزی اسرہ معین کرے۔

(۴) اولاً جان پہچان کی خواتین اور محرم مردوں تک تبلیغ و دعوت کا کام کرنا۔

(۵) اپنے شوہر باپ بیٹوں اور بھائی کے تعاون سے گھریلو اسرہ (یعنی ان کا اپنا گھر) کے انعقاد کی کوشش کرنا۔

(۶) اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد میں ماہانہ بنیادوں پر انفاق کرنا۔

(۷) بطور معاونہ تقرر کی صورت میں رفیقات اور مردوں کے مقامی نظم کے مابین محرم مردوں کے ذریعے رابطہ کی خدمات سرانجام دینا' تنظیمی' تربیتی و دعوتی پروگرام منعقد کروانا۔ رفیقات سے انفاق کی وصولی کرنا' اسے مقامی نظم میں جمع کروانا اور خواتین کے دروس کے حلقوں میں تدریسی فرائض سرانجام دینا۔

خواتین بھی ایک تنظیمی ڈھانچہ کے تحت کام کر رہی ہیں لیکن ان کا نظم مردوں کے تحت ہے۔(۲۹)

اس طرح رفیقات تنظیم اسلامی قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے اسلام کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں اور لاہور کے علاوہ بھی مختلف شہروں کراچی' ملتان' فیصل آباد' ہارون آباد' نوشہرہ' پشاور' میانوالی' گوجر خان' گوجرہ' شیخوپورہ' سرگودھا' اسلام آباد' راولپنڈی' سیالکوٹ' کوئٹہ' کوہاٹ' فورٹ عباس' خیر پور' رحیم یار خان' پنڈی گھیپ' سکھر' مردان' بہاولپور تک خواتین تنظیم اسلامی کی دعوت کا دائرہ وسعت اختیار کر گیا ہے۔ یہ خواتین اپنے اپنے حلقوں میں نظام العمل کے مطابق دینی و تربیتی پروگراموں کا انعقاد کرانے میں مصروف عمل ہیں۔ موجودہ صورت حال کے مطابق لاہور کے حلقہ خواتین میں رفیقات کی موجودہ تعداد ۴۸۲ ہے جبکہ لاہور سمیت درج بالا حلقوں میں رفیقات کی کل تعداد ۱۹۳۱ ہے۔ نیز شارجہ' سعودی عرب میں ۱۱۳ اور لندن میں ۱۳۵ رفیقات اپنے اپنے فرائض

انجام دے رہی ہیں۔ (۳۰)

اگر چہ ان کی تعداد مختلف حلقوں میں بہت زیادہ نہیں ہے لیکن بارش کے پہلے قطرے کے مصداق اگر تھوڑا تھوڑا بھی کوئی کام کیا جائے تو وہ بہت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ رفیقات بھی اپنے گھر اور گردونواح میں اسلامی تعلیمات پھیلانے میں مصروف ہیں۔

طلبہ تنظیم اسلامی (سٹوڈنٹس ونگ)

تنظیم اسلامی کا سٹوڈنٹس ونگ ۱۹۸۸ء میں اقامت دین کی جدوجہد میں نوجوانوں کے مؤثر اور جاندار کردار کی ضرورت کے پیش نظر قائم کیا گیا۔ آل پاکستان طلبہ کنونشن کا انعقاد ۱۴ ستمبر اور ۱۵ ستمبر ۱۹۸۸ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوا۔ لیکن طلبہ تنظیم کا نظم کچھ عرصہ کے بعد ختم کر دیا گیا۔ (۳۱)

دعوت تنظیم اسلامی کی وسعت

دعوت تنظیم اسلامی کی وسعت ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کہاں کہاں فروغ پا رہی ہے نیز یہ کہ دعوت کا کام علاقائی سطح پر کس تقسیم کی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ ملکی سطح پر اس سلسلے میں صحیح اعداد و شمار میسر ہیں لیکن غیر ملکی سطح پر ان کی مکمل تفصیل نہیں ملی۔ دعوت کے حوالے سے پاکستان میں تنظیم اسلامی کی علاقائی تقسیم کچھ یوں ہے کہ ۲۰۰۸ء میں تنظیم اسلامی پاکستان دو زونز اور بارہ (۱۲) حلقہ جات پر مشتمل تھی لیکن بعد میں اس کو تین (۳) زونز اور سترہ (۱۷) حلقہ جات میں تقسیم کر دیا گیا۔ حلقہ جات میں مقامی تناظیم کی تعداد ۸۳ اور اسرہ جات کی تعداد ۴۲۲ ہے۔ (۳۲)

تنظیم اسلامی اوورسیز

بیرون ملک تنظیم اسلامی آسٹریلیا، امریکہ، انگلینڈ، سعودی عرب، کینیڈا، ناروے اور متحدہ عرب امارات کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک میں کسی نہ کسی پیمانے پر مصروف عمل ہے۔ (۳۳)

بیرون ممالک میں تنظیم اسلامی شمالی امریکہ جو T.I.N.A کے نام سے مشہور ہے، سب سے بڑی تنظیم ہے۔ ۱۹۸۰ء میں قائم ہوئی۔ ۲۰۰۳ء میں دعوت کو وسعت دینے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد نے رفقاء تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کی بیعت اپنے نامزد کردہ امیر مصطفیٰ الترک کے حوالے کر دی اگر چہ خود امیر مصطفیٰ کی بیعت عالمی تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید کے ہاتھ پر ہی رہے گی۔ اور T.I.N.A کا نصب العین، مقاصد، نہج اور ہیئت تنظیمی بھی حسب سابق

بیعت سمع وطاعت (فی المعروف) کی مخصوص' مسنون اور ماثور اساس پر قائم ہے۔(۴۴)

تنظیم اسلامی کی خدمات

تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد تاسیس ہی یہ ہے کہ اس دور زوال میں اصحاب عزم و ہمت کو منظم کیا جائے اور انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی سعی کی جائے۔ نہی عن المنکر کے سلسلے میں مختلف طریقوں یعنی ذاتی رابطوں' تقریر وتحریر اور مظاہروں کے ذریعے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیا جائے اور آئمہ وقت اور عامۃ الناس کو دین کا پیغام پہنچایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی نے شروع ہی سے معاشرے میں رائج غلط رسومات' بدعات و منکرات کے خلاف اخبارات' رسائل اور پرامن احتجاجی مظاہروں کے ذریعے ارباب اختیار اور عامۃ الناس کی توجہ اس جانب مبذول کی۔ان میں تنظیم اسلامی کے فورم سے جن چند اقدامات پر خصوصی توجہ دی گئی اور جن کی وجہ سے لوگوں میں شعور بھی بیدار ہوا' وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ' ولادت اور وفات کے مواقع پر جو رسوم ادا کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر ہندوانہ تہذیب کی نشانیاں ہیں۔ڈاکٹر اسرار احمد نے باقاعدہ ایک اصلاحی تحریک کے ذریعے اپنی بہت سی تقاریر اور خطبات میں ان غلط رسومات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔خود آپ نے اپنے خاندان میں شادی بیاہ کی رسومات صحیح اسلامی طرز پر انجام دیں' جس سے عامۃ الناس میں ان کے بارے میں صحیح شعور واحساس اجاگر ہوا اور اس تحریک کے اثرات مرتب ہونے شروع ہو گئے۔ پنجاب میں خاص طور پر لاہور میں بہت سے صاحب ثروت حضرات نے اس پر عمل شروع کر دیا۔

اس ضمن میں ایک مثال ڈاکٹر اسرار احمد کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کی ۱۹۷۳ء میں شادی کی ہے۔اس موقع پر آپ نے اپنے خاندان سے اصلاحی پیش قدمی شروع کی بعدازاں آپ نے اپنی صاحبزادیوں کی شادی کے موقع پر بھرپور ثابت قدمی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق شادی کر کے لوگوں کو ایک راستہ دکھایا۔

لہٰذا ڈاکٹر صاحبؒ نے اصلاح رسوم کے لیے واحد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف اتباع سنتؐ کے اصول کو بنایا اور ۱۹۷۳ء میں آپ نے تین پختہ فیصلے کر کے ان کا ''میثاق'' میں ور اجتماع جمعہ کے موقع پر بھی اعلان کر دیا' وہ فیصلے یہ تھے:

☆ میں آئندہ کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا چونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصورات پر مبنی ہے۔

☆ میں نکاح کے موقع پر کسی دعوتِ طعام میں شامل نہیں ہوں گا کیونکہ خیر القرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوت ولیمہ مسنون ہے جس کا ثبوت ہی نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کا تاکیدی حکم ملتا ہے۔

☆ نکاح کی کسی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔(۳۵)

یہ بانی تنظیم اسلامی کی طرف سے غیر اسلامی رسم و رواج کے خلاف ایسی اصلاحی تحریک کی ابتدا تھی جس کی بدولت آج ملک کے بہت سے تعلیم یافتہ گھرانے اسلامی تعلیمات کے مطابق رسوم ادا کر رہے ہیں۔

(۲) دوسری کوشش جو تنظیم اسلامی کی جانب سے معاشرتی برائیوں کی روک تھام کے لیے کی گئی جن میں سرفہرست عریانی' فحاشی اور بے حیائی ہے۔ ان منکرات کو پھیلانے میں ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹیلی ویژن اور اخبارات و جرائد بہت نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے مسلم معاشرہ اسلامی اقدار سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ بے حیائی اور فحاشی کے امڈتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے تنظیم اسلامی پاکستان کی طرف سے پر امن' خاموش احتجاجی مظاہروں کا فیصلہ کیا گیا اور اس کا پہلا مظاہرہ ۲۱ جون ۱۹۸۹ء بروز بدھ دو روزناموں ''جنگ'' اور ''نوائے وقت'' کے دفاتر کے سامنے بیک وقت کیا گیا۔ یہ احتجاجی مظاہرہ دراصل ایک منکر کے خلاف پرامن یلغار تھی۔ یہ پرامن' خاموش مظاہرے عریانی و فحاشی اور بے غیرتی و بے حیائی کے مہلک جراثیم گھر گھر پہنچانے والے اداروں کے سامنے کیے گئے۔ نیز اسی طرح کے مظاہرے ۱۶ اگست ۱۹۸۹ء کو لاہور پی ٹی وی کے دفاتر کے سامنے ٹیلی ویژن پر فحاشی اور عریانی کے بند کرنے کے لیے کیے گئے۔ بینرز اور کتبوں کے ذریعے جن پر فحاشی اور عریانی کی مذمت پر مشتمل عبارات درج تھیں' ذرائع ابلاغ کو منکرات سے بچنے کا احساس دلایا جا رہا تھا۔ چنانچہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے بے پردگی اور عریانی کے فروغ کے خلاف جو پر امن مظاہرے لاہور سے شروع ہوئے ان کا دائرہ کار پاکستان کے دوسرے شہروں تک وسیع کر دیا گیا۔(۳۶)

(۳) اس طرح تنظیم اسلامی اکثر و بیشتر معاشی' سیاسی اور معاشرتی استحکام کے لیے

سودی نظام ختم کرنے، سود کی حرمت کے جواز میں اور سود کو تحفظ دینے کی حکومتی کوششوں کے خلاف پر امن احتجاجی مظاہروں، تحریروں اور تقریروں کے ذریعے اور اخبارات میں اشتہارات شائع کروا کر عامۃ الناس کا شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ (۳۷)

ایک طرف تو بانی تنظیم اسلامی، تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے غیر اسلامی تعلیمات، منکرات و بدعات کی ترویج کے خلاف احتجاج کرتے رہے تو دوسری طرف ۱۹۹۱ء سے آپ نے خالص اسلامی نظام کے لیے ایک نئی تحریک کے قیام کی ابتدا کر دی۔ اب تک آپ تھیا کریسی، ملوکیت اور آمریت ان سب کے مقابلے میں اسلام کے مطلوبہ نظام کے لیے اسلامی جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرتے رہے تھے۔ لیکن ۱۹۹۱ء سے آپ کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ اللہ کی حاکمیت کا مطلقاً اطلاق قرآن وسنت کی اصل اصطلاح ''خلافت'' کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے اس تحریک کے لیے لفظ ''خلافت'' کو اپنایا اور اپنی جدوجہد کا منتہاو مقصود دنیا میں احیائے خلافت کو قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے تنظیم اسلامی کو درخت کے تنے اور تحریک خلافت کو شاخوں اور برگ و بار کا نام دیا جو الگ ہونے کے باوجود ایک ہی حیاتیاتی اکائی کے اجزاء ہیں۔ (۳۸)

تحریکِ خلافت پاکستان

ڈاکٹر صاحبؒ نے اقامتِ دین کی جدوجہد کی غرض سے عوام کو نظامِ خلافت کے خدوخال اور اس کی برکات سے روشناس کرنے کے لیے ایک تحریک کے قیام کا فیصلہ کیا جسے تحریکِ خلافت پاکستان کا نام دیا گیا۔ نیز آپ نے پاکستان کو نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی جدوجہد کے لیے نقطۂ آغاز بنایا تاکہ بعدازاں یہ نظام دنیا بھر میں قائم و نافذ ہو سکے۔

قیام کا پس منظر

ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک رفیق راؤ امید علی خان نے ۱۹۹۰ء میں آپ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی دعوت میں خلافت کی اصطلاح استعمال کرنا شروع کر دیں تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس اصطلاح کو سمجھتے ہوئے اس جانب متوجہ ہوگی۔ (۳۹) قبل ازیں آپ فلسطینی اور اردنی عربوں کی ایک تحریک حزب التحریر (۴۰) سے بھی متاثر تھے جن کی جماعت کا خاصا لٹریچر خلافت کے متعلق نظریات و تصورات پر مشتمل تھا۔ (۴۱) ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''تاہم متذکرہ بالا حلقوں کے ذریعے ذہن اس جانب منتقل ہوا کہ ہمیں اپنے احیائے اسلام کے جہاد کے دنیوی ''ہدف'' کے طور پر خلافت کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہوئی کہ خلافت راشدہ کی تابناک یاد پوری نوع انسانی کے اجتماعی تحت الشعور میں ایک حسین خواب کی مانند ثبت ہے۔لہٰذا اس کے ذریعے عوام اور خواص دونوں کے قلوب واذہان تک بآسانی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔چنانچہ میں نے اس کے لیے ''تحریک خلافت پاکستان'' کے عنوان سے ایک ادارہ باقاعدہ رجسٹر کرا کے اس کے تحت کام شروع کر دیا۔''(۴۲)

باقاعدہ قیام

یوں ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو تحریکِ خلافت پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔(۴۳)

اس کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے تحریک خلافت کے پلیٹ فارم سے ملک کے مختلف شہروں میں پروگرام کیے اور لوگوں کو اس تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ ہر پروگرام میں شامل لوگوں کے دسویں حصے نے تحریک میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی اس کے بعد ہر شہر میں تحریک خلافت کا باقاعدہ نظم بنایا گیا۔(۴۴)

تحریک میں شمولیت

تحریک خلافت میں شمولیت کے لیے بیعت کی شرط نہیں رکھی۔اس میں شمولیت ایک طرح کی معاونت ہے۔اگر کسی کو اس کام سے اتفاق ہے تو ایک فارم کے ذریعے تحریک خلافت کا معاون بن جائے۔ یہ ایک طرح سے ان کی معاونت کا ایک وعدہ ہے کیونکہ وہ معاون بننے کے بعد ہی تحریک کے کام کو زیادہ قریب سے دیکھ سکے گا۔اس سے باہمی اعتماد بڑھے گا اور یہ اعتماد ہی بالآخر اسے تنظیم اسلامی میں لے آئے گا۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اصل شے جس کو مضبوط کرنا ہے وہ تنظیم اسلامی ہی ہے۔(۴۵)

اغراض ومقاصد اور قواعد وضوابط

تحریک خلافت پاکستان کے قیام کے درج ذیل مقاصد تھے:

(۱) پاکستان کے مسلمان عوام میں وہ شعور پیدا کرنا جو دین کی تعلیمات پر مبنی ہو۔

(۲) پاکستان کے عوام تک یہ پیغام پہنچانا کہ نظام خلافت کیا ہے؟ اس کی ضرورت کیوں ہے؟ اور یہ کیوں کر برپا کیا جاسکتا ہے۔

(۳) نظام خلافت کے قیام کی تحریک کے لیے پاکستان کے مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنا۔
(۴) ہمارے معاشرے کے موجودہ نامنصفانہ اور استحصالی نظام کی گمراہیوں اور خرابیوں کی جانب عوام کو متوجہ کرنا۔
(۵) نظام خلافت کی برکات سے پاکستان کے عوام، مسلم اور غیر مسلم سب کو روشناس کرانا۔[۴۶]

نیز قرارداد تاسیس میں اس بات کا اظہار کیا گیا کہ ہم اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ نظام خلافت بالآخر پوری دنیا میں قائم ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہیں کہ اس کا نقطۂ آغاز ملک خداداد پاکستان سے ہوگا۔ اور اس بات کو بھی خوب سمجھتے ہیں کہ نظام خلافت مروجہ سیاست کی بجائے ایک ایسی جدوجہد کے ذریعے برپا کیا جا سکتا ہے جس کا طریقۂ کار سیرت النبی ﷺ سے مستنبط ہو۔[۴۷]

تحریک خلافت پاکستان کو باقاعدہ قواعد وضوابط کا پابند بنایا گیا۔[۴۸]

تحریک خلافت کی انتظامی ہیئت

ا: ہر تحریک یا جماعت ایک تنظیمی ڈھانچے کے تحت کام کرتی ہے۔ لہٰذا تحریک خلافت نے اپنا ایک ڈھانچہ مرتب کیا جو درج ذیل عہدیداران پر مشتمل ہے۔

(۱) نائب صدر
(۲) ناظم اعلیٰ
(۳) نائب ناظم اعلیٰ
(۴) سیکرٹری
(۵) سیکرٹری مالیات
(۶) سیکرٹری نشر و اشاعت

ب: مرکزی خلافت کمیٹی: یہ تحریک کا پالیسی ساز اور نگران ادارہ ہوگا۔ یہ کمیٹی ۴ محسنین اور ۳ معاونین ارکان پر مشتمل ہوگی۔

ج: مجلس عاملہ: یہ تحریک کی Executive Body ہوگی اور مرکزی خلافت کمیٹی کو جوابدہ ہوگی جو مندرجہ بالا عہدیداران پر مشتمل ہوگی۔[۴۹]

اجلاس

مجلس عاملہ کا اجلاس عموماً ہر ماہ اور مرکزی خلافت کمیٹی کا اجلاس عموماً تین ماہ بعد ہوگا

ہر اجلاس کی مکمل کارروائی کا ریکارڈ باقاعدہ طور پر رجسٹر میں رکھا جائے گا۔ (۵۰)

تحریک خلافت کی خدمات

ڈاکٹر صاحبؒ نے نظامِ خلافت کے اجتماعی ڈھانچے اور اس کی برکات کو عام کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے:

(۱) عوام کو نظامِ خلافت کی برکات سے آگاہ کرنے کے لیے تحریک خلافت کے پلیٹ فارم سے جلسہ ہائے عام اور کارنر میٹنگوں کا انعقاد کیا گیا۔

(۲) نظامِ خلافت کے اجتماعی نظام اور درپیش جدید مسائل کو علمی انداز میں تعلیم یافتہ طبقے تک پہنچانے کے لیے خطباتِ خلافت کا انعقاد، تمام بڑے شہروں میں کیا گیا۔ (خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ۲۰۳، ۲۰۴)

(۳) ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پروگرام کا انعقاد، جن میں سے چند اہم پروگراموں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

انٹرنیشنل خلافت کانفرنس

۲۸ جنوری ۲۰۰۱ء میں تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام ایوان اقبال لاہور میں ایک انٹرنیشنل خلافت کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں بہت سے ملکی اور غیر ملکی علماء نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں خلافت کے موضوع پر تمام مقررین نے گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ نظامِ خلافت کو کرہ ارض کا مقصد قرار دیا۔ (۵۱)

سیمینارز

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام مختلف موضوعات پر درج ذیل انتہائی اہم سیمینارز منعقد کرائے گئے۔

- ☆ ''نصاب تعلیم میں مبینہ روشن خیالی کا پیوند'' ۴ جون ۲۰۰۲ء قرآن آڈیٹوریم لاہور
- ☆ ''اسلام میں پردے کے احکام'' نومبر ۲۰۰۲ء ایوان اقبال، لاہور
- ☆ ''پاک بھارت تعلقات، امکانات، توقعات، خدشات'' ۸ فروری ۲۰۰۴ء قرآن آڈیٹوریم، لاہور
- ☆ ''خطبات خلافت'' ۱۰ فروری ۲۰۰۵ء الحمراء ہال، لاہور
- ☆ ''روشن خیالی کا موجودہ تصور اور اسلام'' ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء قرآن آڈیٹوریم، لاہور

☆ ''اسلام اور بینکنگ'' ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء' قرآن آڈیٹوریم' لاہور

☆ ''ہماری آزادی حقیقت یا سراب'' ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء' قرآن آڈیٹوریم' لاہور (۵۲)

تحریکِ خلافت اور تنظیم اسلامی کے مشترکہ سیمینارز درج ذیل ہیں:

☆ ''دورِ حاضر میں خلافت کا دستوری خاکہ'' ۲ اگست ۱۹۹۸ء' الحمراء ہال' لاہور

☆ ''جدید اسلامی ریاست میں ٹیکسوں کا نظام'' ۲۰ جون ۲۰۰۲ء' آواری ہوٹل' لاہور

☆ ''موجودہ عالمی حالات میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل'' ۲۲ فروری ۲۰۰۴ء

☆ ''رسولؐ انقلاب کا طریق انقلاب'' ۱۴ مئی ۲۰۰۴ء' الحمرا ہال' لاہور

☆ ''منہج انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' ۱۴ مئی ۲۰۰۴ء' قرآن آڈیٹوریم' لاہور

☆ ''عالم اسلام پر دجالیت کا آخری حملہ'' ۷ مئی ۲۰۰۶ء' قرآن آڈیٹوریم' لاہور (۵۳)

ندائے خلافت

تحریک خلافت کے زیر اہتمام ہفت روزہ ندائے خلافت بھی شائع ہوتا ہے۔ پہلے اس کا نام صرف ''ندا'' تھا جو بعد میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۹۲ء سے تا حال اس کی اشاعت ہو رہی ہے لیکن اب یہ تنظیم اسلامی کے آرگن پر ہے۔ (۵۴)

ابتدا میں تحریک خلافت کے اراکین نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مگر آہستہ آہستہ ان کی تحریک میں کمی آتی گئی اور تحریک خلافت کا کام بھی عملاً رفقاء تنظیم اسلامی کے کندھوں پر آ پڑا' لہٰذا ۱۹۹۷ء میں ڈاکٹر اسرار احمد نے باقاعدہ طور پر تمام شہروں سے تحریک خلافت کا نظم ختم کر دیا اور اسے تنظیم اسلامی کے تابع کر دیا جس کے بعد بھی تحریک خلافت کا نظم ۲۰۰۸ء تک چلتا رہا۔ (۵۵)

حواشی' فصل اوّل

(۱) عزم تنظیم' ۲۱' ۲۲

(۲) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ۸

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: ایضاً' ۱۶۱ تا ۱۷۰

(۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: ایضاً' ۲۰۰ تا ۲۴۴

(۵) نثار احمد ملک' ڈاکٹر اسرار احمد۔ ایک عظیم داعی قرآن' (سہ ماہی) حکمت قرآن' لاہور' جلد ۲۹' شمارہ ۲' اپریل تا جون ۲۰۱۰ء' ۲۷

(۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۱۷، ۲۸۸

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۴۵؛ انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد حالات زندگی اور دینی خدمات، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۸۹-۹۱؛ ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی شمالی امریکہ ماضی، حال اور مستقبل، (ماہنامہ) میثاق، جلد ۵۲، شمارہ ۹، ستمبر ۲۰۰۳ء، ۳۰

(۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۱۵، ۲۱۶

(۹) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۱۷، ۲۱۸؛ نثار احمد ملک، ڈاکٹر اسرار احمد۔ ایک عظیم داعی قرآن، (سہ ماہی) حکمت قرآن، لاہور، جلد ۲۹، شمارہ ۲، اپریل-جون ۲۰۱۰ء، ۳۱؛ ڈاکٹر ابصار احمد، مرکزی انجمن خدام القرآن کے پہلے انگریزی محاضرات، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱، شمارہ ۸، ۱۰ مارچ-۱۶ مارچ ۱۹۹۲ء، ۱۶

(۱۰) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۱۹

(۱۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ۲۳۹

(۱۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۳۹، ۲۴۰؛ انجینئر نوید احمد، ڈاکٹر اسرار احمد حالاتِ زندگی اور خدماتِ دینی، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۹، شمارہ ۵، مئی ۲۰۱۰ء، ۸۷-۹۰

(۱۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۴۱

(۱۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ۲۴۱-۲۴۳؛ جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، ۵۸-۶۰؛ نثار احمد ملک، ڈاکٹر اسرار احمد...... ایک عظیم داعی قرآن، (سہ ماہی) حکمت قرآن، لاہور، جلد ۲۹، شمارہ ۲، اپریل-جون ۲۰۱۰ء، ۲۸، ۲۹

(۱۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: استحکام پاکستان، ۹؛ بصائر منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ، ۶؛ دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۴۱

(۱۶) ملاقات، جناب عبدالمتین مجاہد، لائبریرین قرآن اکیڈمی لاہور، یکم جولائی ۲۰۱۰ء

(۱۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس قرآن و خطابات پر مشتمل آڈیو و ویڈیو کیسٹس، سی ڈیز اور مطبوعات کی فہرست، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۹ء

(۱۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۲۴۰، ۲۴۱

(۱۹) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد، الدین النصیحۃ شریف فیملی کے نام خطوط، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۵۳، شمارہ ۸، اگست ۲۰۰۴، ۴۹-۷۰؛ ڈاکٹر اسرار احمد، الدین

النصیحۃ خطوط بنام صدر تارڑ وصدر مشرف' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۵۳' شمارہ ۹' ستمبر ۲۰۰۴ء' ۷۵-۸۳

حواشی' فصل دوم

(۱) ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَة عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ)) ابن ماجه،أبو عبدالله محمد بن يزيد القزويني (م۲۷۳ھ)، السنن، كتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، دار السلام للنشر والتوزيع،الرياض،طبع اولی، ۱٤۲۰ھ/۱۹۹۹م،رقم الحديث ۲۲٤، ۳٤

(۲) ((وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ)) أبو داؤد'سليمان بن الاشعث (م۲۷۵ھ)'السنن'كتاب العلم' باب في فضل العلم'دارالسلام للنشر والتوزيع' الرياض'طبع اولی' ۱٤۲۰ھ۔ ۱۹۹۹م' رقم الحديث ۳٦٤۱'۵۲۳

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: عزم تنظیم' ۲۹

(۴) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر' ۱۷۸'۱۷۹

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً' ۱۷۹-۱۹۰

(۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً' ۱۹۱-۱۹۳

(۷) عزم تنظیم' ۴۳؛ دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر' ۱۸۱

(۸) ((إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها))السنن لأبی داؤد'كتاب ملاحم'باب يذكر في قرن المائة'رقم الحديث ٤۲۹۱'٦۰۲

(۹) سید ابوالحسن ندوی' تاریخ دعوت وعزیمت' کراچی' مجلس نشریات اسلام' طبع ہفتم' س۔ن' ٦/٦۸

(۱۰) استحکام پاکستان' ۱۶۲

(۱۱) مولانا امین احسن اصلاحیؒ مولانا عبدالجبار غازیؒ مولانا عبدالغفار حسنؒ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ شیخ سلطان احمد اور سردار اجمل خان وغیرہ' عزم تنظیم' ۲۵

(۱۲) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر' ۱۵۱' ۱۵۲

(۱۳) بحوالہ دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر' ۱۵۴

(۱۴) ایضاً' ۱۵۴' ۱۵۵

(۱۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: عزم تنظیم' ۲۵-۲۸؛ دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر' ۱۵۵

(۱۶) تعارف تنظیم اسلامی' ۱۰

(۱۷) ڈاکٹر اسرار احمد' اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع سیزدہم' ۲۰۰۵ء' ۲۵'۲٦

(۱۸) تعارف تنظیم اسلامی' ۱۰

(۱۹) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ۲۱۳

(۲۰) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ۱۹۵

(۲۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ۲۱۳

(۲۲) سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' برائے سال ۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء' ۵

(۲۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: قواعد وضوابط مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' ۱۹۹۱ء' ۱۲' ۱۳

(۲۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' برائے سال ۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء' ۵' ۶' ۱۶-۲۲

(۲۵) سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور برائے سال ۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء' ۶' ۷

(۲۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً' ۷' ۲۳

(۲۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً' ۲۴-۳۴

(۲۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ۲۱۵-۲۲۱

(۲۹) ایضاً' ۲۲۷؛ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام' ۲۶

(۳۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ۲۲۸-۲۳۱' ۲۶۶

(۳۱) ملاقات' جناب محمود عالم میاں' مدیر عمومی مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' ۲۱ جون' ۲۰۱۰ء

(۳۲) ایضاً

(۳۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور برائے سال ۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء' ص ۲۵-۲۷

(۳۴) ایضاً' ۷؛ سالانہ رپورٹ برائے سال ۲۰۰۶ء-۲۰۰۷ء' ۱۹

(۳۵) سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور برائے سال ۲۰۰۸ء-۲۰۰۹ء' ۳۲

(۳۶) پراسپیکٹس قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور' ۱' ۲

(۳۷) ایضاً' ۱۷

(۳۸) سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' برائے سال ۰۶-۰۷ء؛ ۰۷ء-۲۰۰۸ء

(۳۹) تعارف کلیۃ القرآن' مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳

حواشی' فصل سوم

(۱) مولانا عبدالجبار غازی مرحوم' مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا عبدالغفار حسن اور شیخ سلطان احمد

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: تعارف تنظیم اسلامی' ۵-۱۰

(۳) ایضاً‘ ۷‘ ۸

(۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: ایضاً‘ ۸-۱۰ ؛انجینئر نوید احمد‘ ڈاکٹر اسرار احمد حالاتِ زندگی اور خدماتِ دینی‘ (ماہنامہ) میثاق‘ لاہور‘ جلد ۵۹‘ شمارہ ۵‘ مئی ۲۰۱۰ء‘ ۹۰

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: تعارف تنظیم اسلامی، ۱۲، ۱۳

(۶) ایضاً، ۱۳، ۱۴

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ۱۵، ۱۹

(۸) فروری ۱۹۹۸ء میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے طویل غور و خوض اور مشاورت کے بعد اپنے بیٹے حافظ عاکف سعید کو جانشین مقرر کر دیا۔ بعدازاں ۲۰۰۲ء میں انہیں تنظیم اسلامی کی امارت سونپ دی گئی۔ اس وقت سے آج تک حافظ عاکف سعید ہی تنظیم اسلامی کی امارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد، دستور تنظیم اسلامی ترمیم شدہ، تنظیم اسلامی گڑھی شاہو، لاہور، ۲۰۰۰ء، ۴

(۹) دستور تنظیم اسلامی ترمیم شدہ‘ ۳

(۱۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر اسرار احمد‘ اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت‘ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ طبع ششم‘ ۲۰۰۹ء‘ ۲۶‘ ۲۷

(۱۱) دستور تنظیم اسلامی ترمیم شدہ‘ ۴

(۱۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر اسرار احمد‘ دینی فرائض کا جامع تصور‘ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ طبع شانزدہم‘ ۹-۳۹؛ تعارف تنظیم اسلامی‘ ۸۳-۸۷

(۱۳) جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ‘ ۷‘ ۱۷۸

(۱۴) ڈاکٹر اسرار احمد‘ خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام‘ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ طبع چہارم‘ ۲۰۰۵ء‘ ۱۸۰

(۱۵) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام‘ ۱۷۸

(۱۶) رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب‘ ۲۳

(۱۷) جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ‘ ۳۴

(۱۸) ایضاً‘ ۳۵ رسول انقلاب کا طریق انقلاب‘ ۲۷

(۱۹) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ایک چھوٹے ملک میں جس کی آبادی ایک کروڑ ہے پچاس ہزار تربیت یافتہ افراد جبکہ پندرہ کروڑ آبادی کے لیے چار لاکھ افراد انقلاب کے لیے درکار ہوں گے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: رسول انقلابؐ کا طریق انقلاب‘ ۲۵

(۲۰) نظام العمل تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور طبع پنجم جون ۲۰۰۹ء ۲-۶

(۲۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: نظام العمل ۲۰۰۹ء ۷-۱۱

(۲۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: نظام العمل ۲۰۰۹ء ۱۱-۱۶

(۲۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: نظام العمل ۲۰۰۹ء ۱۶-۲۰

(۲۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: نظام العمل ۲۰-۲۶

(۲۵) نظام العمل ۲۰۰۹ء ۲۶-۲۹

(۲۶) ایضاً ۲۹؛ دستور تنظیم اسلامی ترمیم شدہ ۲۰۰۰ء ۱۳، ۱۴

(۲۷) ملاقات محترمہ امۃ المعطی

(۲۸) دستور تنظیم اسلامی ترمیم شدہ ۶

(۲۹) تفصیل کے لیے دیکھئے: نظام العمل حلقہ خواتین ترمیم شدہ ۲۰۱۰ء ۳-۶

(۳۰) ملاقات محترمہ امۃ المعطی

(۳۱) چوہدری غلام محمد، طلبہ تنظیم اسلامی کے پہلے آل پاکستان کنونشن کی روداد (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۳۷، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص ۸۰

(۳۲) ملاقات، محترم سید احمد حسن معتمد عمومی تنظیم اسلامی، گڑھی شاہو، لاہور

(۳۳) ڈاکٹر عبدالسمیع' سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۴۵' شمارہ ۱۱' نومبر ۱۹۹۶ء' ۴۹

(۳۴) ڈاکٹر اسرار احمد' تنظیم اسلامی شمالی امریکہ ماضی' حال اور مستقبل' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۵۲' شمارہ ۹' ستمبر ۲۰۰۳ء' ۵۲-۵۴

(۳۵) ڈاکٹر اسرار احمد' شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح کا ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع دوازدہم' ۲۰۰۷ء' ۴۷

(۳۶) خالد محمود خضر، اخبارات میں عریانی اور فحاشی کے خلاف تنظیم اسلامی کے پہلے مظاہرے کی روداد، (ماہنامہ) میثاق، جلد ۳۸، شمارہ ۶، جولائی ۱۹۸۹ء، ۵۵؛ مقبول الرحیم، بے پردگی اور عریانی کی دوڑ میں ٹی وی کسی سے پیچھے نہیں۔ (ماہنامہ) میثاق، جلد ۳۸، شمارہ ۹، ستمبر ۱۹۸۹ء، ص ۴۹-۵۵

(۳۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: عارف رشید، تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے باوقار اور منظم مظاہرے کا آنکھوں دیکھا حال، (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱، شمارہ ۶؛ عاکف سعید، حافظ، عرض احوال، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۴۰، شمارہ ۶، جون

۱۹۹۱ء،۴،۵

(۳۸) ڈاکٹر اسرار احمد' جمہوریت نہیں خلافت' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۴۰' شمارہ ۸' اگست ۱۹۹۱ء' ۲۴' ۲۵؛ عمر داد' تحریک خلافت پاکستان کے پہلے ملک گیر کنونشن کی روداد' (ہفت روزہ) ندائے خلافت' لاہور' جلد ۱' شمارہ ۸' ۱۰-۱۶ مارچ' ۱۹۹۲ء' ۱۰

(۳۹) ملاقات' محترم عبدالرزاق ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان' ۱۸ جولائی ۲۰۱۰ء؛ خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۰

(۴۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: ویب سائٹ www.hizb-pakistan.com

(۴۱) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۹

(۴۲) ایضاً

(۴۳) ملاقات' محترم عبدالرزاق

(۴۴) ایضاً

(۴۵) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۲۰۴

(۴۶) دستور تحریک خلافت پاکستان ترمیم شدہ' تحریک خلافت پاکستان' لاہور' اگست ۲۰۰۰ء' ۳

(۴۷) ایضاً' ۲

(۴۸) تفصیل کے لیے دیکھئے: ایضاً' ۵

(۴۹) دستور تحریکِ خلافت پاکستان' ۶

(۵۰) ایضاً' ۸' ۹

(۵۱) ملاقات' محترم عبدالرزاق ناظم اعلیٰ تحریک خلافت' ۲۵ جولائی ۲۰۱۰ء

(۵۲) ایضاً

(۵۳) ملاقات' محترم عبدالرزاق

(۵۴) ملاقات' محترم عبدالمتین مجاہد

(۵۵) ملاقات' محترم عبدالرزاق

❁❁❁

باب سوم

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدماتِ تفسیر قرآن

فصل اوّل :

دروسِ قرآن

قرآنِ مجید منبع نور و ہدایت ہے جس کی روشنی سے اقوام عالم گمراہیوں اور ظلمتوں سے نکل کر سیدھی راہ پاسکتی ہیں۔ اس کی تعلیمات میں انسانیت کی تمام مشکلات کا حل بدرجہ اتم موجود ہے۔

یہ دنیا کی واحد انقلاب آفریں کتاب ہے جس نے نوعِ انسانی کے افکار و خیالات، اخلاق و عادات، تہذیب و تمدن اور طرزِ زندگی پر اس طرح اثر ڈالا کہ اس کی تاثیر نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو یکسر بدل ڈالا۔

قرآنِ حکیم اور سنت مطہرہؐ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کتاب کی قوت و تاثیر کی بنا پر دعوت و اصلاح کا کام قرآنِ حکیم کو بنیاد بنا کر بحسن و خوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید نے خود اسے ہدایت (۱)، بشارت (۲)، رحمت (۳)، کامیابی اور نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمان قرآنِ مجید کی ہدایت پر عمل پیرا رہے کامیابی و کامرانی ان کا مقدر رہی اور جب انہوں نے قرآنِ مجید کے احکام سے روگردانی کی اور اپنا تعلق کتاب اللہ سے جوڑنے کی بجائے خواہشاتِ نفسانی اور ذاتی اغراض و مقاصد کی طرف موڑا تو ذلت و خواری ان پر مسلط ہوگئی۔

چونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو قوم بھی قرآنِ مجید کو اپنا رہنما بنا کر اس کے احکام و فرامین کو حرزِ جان بنالے گی اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں سربلندی عطا کرے گا۔ اس کے برخلاف جو قوم بھی اس سے انحراف اور سرکشی کا راستہ اختیار کرے گی وہ پستی و ذلت کا شکار ہو جائے گی۔ (۴)

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات سے کما حقہ استفادہ کی غرض سے مسلمانوں نے آغاز نزول سے ہی قرآنِ مجید کے معنی و مطالب معلوم کرنے کے لیے مساعی جمیلہ انجام دیں۔ عہدِ رسالت سے لے کر دورِ حاضر تک ہزاروں تفاسیر لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں۔ ایک طرف مفسرین کرامؒ نے اپنی تفسیری خدمات کے ذریعے عامۃ الناس کو قرآنِ مجید کے معنی و مفہوم سے آگاہ کیا تو دوسری طرف مصلحین اور مجددین نے ہر زمانے میں قرآنِ مجید کی اہمیت کے

پیشِ نظر مسلمانوں کی اصلاح وتزکیۂ نفس کے لیے اپنی دعوت کا ذریعہ قرآنِ مجید کو بنایا اور قرآن کی انقلابی فکر کو عام کرنے کے لیے تصانیف وتالیفات' دروس وخطبات کا اہتمام کیا تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں قرآنِ مجید کی عظمت اجاگر ہو اور وہ جن ملحدانہ نظریات' غلط رسم ورواج اور شرک وبدعات میں مبتلا ہو گئے ہیں' ان سے نکلنے کی سبیل پیدا ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ بھی اپنے اسلاف کی اسی فکر سے متاثر تھے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی تھے۔ آپ کو قرآنِ مجید سے عشق تھا اور اس عشق کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی اس کے معانی ومطالب کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کرنے میں بسر کر دی۔ آپ چاہتے تھے کہ اُمت قرآن کے مقصدِ نزول کو سمجھے اور اس کی دعوت کو دنیا میں عام کرے۔

آپ اس کتاب ہدایت اور نعمت عظمیٰ (۵) کو ہی ہر مشکل سے نکلنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور آپ کے نزدیک قرآنِ مجید میں فکری اور علمی سطح پر تمام باطل نظریات کا قلع قمع کرنے کی صلاحیت عصائے موسیٰ کی طرح بدرجہ اتم موجود ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''جیسے حضرت موسیٰ کی بغل میں عصا موجود تھا لیکن جادوگروں کی رسیوں اور چھڑیوں سے وقتی طور پر جو ایک منظر سامنے آیا اس سے ان پر خوف طاری ہو گیا آج بعینہٖ وہی حال امت مسلمہ کا ہے کہ اس کے پاس قرآنِ مجید کی شکل میں سب سے بڑا ''ایٹم بم'' موجود ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں کہ اللہ کا کتنا عظیم معجزہ ان کی بغل میں موجود ہے جس کی قوت تسخیر کے سامنے کوئی شے نہیں ٹھہر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمارے تمام مسائل کا حل اگر کسی ایک شے میں ہے تو وہ اللہ کی کتاب ہے۔''(۶)

ہماری دینی' ملی' قومی اور معاشرتی زندگی میں اس وقت پانچ محاذ' جاہلیت قدیمہ یعنی مشرکانہ اوہام اور شفاعت باطلہ کا عقیدہ؛ جاہلیت جدیدہ یعنی الحاد و مادہ پرستی؛ بے یقینی یعنی مثبت طور پر جو یقین ہونا چاہیے وہ میسر نہیں؛ نفس پرستی اور شیطانی ترغیبات جس نے ایک ادارے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ منکرات اور فواحش کے ذریعے معاشرتی' تہذیبی اور مجلسی اقدار کا پامال ہونا؛ اور فرقہ واریت' تشتت' انتشار اور باہمی اختلافات ایسے ہیں جنہیں ڈاکٹر صاحب جہاد بالقرآن کے ذریعے ختم کرنے کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہیں۔ (۷)

لہٰذا اگر مسلمان اپنے آپ کو ذلت ورسوائی سے بچانا چاہتے ہیں اور اقوام عالم پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنا تعلق قرآن سے جوڑنا پڑے گا اور اس کے حقوق (۸) ادا

کرنے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآنِ حکیم کی طرف ہمارا رجوع ہو۔ ہماری تقدیر اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک اس قرآن کے ساتھ ہم اپنے تعلق کو از سرنو مضبوط نہیں کر لیتے۔ جب تک ہم اس قرآن کا حق ادا نہیں کریں گے' اس وقت تک صرف ساز و سامان ہمارے لیے مفید نہیں ہوگا۔ ساز و سامان دوسروں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے' لیکن اس امت کے لیے یہ اس وقت مفید ہوگا جب یہ اپنے مرکز کے ساتھ بھی وابستہ ہو جائے۔ ہمارا مرکز...... قرآن ہے۔ ہمارے اتحاد کی اگر کوئی بنیاد ہے تو قرآن ہے۔ ہمارے عروج و بلندی کے لیے اگر کوئی زینہ ہے تو قرآن ہے اور ذلت و رسوائی سے نجات کا کوئی راستہ ہے تو قرآن ہے۔ ہماری قسمت اسی کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر کوئی راستہ کھلے گا تو اسی کے ذریعے کھلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس کتاب کو حرزِ جان بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے جو جملہ حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔''(۹)

الغرض قرآنِ حکیم کی عظمت' اہمیت اور اس کے تقاضوں سے متعلق یہ پختہ فکر ہی تھی جس کے پیشِ نظر آپ نے قرآنِ مجید کی تعلیمات کو عام کیا۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے قرآنی دعوت یا تحریک تعلیم و تعلم قرآن کی غرض سے ۱۹۵۲ء سے درسِ قرآن کا آغاز کیا۔(۱۰) ان دروس میں پورے قرآنِ مجید کے سلسلہ وار دروس بھی شامل ہیں جنہیں آپ نے دو بار مکمل کیا۔(۱۱) اس کے علاوہ قرآنِ حکیم کی چند مخصوص سورتوں اور آیات پر مبنی دروس بھی دیے۔ جنہیں آپ نے ''مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب''(۱۲) کے نام سے موسوم کیا۔

آپ کی دعوت و تحریک کی اصل بنیاد اور جڑ یہی ہے بلکہ تعلیم قرآن کے لیے بھی جو مرکز و محور بنا وہ یہی منتخب نصاب ہے۔ اس نصاب کا اصل ڈھانچہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا تیار کردہ تھا۔(۱۳) بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے وقتاً فوقتاً اس میں اضافے بھی کیے۔ آپ نے یہ نصاب ایک خاص نقطۂ نظر سے مرتب کیا جس کے بارے میں آپ خود رقم طراز ہیں:

''وہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک مسلمان کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ اس دین کے تقاضے اس سے کیا ہیں؟ اور اس کا رب اس سے کیا چاہتا ہے؟ گویا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کا ایک اجمالی لیکن جامع تصور پیش کرنا اس انتخاب کا اصل مقصود

ہے۔ ویسے ضمناً اس سے خود دین کا ایک جامع تصور بھی آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہےاور محدود مذہبی تصورات کی جڑیں خود بخود کٹتی چلی جاتی ہیں۔''(۱۴)

آپ نے دین کے ہمہ گیر اور جامع تصور کو اُجاگر کرنے کی خاطر اور مسلمانوں کو ان کے دینی فرائض یاد دلانے کی غرض سے اس منتخب نصاب کا درس ۱۹۶۵ء سے کم از کم پچیس بار نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرون ملک جا کر بھی دیا اور اس دینی فکر کو دنیا کے اکثر و بیشتر حصوں میں پہنچایا۔(۱۵)

تعارف دروس قرآن ''مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب''

مطالعہ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب کے دروس میں نو سورتیں اور مخصوص مضامین کی حامل متعدد آیات شامل ہیں۔ آپ نے اس منتخب نصاب کا نقطہ آغاز سورۃ العصر کو بنایا ہے اور پورا نصاب اسی سورت کے گرد گھومتا ہے۔ یا یہ کہنا بجا ہوگا کہ سورۃ العصر کو بنیاد بنایا گیا ہے اور باقی نصاب اس سورۃ کی تفسیر ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> ''اس نصاب کا پورا تانا بانا بھی اسی سورہ مبارکہ کے گرد گھومتا ہے اس لیے کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت اختصار لیکن انتہائی جامعیت کے ساتھ انسان کی نجات کے لوازم اور اس کی فلاح اور کامیابی کی شرائط کو بیان کر دیا ہے یعنی ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ ان چاروں لوازمِ نجات یا شرائط نجات کی تشریح و توضیح ہمیں قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے ملتی ہے۔ جن میں سے چیدہ چیدہ مقامات کو اس نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔''(۱۶)

ڈاکٹر صاحب نے ان دروس کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جنہیں بعد ازاں آپ مختلف ذیلی عنوانات کے تحت دروس کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

(۱) پہلے حصہ میں سورۃ العصر کے علاوہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷' سورۃ لقمان کا دوسرا رکوع اور سورۃ حٰمٓ السَّجدۃ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ شامل ہیں جن میں ان تمام لوازمِ نجات کا بیان جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔

(۲) دوسرے حصہ میں ایمان کے مباحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ آئے ہیں' جن میں درج ذیل دروس شامل ہیں:

☆ قرآنِ حکیم کے فلسفہ وحکمت کی اساس کامل: سورۃ الفاتحہ

☆ ایمان کی تشکیل (Sythesis) عقل اور فطرت کا تقاضا: سورۃ آل عمران کی

آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی روشنی میں۔

☆ نورِ ایمان کے اجزاءِ ترکیبی' نورِ فطرت اور نورِ وحی: سورۃ النور کے پانچویں رکوع کی روشنی میں۔

☆ ایمان کے ظاہری اور باطنی ثمرات: سورۃ التغابن کی روشنی میں

☆ اثباتِ آخرت کے لیے قرآن کے استدلال کا حسین نمونہ: سورۃ القیامہ

(۳) تیسرے حصہ کے دروس اعمالِ صالحہ کی تفاصیل پر مشتمل ہیں۔ انفرادی سیرت و کردار' گھریلو اور عائلی زندگی' سماجی و معاشرتی زندگی سے متعلق ہدایات اور سب سے آخر میں مسلمانوں کی ملی اور سیاسی زندگی سے متعلق ہدایت اور رہنمائی جیسے مضامین کو سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج' سورۃ الفرقان کے آخری رکوع' سورۃ التحریم' سورۃ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۴۰ اور سورۃ الحجرات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

(۴) چوتھے حصہ کے دروس تواصی بالحق کے مباحث پر مشتمل ہے۔ یعنی شہادت علی الناس' غلبۂ دینِ حق اور اس کے لیے جدوجہد جس کے لیے قرآنِ مجید کی جامع اصطلاح جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جنہیں سورۃ التوبہ اور سورۃ الحجرات' سورۃ الحج کے آخری رکوع' سورۃ الصف' سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) پانچواں حصہ قرآنِ حکیم کے ان مقامات کے دروس پر مشتمل ہے جو صبر و مصابرت کی تلقین سے متعلق ہیں۔ جنہیں سورۃ آل عمران کی آخری آیت اور سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع' سورۃ الکہف کی آیات ۲۷ تا ۲۹' سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷' سورۃ الانفال کی آیت ۳۹' سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ اور سورۃ الفتح کے آخری رکوع کی روشنی میں بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

(۶) چھٹے اور آخری حصہ میں ڈاکٹر صاحب نے پھر ان سب تعلیمات کو یکجا کر کے جامعیت کے ساتھ سورۃ الحدید کی روشنی میں پیش کر دیا ہے اور اس سورۃ کی آیات کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کرتے ہیں۔ (۱۷)

الغرض ڈاکٹر اسرار احمد نے مسلمانوں کی فکری و عملی رہنمائی پر مشتمل یہ جامع نصابِ قرآنی' دروسِ قرآن کی شکل میں وسیع حلقے تک پہنچایا۔ یہ دروس ۴۴ آڈیو کیسٹس پر مشتمل تھے جنہیں پہلے چھوٹے چھوٹے پچیس کتابچوں کی صورت میں شائع کیا گیا اور بعد ازاں ان کتابچوں کو دو

جلدوں میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام ۲۰۱۰ء میں شائع کر دیا گیا جسے حافظ عاکف سعید نے مرتب کیا ہے۔

ماخذ ومصادر دروس قرآن

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے دروس قرآن کے لیے مختلف ومتنوع مصادر سے استفادہ کیا ہے جن میں قرآن، حدیث، آثار صحابہؓ اور اردو وعربی تفاسیر، فقہ، سیر و تاریخ کے علاوہ جدید عصری علوم بھی شامل ہیں، ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں خود رقم طراز ہیں:

> ''میں اپنے دروس کے لیے تیاری کے ضمن میں جو مطالعہ کرتا اور مختلف عربی اور اردو تفاسیر سے رجوع کرتا اور پھر اپنے ذاتی غور وفکر سے بھی کام لیتا تو اس کے نتیجے میں مجھ پر قرآن کی عظمت مزید منکشف ہوتی چلی گئی۔''(۱۸)

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب اپنے علم وفہم قرآن کے بالخصوص چار ذرائع بیان کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ان ذرائع سے جو علم وفہم حاصل ہوا اس کا بھی اظہار کرتے ہیں، چنانچہ آپ عرض کرتے ہیں:

> ''میرے علم وفہم قرآنی کے اصلاً اساسی اور بنیادی چار سورسز (Sources) ہیں۔ نتیجتاً چار ابعاد (Dimentions) ہیں ان میں ''دوابوین'' شامل ہیں۔ ابوالکلامؒ اور ابوالاعلیٰؒ۔ ان دونوں ابوین کا جو فکر قرآنی ہے ان میں تحریک ہے، دعوت کا غلبہ ہے۔ انقلاب کا انداز ہے ''دو حی این'' ہیں مولانا فراہیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ ان دونوں حضرات سے جو تدبر قرآن کا سلسلہ اور فکر قرآن کا ایک نیا سوتہ شروع ہوا ہے اس میں نظم قرآن، ربط آیات بالآیات، ربط سور، اور خصوصی اسالیب قرآن کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ''دو دکتورین'' ہیں ڈاکٹر علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین۔ فکر قرآنی کا فلسفہ کے ساتھ تعلق نفیاً بھی ہے اور اثباتاً بھی لہٰذا جدید فلسفہ کے کون سے حصے صحیح ہیں؟ جن کا قرآنِ مجید سے توافق پیدا ہو سکتا ہے کون سے حصے بنیادی طور پر غلط ہیں؟ نیز جدید سائنس سے جو اکتشافات اور جو نظریات سامنے آئے ہیں۔ ان کا بھی تحلیل وتجزیہ کہ کتنا حصہ از روئے قرآن صحیح ہے اور کتنا گمراہی پر مشتمل ہے ان دونوں چیزوں کے ضمن میں یہ دونوں دکتور source ہیں۔ چوتھی میری سورس دو شیخین مولانا محمود حسنؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہیں۔ دونوں سے مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ہے ایک اسلاف کے ساتھ تعلق اور اسلاف کی خوشبو اور دوسرے تصوف کی چاشنی یعنی ایمان کے وہ ثمرات جو انسان

کے باطن میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔''(۱۹)

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''اب خواہ اسے کوئی باندازِ تحقیر راقم کے مطالعہ قرآن کا حدود اربعہ کہہ لے خواہ بطرزِ استہزا اسے اس کا ''مبلغ علم'' قرار دے لے' بہر حال واقعہ یہی ہے کہ راقم کی قرآنی سوچ کا اصل تانا بانا ان ہی ابعادِ اربعہ سے تیار ہوا ہے۔''(۲۰)

لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ آپ کے ذرائع علم فقط چار ہی تھے بلکہ آپ وسیع المطالعہ شخصیت تھے۔ جس کی وضاحت ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے ہوتی ہے:

''میرے علم وفہم قرآن کے حوض میں تفسیر قرآن کے مندرجہ بالا چار سلسلوں کی نہروں سے پانی آتا رہا جن پر پانچواں اضافہ میری تعلیم میں شامل علوم طبیعہ کے مبادیات کا علم تھا۔ پھر اللہ نے مجھے جو منطقی ذہن عطا فرمایا تھا اس کے ذریعے ان پانچ سلسلوں سے حاصل شدہ معلومات میں ''تجمیع وتوافق'' (Synthesis) قائم کیا جس کی بنا پر بحمد للہ میرے 'بیان القرآن' کو ایک جامعیت حاصل ہوگئی اور غالباً یہی اس کی مقبولیت کا اصل راز ہے۔''(۲۱)

جہاں تک ان دروس کے ترجمہ کا تعلق ہے قرآن فہمی کے سبب آپ قرآن حکیم کی وضاحت کرتے ہوئے ترجمہ اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔(۲۲) لیکن آپ کے پیش نظر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (م ۱۹۲۰ء) کا ترجمہ ہوتا تھا۔ جو دراصل شاہ عبدالقادر دہلویؒ (م ۱۲۳۰ھ) ہی کا ترجمہ ہے جسے برصغیر کے علماء کے ہاں شرف قبولیت حاصل ہے۔ اسی لیے جب آپ نے مطالعہ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب میں شامل سورتوں اور آیات کا متن اور ترجمہ کتابی صورت میں مرتب کیا تو اس میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ہی کا سادہ سلیس اور رواں ترجمہ شائع کیا۔(۲۳)

دروسِ قرآن کا منہج وخصائص

ڈاکٹر صاحب کے دروس ایک خاص منہج رکھتے ہیں جو انہیں اپنے ہم عصر مدرسین سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے دروس کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا جس کے نتائج اگلے صفحات پر دیے جا رہے ہیں:

(۱) دروس میں شامل سورتوں اور آیات کے پیش کرنے کا منہج

☆ ڈاکٹر صاحب درس میں شامل بعض سورتوں کی تمہیدی گفتگو جامع اور تفصیلی انداز میں کرتے ہیں۔ سورت کا نام' آیات اور رکوع کی تعداد اس کا مکی یا مدنی ہونا کہیں اجمال

کے ساتھ اور کہیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ نیز اس سورت میں جو مضامین شامل ہوتے ہیں، انہیں بھی بیان کرتے ہیں مثلاً سورۃ العصر کی تمہیدی گفتگو میں فرماتے ہیں:

''یہ سورۃ مبارکہ قرآنِ مجید کی مختصر ترین سورتوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ یہ کل تین آیات پر مشتمل ہے اور قرآن مجید میں کوئی سورت تین سے کم آیات پر مشتمل نہیں ہے بلکہ عجب حسن اتفاق ہے کہ کل تین ہی سورتیں قرآنِ مجید میں ایسی ہیں جو تین تین آیات پر مشتمل ہیں۔ انہی میں ایک سورۃ العصر ہے..... ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ قرآنِ مجید کی اوّلین سورتوں میں سے ہے۔''[۲۴]

☆ بعض سورتوں کی تمہید باندھتے ہوئے ان کے مضامین کا پہلے خاکہ پیش کرتے ہیں۔ بعدازاں اس سورت سے متعلق مندرجہ بالا باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔[۲۵]

☆ بعض دفعہ ابتدائی آیت بیان کرنے کے بعد اس سورت کے مضامین اور دوسری سورتوں کے ساتھ اس کے باہمی ربط کا تذکرہ کرتے ہیں۔

☆ سورتوں کے گروپ[۲۶] کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سورتوں کے باہمی ربط کو بھی بیان کرتے ہیں۔ نیز ایک گروپ میں شامل سورتوں کے جوڑوں کو بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الصف کی تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''.....سورۃ الصف اور سورۃ الجمعۃ ...... یہ دونوں سورتیں ایک حسین وجمیل جوڑے کی صورت میں سلسلہ مسبحات کے بالکل وسط میں وارد ہوئی ہیں..... قرآنِ حکیم کی سورتوں کا جو چھٹا گروپ بنتا ہے، اس میں سورۃ الصف اور سورۃ الجمعۃ شامل ہیں۔ یہ گروپ بعض اعتبارات سے خصوصی شان کا حامل ہے۔ اس کے آغاز میں سورۃ ق سے سورۃ الواقعہ تک سات مکی سورتیں ہیں..... ان سب کا مرکزی مضمون آخرت ہے اور اسی پر مختلف پہلوؤں سے ان سورتوں میں روشنی ڈالی گئی ہے..... ان سات مکی سورتوں کا یہ سب سے بڑا اور خوبصورت مجموعہ ہے جس کی کوئی نظیر قرآنِ حکیم میں موجود نہیں۔''[۲۷]

ان دونوں سورتوں کے مشترک اوصاف بیان[۲۸] کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے باہمی ربط[۲۹] کو بھی واضح کرتے ہیں۔

☆ دو مختلف سورتوں کی چند آیات یا ایک دو رکوع جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہوں ان کا عنوان منتخب کرتے ہیں۔ ان آیات کے مضامین کا باہمی تقابل کرنے کے ساتھ ساتھ ان آیات کی تشریح وتوضیح بھی کرتے ہیں مثلاً:

سورۃ المؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات اور سورۃ المعارج ۱۹ تا ۳۵ آیات کو آپ ''تعمیر سیرت کی اساسات'' کا عنوان دیتے ہیں اور پھر ان دونوں سورتوں کی آیات میں سے ایک ایک آیت کا باہمی تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان دونوں مقامات کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر مشابہت ہے۔ سورۃ المعارج میں فرمایا گیا ہے۔﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴾(۳۰) ''یقیناً انسان تھڑدلا (اور کم ہمت) پیدا ہوا ہے۔ ﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا﴾(۳۱)'' جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع وفزع کرتا ہے' فریاد کرتا ہے' ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾(۳۲)'' اور جب اس کو خیر ملتا ہے (مال و دولت ہاتھ آتی ہے' اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتا) تو (ان) کو روک روک کر رکھتا ہے۔'' سینت سینت کر رکھتا ہے۔ دوسروں تک انہیں پہنچنے نہیں دیتا۔ یہ دراصل انسان کی سیرت کی خامی کی طرف اشارہ ہے جس سے انسان کو رستگاری اور آزادی دلانا اس پروگرام کا مقصد ہے۔ آگے فرمایا ﴿اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ﴾(۳۳) ''سوائے ان کے جو نماز پڑھنے والے (نماز کے خوگر اور عادی ہو گئے) ہوں۔'' یہاں اتنی اہمیت سامنے آئی کہ وہاں جو ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾(۳۴) کے الفاظ وارد ہوئے تھے ان کی بجائے یہاں لفظ ''مُصَلِّيْن'' آیا۔ گویا مؤمن اور نمازی مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔ آگے فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾(۳۵)'' جو اپنی نمازوں میں مداومت کرنے والے ہیں' ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔''(۳۶)

پھر مندرجہ بالا آیات کی تشریح و توضیح کرنے کے بعد سورۃ المعارج کی آیت ۱۹ تا ۲۳' ۳۴ اور سورۃ المؤمنون کی آیت ۱' ۲ اور ۹ - ۱۱ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''بہرحال اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تعمیر سیرت انسانی کے قرآنی پروگرام کا مرکز ومحور' اس کا نقطۂ آغاز اور اس کی آخری منزل یہ سب صلوٰۃ پر مبنی ہیں...... اس ضمن میں ہم نے سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج کی آیات میں یہ دیکھا کہ دونوں جگہ کامل مطابقت ہے کہ دونوں مقامات پر اولاً بھی صلوٰۃ کا ذکر آیا اور اختتام بھی صلوٰۃ پر ہوا پھر یہ کہ دونوں مقامات پر صلوٰۃ کی محافظت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سورۃ المؤمنون میں خشوع وخضوع کی طرف توجہ دلائی گئی اور سورۃ المعارج میں مداومت کی طرف متوجہ کیا گیا۔''(۳۷)

سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ اور سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کے لیے ''تواصی بالحق کا ذروۂ سنام جہاد وقتال فی سبیل اللہ'' کا عنوان تجویز کرتے ہیں اوران آیات کے حوالے سے حقیقت جہاد کے بارے میں بنیادی باتوں کی وضاحت کرتے ہیں۔یعنی جہاد فی سبیل اللہ کیا ہے؟اس لفظ کا لغوی وحقیقی مفہوم کیا ہے؟ ہمارے دین میں اس کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟اس جہاد کی کیا کیا شکلیں ہیں'اس کے مقاصد کیا ہیں'اس کا نقطہ آغاز کیا ہے؟اس کی پہلی منزل کیا ہے؟اوراس کی آخری منزل مقصود کون سی ہے۔(۳۸)

☆ دروس میں شامل بعض سورتوں اورآیات کے امتیازی خصائص بھی بیان کرتے ہیں' جیسے سورۃ العصر کے بارے میں فرماتے ہیں:

''سورۃ العصر قرآن مجید کی جامع ترین سورۃ ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ایک ایسے بیج کی مانند ہے کہ جس میں قرآنِ مجید کا پورا شجرہ طیبہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حضرت ابومزینہ دارمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

كَانَ الرَّجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اِذَا الْتَقَيَا لَمْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَقْرَأَ اَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ سُوْرَةَ الْعَصْرِ ثُمَّ يُسَلِّمُ اَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ(۳۹)

''نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی سے دوصحابہ جب بھی باہم ملاقات کرتے تھے تو وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے جب تک کہ ایک دوسرے کوسورۃ العصر سنا نہ لیں اس کے بعد وہ ایک دوسرے کوسلام کرتے اور ایک دوسرے سے رخصت ہو جاتے۔''

اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کا بھی سورۃ العصر کے بارے میں ایک قول نقل کرتے ہیں:

لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ(۴۰)

''اگرلوگ صرف ایک سورت پر غوروفکر کریں تو یہ ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے کافی ہو جائے۔''(۴۱)

☆ ایک آیت یا چند آیات کا مجموعہ یا چھوٹی سورتوں کو بعض اوقات تمہیدی گفتگو سے پہلے اور بعض اوقات بعد میں بیان کرتے ہیں۔پھران آیات یا سورتوں کو پیش کرنے کے بعد ان کا ایک سلیس رواں اور قدرے توضیحی ترجمہ کرتے ہیں۔ ہر نئے درس کوشروع کرنے سے پہلے پچھلے درس اوراس درس کا باہمی ربط بھی بیان کرتے ہیں۔اس سے پچھلے دروس کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے۔دوسرے یہ کہ اعادہ کرنے سے پچھلی باتیں ذہن نشین ہو

جاتی ہیں۔[۴۲]

☆ آیات اور سورتوں کی وضاحت کے ضمن میں آپ کے دروس میں دو باتیں نظر آتی ہیں:
(i) ہر ایک آیت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اور ایک ایک لفظ کی گہرائی میں اترنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ii) طوالت کے ڈر سے ایک درس میں شامل دو سورتوں میں سے ہر سورۃ کی موضوع سے متعلق مرکزی آیت کو خوبی سے سمجھا دیتے ہیں پھر اس مرکزی آیت کو سمجھانے کے بعد مختلف آیات کے ساتھ اس مرکزی مضمون کے ربط و تعلق کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ بحیثیت مجموعی سورۃ کا اصل مفہوم واضح ہو جائے۔[۴۳]

(۲) تفسیر القرآن بالقرآن

تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔ یعنی ایک بات کو قرآن نے ایک مقام پر اجمال کے ساتھ پیش کیا اور دوسرے مقام پر تفصیلاً پیش کیا۔ علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

من اراد تفسیر الکتاب العزیز طلبه اولا من القرآن فما اجمل منه فی مکان فقد فسر فی موضع آخر وما اختصر فی مکان فقد بسط فی موضع آخر[۴۴]

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی دروس قرآن میں اسی طریقہ کو اپنایا اور قرآنی اصول **القرآن یفسر بعضه بعضًا** کے مصداق اس میں آیات کی تفسیر آیات کے ذریعے ہی کی ہے۔ اس کی نمایاں مثال ان دروس میں شامل سورۃ العصر ہے جسے آپ نے بنیاد بنایا ہے اور باقی دروس اس سورت مبارکہ کی تشریح و توضیح میں ہیں جنہیں آپ نے مختلف سورتوں اور آیات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کے ان دروس کے مطالعہ سے جو باتیں تفسیر القرآن بالقرآن کے حوالے سے سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

☆ دروس میں شامل آیات میں کسی بات کے بارے میں اجمال پایا جاتا ہے تو دوسرے دروس کی آیات پہلے درس کی تفصیل بیان کرتی نظر آتی ہیں۔

☆ ان دروس میں شامل آیات کے مضامین کا باہم تقابل و موازنہ کرنے سے آپ کے دروس تفسیر القرآن بالقرآن کی بہترین تصویر بن گئے ہیں مثلاً سورۃ العصر کے درس اور

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کے درس کے مطالعہ سے مندرجہ بالا نکات کی وضاحت ہو جاتی ہے' آپ فرماتے ہیں:

''سورۃ العصر میں ایک جامع اصطلاح عنوان کے طور پر آئی ہے ''ایمان' یہاں پانچ ایمانیات کا ذکر ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ (۴۵) اس کی تشبیہ ایک کلی کی سی ہے جو ابھی کھلی نہیں ہو اس میں پتیاں تو ہوتی ہیں لیکن نمایاں نہیں ہوتیں۔ وہ کھلتی ہے اور پھول بنتا ہے تو پتیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اس طرح لفظ ایمان میں یہ تمام مضامین موجود ہیں' لیکن سورۃ العصر میں وہ ایک بند کلی کی مانند ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں ہم نے دیکھا کہ وہ کلی کھل گئی' پھول سامنے آ گیا اور پانچ پتیاں نمودار ہو گئیں گویا ایمان کسے کہتے ہیں: اللہ پر ایمان' ملائکہ پر ایمان' یوم آخرت پر ایمان' کتابوں پر ایمان' انبیاء پر ایمان۔''(۴۶)

☆ درس میں شامل آیات کی وضاحت قرآن مجید سے کرتے ہیں مثلاً سورۃ الحج کی آیت ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ (۴۷) کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کے الفاظ میں ایک اجمال ہے۔ قرآنِ مجید کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے تو وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کی مزید شرح ہمیں سورۃ آل عمران میں ملے گی..... ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (۴۸) گویا وہاں اللہ سے چمٹنے اور اس کے دامن سے وابستہ رہنے کے لیے اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے۔''(۴۹)

ایک اور مثال سورۃ الحج کی آیت ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ (۵۰) کی وضاحت میں ہے' آپ لکھتے ہیں:

''سَمِعَ يَسْمَعُ کے معنی ہوتے ہیں سننا اور اِسْتَمَعَ يَسْتَمِعُ کے معنی ہوں گے: توجہ سے سننا کان لگا کر سننا۔ اس معنی کی تائید میں سورۃ الاعراف کی آیت بیان کرتے ہیں۔ ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (۵۱) یعنی ''جب قرآن پڑھا جائے تو پوری توجہ سے سنو اور دھیان کے ساتھ سنو اور خاموش رہو۔''(۵۲)

(۳) تفسیر القرآن بالحدیث

ایک اور نمایاں بات جو ان دروس میں نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنے کے بعد اس کی وضاحت احادیث سے کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی حکم قرآن

میں موجود نہ ہو تو سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔علماء تفسیر نے اسی طریقہ کو پسند کیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"فان اعیاه ذلك طلبه من السنة فانها شارحة للقرآن وموضحة له"(۵۳)

''پھر اگر یہ بات (یعنی قرآن سے تفسیر) عاجز بنا دے تو اسے سنت سے طلب کرے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور اس کی وضاحت کرنے والی ہے۔''

مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر سورۃ الحج کی آیت ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾(۵۴) کے الفاظ میں جو اجمال پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کی تفصیل سورۃ آل عمران کی آیت ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾(۵۵) کی روشنی میں بیان کرنے کے بعد موخر الذکر آیت کی مزید تفصیل کے لیے حدیث کی جانب رجوع کرتے ہیں اور تفسیر بالحدیث کی اہمیت بھی واضح کرتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

''قرآنِ مجید کے اس اجمال کی مزید تفصیل ہمیں ملتی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے فرمودات میں۔اس لیے کہ قرآنِ حکیم کے کسی اجمال کی تفصیل وتبیین کرنا نبی اکرم کا صرف حق نہیں آپ کا فرض منصبی بھی ہے۔پھر آپ آیت بیان کرتے ہیں:﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾(۵۶) ''اور نازل کیا ہم نے یہ ذکر آپ کی طرف تا کہ اے نبی آپ توضیح کر دیا کریں۔''

بعد ازاں لکھتے ہیں: مذکورہ بالا سوال کا جواب ہمیں نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان میں ملتا ہے......((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ))(۵۷) ''یہ قرآن ہے اللہ کی مضبوط رسی۔''(۵۸)

سورۃ التحریم کی آیت ۸ جو توبہ کی ترغیب کے حوالے سے ہے' اس کی وضاحت میں احادیث بیان کر کے توبہ کی اہمیت وعظمت اجاگر کرتے ہیں۔(۵۹)

(۴) تفسیر قرآن باقوال الصحابہؓ والتابعینؒ

قرآنِ مجید کی تفسیر کرتے ہوئے جن اصولوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اگر قرآن وسنت میں کوئی حکم نہ ملے تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے۔علامہ سیوطی امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

فان لم یجده من السنة رجع الی اقوال الصحابة فانهم ادری بذلك لما شاهدوه من القرائن والاحوال عند نزوله ولما اختصموا به من الفهم

التام والعلم الصحیح والعمل الصالح[٦٠]

''اگر سنت سے بھی (تفسیر کا) پتا نہ چلے تو صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرے بے شک وہ لوگ قرآن کے بہت بڑے جاننے والے ہیں اور انہوں نے تمام قرائن و احوال نزول قرآن کے وقت دیکھے تھے اور یوں بھی وہ کامل سمجھ، صحیح علم اور عمل صالح کی صفات سے خاص تھے۔''

ڈاکٹر صاحبؒ قرآنِ مجید کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے اس بات کا التزام کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی آیات کے ذریعے ہی قرآنِ مجید کی تفسیر کی جائے پھر اس کے مفہوم کی وضاحت میں احادیث، اقوال صحابہؓ اور روایات نقل کی جائیں یا اگر قرآن وسنت سے اس آیت کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں مل رہی تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب سورۃ النور کی آیت: ﴿اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ﴾[٦١]

''فانوس کی کیفیت یہ ہو جیسے چمکتا اور جگمگاتا ستارا، وہ چراغ جلتا ہو ایک ایسے بابرکت زیتون کے درخت (کے تیل) سے جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا روغن آپ سے آپ ایک بھڑک اٹھنے کے لیے تیار ہو چاہے اسے آگ نے چھوا تک نہ ہو۔''

ڈاکٹر صاحبؒ اس آیت کی توضیح میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (م ٦٨ھ) کا قول اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اس سے زیتون کا ایسا درخت مراد ہے جو کسی پہاڑی کی چوٹی پر ہے یا کسی میدان میں یک وتنہا کھڑا ہے۔ ایسے درخت پر صبح سے لے کر شام تک مسلسل دھوپ پڑتی ہے، گویا سورج کی حرارت وتمازت اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر درختوں کا کوئی جھنڈ ہو تو اگر اس کے شرقی گوشے میں کوئی درخت ہوگا تو شام کی دھوپ اس کو نہیں ملے گی اور اگر غربی گوشے میں ہوگا تو صبح کی دھوپ سے محروم رہے گا یہ ہے مفہوم ''لا شرقية ولا غربية'' کا۔''

ڈاکٹر صاحبؒ مزید وضاحت کے لیے حضرت ابن عباسؓ ہی کا قول نقل فرماتے ہیں:

''ایسے درخت کا پھل نہایت صاف وشفاف ہوتا ہے اور اس میں روشن ہونے کی استعداد بدرجہ تمام وکمال موجود ہوتی ہے۔''[٦٢]

سورۃ النور کی آیت ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾[٦٣]

''ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور ان میں اس کے نام کی یاد کی جائے''۔

ڈاکٹر صاحبؒ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پہلی بات یہ سامنے آئی کہ اس روئے ارضی پر خارجی اعتبار سے اس نور ایمانی کے سب سے بڑے مراکز مسجدیں ہیں......جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے' یعنی ان کا ادب اور تعظیم کی جائے اس میں ان کا نام لیا جائے۔''

اس کے بعد آپ بیان کرتے ہیں:

''آیت کے اس حصے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک بہت عمدہ اور پیارا قول ملتا ہے:

المساجد بیوت اللّٰہ فی الارض' وھی تضی لاھل السماء کما تضئ النجوم لاھل الارض(٦٤)

''مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور وہ آسمان والوں کو اس طرح چمکتی نظر آتی ہیں جیسے زمین والوں کو ستارے چمکتے نظر آتے ہیں۔''

بعدازاں مسجد کی عظمت کو واضح کرنے کے لیے آیات واحادیث بھی بیان کرتے ہیں۔(٦٥)

''سورۃ بنی اسرائیل کی ۲۳ تا ۴۰ آیات کے ضمن میں آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کرتے ہیں کہ ان آیات میں تورات کے احکام عشرہ کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کر دیا گیا ہے۔''(٦٦)

(۵) تفسیر بالرائے المحمود

آیات کی توضیح وتفسیر کرتے ہوئے اپنی رائے بھی پیش کرتے ہیں جو آپ قرآنِ مجید کے مطالب ومعانی پر غور وفکر کرنے کے بعد قائم کرتے ہیں چنانچہ سورۃ الجمعہ کی آیت:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾(٦٧)

''وہی ہے جس نے اٹھایا امیین میں ایک رسول انہی میں سے تلاوت کرتا ہے ان لوگوں پر اس کی آیات اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی''

اس آیت میں موجود چار اصطلاحات: ا۔ تلاوت آیات' ۲۔ تزکیہ' ۳۔ تعلیم کتاب اور ۴۔ حکمت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”چاروں پر غور کریں تو پہلی بات نمایاں ہو کر آپ کے سامنے آئے گی کہ ان چار میں سے کم از کم دو کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ان سے مراد سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں۔ (یعنی تلاوت آیات اور تعلیم کتاب)“(۶۸)

چنانچہ تزکیہ اور حکمت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”عمل تزکیہ کے بارے میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا اپنا علیحدہ تشخص ہے۔ اسی طرح لفظ حکمت کے بارے میں بھی ہمارے ہاں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا اور بعض بڑے بڑے آئمہ دین کی طرف سے جن میں امام شافعیؒ بھی شامل ہیں، یہ خیال سامنے آیا اس سے مراد سنت ہے۔“(۶۹)

لہٰذا آپ ان چاروں اصطلاحات کے باہمی ربط وتعلق اور خود قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے اس کا مفہوم متعین کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”قرآنِ مجید مدعی ہے کہ تزکیہ کا اصل ذریعہ وہ خود ہے۔ سورۃ یونس میں صاف الفاظ میں فرما دیا گیا: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾(۷۰) ”اے لوگو! تمہارے پاس آ چکی تمہارے رب کی طرف سے ایک موعظت جو شفا ہے تمہارے سینوں کے امراض کے لیے“ ...... یہ قرآن باطنی اور روحانی امراض کا مداوا بن کر نازل ہوا ہے۔ تزکیہ نفس یا تزکیہ باطن کا اصل ذریعہ خود قرآن ہے...... جہاں تک ”تعلیم حکمت“ کا معاملہ ہے تو...... حکمت کا اصل سرچشمہ بھی خود قرآن ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾(۷۱) ”یہ ہے وہ چیز کہ آپؐ پر وحی کی آپ کے رب نے از قسم حکمت۔“

پس معلوم ہوا کہ یہ چاروں اصطلاحات یعنی تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت در حقیقت قرآنِ مجید ہی کے گرد گھوم رہے ہیں اور ان سب کا محور ومرکز قرآنِ مجید ہی ہے۔ گویا بالفاظ دیگر محمد رسول اللہ ﷺ کا آلہ انقلاب یہی قرآنِ مجید ہے۔“(۷۲)

(۶) صرفی اور نحوی بحثیں

ڈاکٹر صاحبؒ درس دیتے ہوئے قواعد عربیہ کا بھی خیال کرتے ہیں مثلاً: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾(۷۳) کی وضاحت کرتے ہیں:

”گرامر کی رو سے ایک ہی جملہ ہے اور نحوی اعتبار سے یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور شکر وسپاس ہے اس کی صفات رحمانی اور رحیمی اور عدل وقسط کا

بیان ہے۔ پھر چوتھی آیت جو اس سورۃ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے' خود ایک مکمل جملہ ہے بلکہ اس کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک آیت میں دو مکمل جملے موجود ہیں بہر حال یہ ''جملہ فعلیہ خبریہ'' ہے۔''(۷۴)

مزید برآں ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ (۷۵) کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''یہاں حصر کا اُسلوب ہے اور عربی میں چونکہ فعل مضارع میں حال اور مستقبل دونوں کے معنی ہوتے ہیں' لہٰذا ان امور کا ترجمہ میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس آیت میں رب اور بندے کے مابین ایک قول و قرار اور ایک معاہدہ و میثاق ہے۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ معاہدے میں دو فریق منسلک ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ جملہ فعلیہ خبریہ در حقیقت اللہ اور بندے کے درمیان عہد و پیمان ہے۔''(۷۶)

اسی طرح آیت ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (۷۷) کی نحوی بحث اس انداز میں کرتے ہیں:

''قرآنِ مجید میں اس ایک مقام کے سوا کہیں بھی اسماء باری تعالیٰ کے درمیان حرف عطف نہیں آیا...... اللہ کی تمام صفات اس کی ذات میں بیک وقت موجود ہیں' جبکہ واؤ باہم فصل کر دیتا ہے۔ واؤ سے تو مغائرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نحو کا قاعدہ ہے کہ عطف' معطوف اور معطوف الیہ میں مغائرت کا سبب بنتا ہے اور دنیا میں ہم جانتے ہیں کہ صفات عموماً جمع نہیں ہوتیں۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں منتقم اور غفور نہیں ہو سکتا یہ کیفیات تو مختلف ہوں گی۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات میں یہ تمام شانیں بیک وقت اور بتمام و کمال موجود ہیں۔ اسی لیے کہیں فصل نہیں ہے' کہیں حرف عطف نہیں لایا گیا' سوائے اس مقام کے۔''(۷۸)

(۷) کلامی مسائل

ان دروس میں آپ نے انتہائی عالمانہ اور فلسفیانہ انداز میں فلسفہ وجود' ماہیت وجود' ربط الحادث بالقدیم جیسے مسائل پر گفتگو کی ہے جو فلسفہ اور علم الکلام کے اہم ترین اور مشکل ترین مسائل ہیں۔ آپ یہ مسائل بالخصوص سورۃ الحدید کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں مثلاً سورۃ الحدید کی آیت ــــــ: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ (۷۹) ''نہیں نازل ہوئی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہارے اپنے نفسوں میں مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں درج ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر

کریں'' — میں وارد لفظ نبر أ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

''برء' یبرء کا لغوی معنی ہے کسی شے سے علیحدہ ہوجانا۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بارے میں بھی فلاسفہ نے یہی دو مراحل بیان کیے ہیں کہ ایک ہے کسی شے کا وجود علمی جو اللہ کی ہستی اور اس کے علم میں تھا' وہ شے ہمیشہ سے اللہ کے علم میں تھی۔ بس اس کا خارجی وجود نہیں تھا۔ اب وہ خارجی طور پر وجود میں آتی ہے تو یہ ہے برء 'یبرء اور اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ البارئ ہے۔ جو بھی حوادث اس کائنات میں آنے والے ہیں' علم خداوندی میں تو پہلے سے موجود ہیں وہ ''عالم ما کان و ما یکون'' ہے۔ جو ہوا ہے اور جو ہونا ہے سب اس کے علم میں ہے تو جہاں تک کسی شے کے وجود علمی کا تعلق ہے تو ہر شے ہمیشہ سے اللہ کے علم میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے ایسے ہی اس کی صفات اور اس کا علم بھی قدیم ہے۔ ہر شے کا ایک وجود علمی اللہ کی ذات کے ساتھ پہلے سے قائم تھا۔ اس کو کہا گیا ﴿اِلَّا فِیْ کِتَابٍ﴾ کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ تو اللہ کے علم میں وہ شے پہلے سے موجود تھی۔ آگے الفاظ آرہے ہیں ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ ''اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر کردیں۔'' اب گویا وہ شے وجود علمی سے وجود خارجی میں منتقل ہورہی ہے۔''(۸۰)

(۸) عقلی و نقلی دلائل

ڈاکٹر صاحب نے ان دروس میں نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی دیے ہیں مثلاً آیت ﴿لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ﴾(۸۱) ''تا کہ تم افسوس نہ کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے۔'' کی وضاحت عقلی و نقلی دلیل کے ذریعے اس طرح کرتے ہیں:

''......ایک تو طبعی اثر ہوتا ہے کسی چیونٹی کے کاٹنے پر آپ کے ہاتھ میں جنبش ہوئی اور آپ نے اپنا ہاتھ ہٹالیا کہ یہ کیا ہوا' یہ Reflex Action ہے۔ اس درجے میں انسان پر کسی شے کا فوری ردعمل طاری ہوجائے تو یہ بات تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہے جیسے کہ آنحضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جب عالم نزع میں تھے تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس پر بعض صحابہ کرامؓ نے سوال بھی کیا کہ حضورؐ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو؟ آپؐ نے فرمایا: یہ تو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا ظہور ہے جو اس نے انسان کے دل میں رکھی ہوئی ہے۔ لیکن ہم کہیں گے وہی کچھ جو اللہ کو پسند ہے' ہم

اس کی رضا پر راضی ہیں۔ یہ تسلیم و رضا کا مقام ہے۔ یعنی راضی برضائے رب رہنا کوئی شکوہ اور شکایت کا حکم زبان پر نہ آئے۔...... اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا معاملہ در حقیقت ایمان کے ثمرات میں سے چوٹی کا ثمرہ ہے اگر کوئی تکلیف آئی تو اس کا طبعی اثر تو یقیناً ہوگا' لیکن اس سے زیادہ آپ کے اعصاب پر اور آپ کے احساسات پر اس کی چھاپ نہ پڑنے پائے۔ آپ کا طرزِ عمل یہ ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس سے اللہ کو کوئی نہ کوئی خیر ہی منظور ہوگا۔''(۸۲)

(۹) اسالیبِ قرآن کا ذکر

ڈاکٹر صاحب دروس قرآن کے دوران گاہے بگاہے قرآنِ مجید کے بعض اسالیب کا ذکر بھی کرتے ہیں جن سے عموماً عام قاری واقف نہیں ہوتا۔ چند نمونے قابل ذکر ہیں:

''قرآنِ مجید کا اُسلوب خطبہ کا ہے۔ خطبہ میں تحویل خطاب ہوتا رہتا ہے کہ ابھی کسی ایک جانب خطاب تھا پھر اس کا خطاب دوسری جانب ہوگیا۔ مزید برآں کبھی وہ حاضر کو غائب فرض کر کے گفتگو شروع کر دیتا ہے......''(۸۳)

اسی طرح سورۃ الصف اور سورۃ الجمعۃ کی تمہیدی گفتگو اس طرح کرتے ہیں:

''قرآن حکیم میں یہ اُسلوب نظر آتا ہے کہ کسی ایک مضمون کو جن کے دو رخ یا دو پہلو ہوں' کسی ایک ہی سورت میں بیان کرنے کی بجائے بالعموم دو سورتوں میں منقسم کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ دو سورتیں گویا ایک جوڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس مضمون کے ایک پہلو پر گفتگو اس جوڑے میں شامل ایک سورۃ میں اور دوسرے پر بحث دوسری سورۃ میں ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ محاورتاً کہا جاتا ہے کہ ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں اور ان کے اجتماع سے تصویر مکمل ہوتی ہے اسی طرح دونوں سورتیں مل کر ایک مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔''(۸۴)

(۱۰) انقلابی و تحریکی انداز

ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے دروس انقلابی و تحریکی انداز کے حامل ہیں۔ آپ خود دعوت انقلاب کے داعی تھے۔ اسی لیے آپ اپنے دروس کے ذریعے لوگوں میں تحریک پیدا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کو بطورِ دین قبول کر کے اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے اصول پر عمل پیرا ہو کر غلبہ و اقامت دین یعنی اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لیے کوشاں ہو جائیں اور آیات قرآن و سنت کی روشنی میں طریق انقلاب کی وضاحت کرتے ہیں

اوردین کی سربلندی کے لیے کمر بستہ ہوجانے کے لیے لوگوں میں حوصلہ وہمت پیدا کرتے ہیں۔[۸۵]

(۱۱) تربیتی انداز

ڈاکٹر صاحب کے دروس کا انداز تربیتی ہے اس میں آپ نے تعلق مع اللہ' توکل علی اللہ' انابت الی اللہ' اتباع رسولؐ' فکر آخرت' مطالبات دین کی ادائیگی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن یعنی شہادت علی الناس اور غلبہ دین حق کی جدوجہد کے حوالے سے مسلمانوں کے فرائض کی ادائیگی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ انسان کی فکری وعملی رہنمائی بھی فرمائی ہے۔[۸۶]

(۱۲) غیر ضروری باتوں سے اجتناب

آپ کے دروس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ غیر ضروری اور ادھر ادھر کی غیر متعلقہ باتوں سے اجتناب کیا گیا ہے۔ جس موضوع کے تحت کوئی بحث چل رہی ہو اس سے متعلق معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

(۱۳) قدیم وجدید علوم کا امتزاج

ڈاکٹر صاحب دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی واقفیت رکھتے تھے اسی لیے آپ کے دروس میں قدیم وجدید علوم کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کا درس دیتے وقت جابجا آیاتِ قرآنیہ احادیث نبویہؐ اور آثار صحابہ کے حوالے دیتے ہیں۔ نیز قدیم وجدید مفسرین کی آراء پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ضرورت کے تحت مغربی مفکرین اور فلاسفرز کے حوالے بھی پیش کرتے ہیں اور مضامین کی مناسبت سے موزوں اردو' فارسی اور عربی اشعار کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کے دروس کی سماعت یا مطالعے کے بعد ایک سامع یا قاری اپنا دامن علم کی جھولی بھری ہوئی پاتا ہے۔

(۱۴) دورِ حاضر کے مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل

آپ اپنے دروس کے دوران دور حاضر کے مسائل کو بھی زیر بحث لاتے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان مسائل کا حل اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ آیات واحادیث موجودہ دور کے مطابق اترتی دکھا دیتی ہے۔ مثلاً سورۃ الحجرات کی آیت: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○﴾[۸۷]' اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا

کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے'' کی وضاحت کرتے ہوئے عالم اسلام کے مجموعی حالات پر تبصرہ کرتے ہیں:

''ہم پر مغربی استعمار کا جو سب سے بڑا کاری وار ہوا ہے' وہ یہ ہے کہ علاقائی نیشنلزم کے ہلاکت خیز جراثیم انہوں نے ہمارے اندر بھی پیدا کر دیے۔ مثال کے طور پر عربوں کے حال زار پر ایک نگاہ ڈال لیجیے۔ ویسٹرن امپریلزم نے عربوں میں علاقائی اور وطنی زہر کے جرثومے اس طور پر inject کیے ہیں کہ مصریوں کے لیے یہ بات بنائے فخر ہے کہ وہ مصری ہیں۔ شامیوں کے لیے...... کہ وہ شامی ہیں۔ یہی حال عراق' سعودی عرب اور یمن کا ہے...... ایک قوم' ایک زبان بولنے والے' اکثر و بیشتر نسل ایک' عظیم ترین اکثریت کا دین ایک' لیکن علاقائی نیشنلزم کی جو تنگ گھاٹیاں بنا کر یورپی استعمار نے ان کو چھوڑا تھا تو وہ اس سے نکل نہیں پا رہے۔ اور یہی ہماری ذلت و رسوائی اور نکبت و مسکنت کا اصل سبب ہے۔ کاش ہم مسلمان خود اپنے معالجہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس آیتِ مبارکہ کو اپنے لیے روشنی کا ایک مینار بنا لیں۔''(۸۸)

(۱۵) دینی جذبہ کی بیداری

ڈاکٹر اسرار صاحب نے اپنے دروس کے ذریعے دینی جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیخ رحیم الدین اس ضمن میں اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''آپ کے دروس قرآن کی خاص بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کو صرف میٹھی لوریاں اور بشارتیں سنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ سامعین یا قاری کو جھنجھوڑتے' ان کو جگاتے ہیں۔ ان کو دینی فرائض یاد دلانے کے ساتھ ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا دینے کے لیے اسلاف کے کارنامے یاد دلاتے اور ان میں ایک جذبہ محرکہ پیدا کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ''میرے درس میں آنے کے بعد اب آپ کی ذمہ داریاں دو چند ہو گئی ہیں۔ جو سنا ہے اس پر عمل کرنا ہو گا اور دوسروں تک پہنچانا ہو گا ورنہ محاسبہ اخروی میں جواب دہی کرنی ہو گی۔''(۸۹)

(۱۶) فقہی اور مسلکی اختلافات سے دور

آپ کے دروس فقہی اور مسلکی اختلافات سے دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات آپ کے سامعین ہوتے تھے۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ بیان کرتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کو فرقہ بندی سے سخت نفرت تھی ان کا درس گھنٹوں سننے کے بعد کوئی سامع یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے کہ ہمیں اپنے مسلمان ہونے پر مطمئن ہونا چاہیے اور صرف اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ اپنے فقہی مسلک کو اُجاگر کرنے میں محنت و وقت لگانا نہ مطلوب ہے نہ محمود۔''(۹۰)

ڈاکٹر صاحب کے منتخب نصاب کے دروس کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ فقہی اور مسلکی اختلافات سے دور رہتے ہوئے صرف احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

فصل دوم : بیان القرآن

تعارف (بیان القرآن)

قرآنِ مجید کی خدمات کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک خدمت قرآنِ مجید کی تفسیر بھی ہے۔ جو بیان القرآن کے نام سے ہے۔ اب تک اس کی دو جلدیں ☆ شائع ہو چکی ہیں۔ جلد اول تعارف قرآن' سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ پر مشتمل ہے جو ۵۱۵ صفحات پر مبنی ہے۔ جلد دوم سورۃ آل عمران' سورۃ النسآء' سورۃ المائدۃ پر مشتمل ہے۔ یہ جلد ۳۲۱ صفحات پر مبنی ہے۔

''بیان القرآن'' قرآنِ مجید کے اس وضاحتی بیان پر مشتمل ہے جو آپ دورۂ ترجمہ قرآن [۱] کے نام سے رمضان المبارک میں ہر چار رکعت تراویح سے قبل ان رکعتوں میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کرتے تھے۔

قبل ازیں اس دورہ قرآن کے پروگرام کو آڈیو اور ویڈیو کیسٹس اور Cds اور Dvds کی شکل میں محفوظ کیا گیا اور ان کے ذریعے اسے پوری دنیا میں متعارف کرایا گیا۔ بعد ازاں افادیت عامہ کے پیش نظر حافظ خالد محمود خضر مدیر شعبہ مطبوعات' قرآنِ اکیڈمی لاہور نے مرکزی انجمن خدام القرآن سرحد کے تعاون سے اس شہرہ آفاق ''بیان القرآن'' کو مرتب کر کے کتابی صورت [۲] میں پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

جہاں تک بیان القرآن کے تفسیری مصادر کا تعلق ہے تو وہ وہی ہیں جن کا تذکرہ باب ہذا فصل اول میں دروس قرآن کے ماخذ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے مختصر مقدمہ پیش کرنے کے بعد تفسیر کا آغاز ''تعارف قرآن'' سے کیا

☆ یہ مقالہ ۲۰۱۰ء کا ہے' جبکہ جون ۲۰۱۵ء تک بیان القرآن کی کتابی شکل میں اشاعت مکمل ہو چکی ہے۔ بیان القرآن سات حصوں پر مشتمل ہے جن کی مختصر تفصیل یہ ہے: حصہ اوّل (مشتمل بر سورۃ الفاتحہ وسورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن)' حصہ دوم (مشتمل بر سورۃ آل عمران تا سورۃ المائدۃ)' حصہ سوم (مشتمل بر سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ)' حصہ چہارم (مشتمل بر سورۂ یونس تا سورۃ الکھف)' حصہ پنجم (مشتمل بر سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ)' حصہ ششم (مشتمل بر سورۃ الاحزاب تا سورۃ الحجرات)' اور حصہ ہفتم (مشتمل بر سورۃ قٓ تا سورۃ الناس)!!(ادارہ)

ہے۔ جو ۴۸۷ اصفحات پر مبنی ہے اور جسے آٹھ ابواب کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ باب اول میں قرآن کا کلام الٰہی ہونا' اس کا خاتم النبیین ؐ پر نازل ہونا اور قیامت تک کے لیے محفوظ ہونا شامل ہے۔ باب دوم میں قرآن کی زبان' اس کے اسماء وصفات اور اس کے اُسلوب کلام سے بحث کی گئی ہے۔ تیسرے اور چوتھے باب میں قرآن کی ترتیب وتقسیم اور تدوین قرآن کے مراحل و واقعات کا ایک جامع تذکرہ ملتا ہے۔ پانچواں باب ''قرآن کا موضوع'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کا اصل موضوع انسان ہے اور یہ کامل ترین کتاب قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے واحد نجات اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔

چھٹے باب میں فہم قرآن کے اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے کیا چیزیں درکار ہیں۔ باب ہفتم میں اعجاز قرآن اور عظمت قرآن کا بیان ہے۔ قرآن کے اوصاف وخصائص کو بیان کیا گیا ہے۔ آخری باب میں کتاب ہدایت قرآن سے ہمارے تعلق کا کیا نقشہ ہے اور کیا ہونا چاہیے۔ نیز قرآن کے حبل اللہ ہونے اور مسلمانوں پر قرآن پر ایمان لانے کے کیا مطالبات وتقاضے اور حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اس پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

الغرض ڈاکٹر صاحبؒ نے اس تعارف میں قرآن سے ہمارے تعلقات کار کا ایک نقشہ کھینچا ہے اور قرآن کی روشنی میں ہماری زندگیوں کے لیے ایک لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ (۳)

بیان القرآن کا منہج وخصوصیات

قرآنی آیات کی تفہیم اور اس کی تعلیمات سے کما حقہ استفادہ کے لیے اردو زبان میں ایک مختصر اور جامع تفسیر ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحبؒ کی بلند پایہ علمی تحقیق کا حاصل ہے جو آسان و رواں ترجمہ کی سہولت' زبان کی روانی' دلنشین انداز بیان' علمیت اور داعیانہ انداز کی حامل ہے۔ تفسیر کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے جو منہج اختیار کیا ہے' وہ درج ذیل ہے:

(۱) سورۃ کے بارے میں تمہیدی گفتگو سے آغاز

ڈاکٹر صاحبؒ کسی بھی سورت سے متعلق آغاز میں ایک تمہیدی گفتگو کرتے ہیں جن میں درج ذیل امور کو مدنظر رکھتے ہیں:

☆ سورت کا نام' آیات کی تعداد اور اس کا مکی مدنی ہونا بیان کرتے ہیں۔

☆ سورت جس گروپ سے تعلق رکھتی ہے اس گروپ میں شامل سورتوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان سورتوں کا باہمی ربط' ان کے مضامین کا تقابل اور اُسلوب بھی بہت عمدہ انداز میں

پیش کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کے حوالے سے تمہیدی گفتگو اس طرح کرتے ہیں:

''سورۃ فاتحہ کے بعد جو چار سورتیں ہیں یہ جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران ایک جوڑا ہے جبکہ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ دوسرا جوڑا ہے۔ اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران دونوں میں بغیر کسی تمہید کے گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ سورۃ النسآء کا آغاز یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ...... سے ہوتا ہے اور سورۃ المائدہ کا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ...... سے۔ اس سے پہلے کوئی تمہیدی بات نہیں کی گئی...... سورۃ البقرہ میں یوں سمجھئے کہ احکام شریعت کی ابتدا ہوتی ہے...... ابتدائی خاکہ جو ہے شریعت محمدی ﷺ کا وہ سورۃ البقرۃ میں ہے۔ پھر سورۃ النساء میں اس کے اندر مزید اضافہ ہوتا ہے اور سورۃ المائدۃ میں شریعت کے تکمیلی احکام آتے ہیں۔''(۴)

سورۃ النساء کی تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے اس گروپ کی دوسری سورتوں کے مضامین سے باہم تقابل اور ان کا اُسلوب بھی بیان کرتے ہیں مثلاً:

''اپنے اُسلوب کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں سورۃ البقرۃ کے نصف ثانی کے مشابہ ہیں۔ یعنی چند مضامین کی لڑیاں چل رہی ہیں لیکن ایک رسی کی طرح آپس میں اس طرح بٹی ہوئی اور گتھی ہوئی ہیں کہ وہ لڑیاں مسلسل نہیں بلکہ کٹواں نظر آتی ہیں۔ اگر آپ چار مختلف رنگوں کی لڑیوں کو آپس میں بٹ کر رسی کی شکل دے دیں تو ان میں سے کوئی سا رنگ بھی مسلسل نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ باری باری چاروں رنگ نظر آتے رہیں گے۔ اب اگر آپ اس رسی کو کھول دیں گے تو ہر ایک لڑی الگ ہو جائے گی اور چاروں رنگ الگ الگ نظر آئیں گے۔ سورۃ البقرۃ کے نصف ثانی کے مضامین...... یہ گویا چار لڑیاں ہیں جن میں دو کا تعلق شریعت سے ہے اور دو کا جہاد فی سبیل اللہ سے۔ شریعت کی دو لڑیوں میں سے ایک جہاد بالمال یعنی انفاق فی سبیل اللہ اور دوسری جہاد بالنفس کی آخری شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ۔ یہاں سورۃ النساء میں بھی تین لڑیاں اسی طرح آپس میں گتھی ہوتی ہیں...... یہ تین لڑیاں خطاب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ ایک لڑی تو وہ ہے جس میں خطاب اہل ایمان سے ہے اور سورۃ البقرۃ کی طرح اس کے ذیل میں وہی چار چیزیں آ رہی ہیں۔ قتال، انفاق، احکام شریعت اور عبادت......''(۵)

اسی طرح سورۃ فاتحہ کے اُسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کا اُسلوب دعائیہ ہے۔ یہ دعا اللہ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ مجھ سے اس طرح

مخاطب ہوا کرو جب میرے حضور میں حاضر ہو تو یہ کہا کرو۔"(٦)

☆ بعض سورتوں کی اہمیت وفضیلت بھی بیان کرتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سورۃ البقرۃ کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ مجید کا ذروہ سنام یعنی کلائمکس قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں ((البقرۃ سنام القرآن و ذروتہ)) حجم کے اعتبار سے بھی قرآن کی سب سے بڑی سورت یہی ہے۔"(٨)

☆ سورتوں کے مضامین پر آپ کی گہری نظر ہے۔ ہر سورت کو مختلف مضامین کے لحاظ سے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پھر ان حصوں میں جو رکوع اور آیات ہیں ان میں بیان کردہ مضامین پیش کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ آل عمران کے تمہیدی کلمات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"سورۃ آل عمران کے بھی دو حصے ہیں جو بہت مساوی ہیں۔ اس کے کل ٢٠ رکوع ہیں، ١٠ رکوع نصف اول میں ہیں اور ١٠ رکوع ہی نصف ثانی میں، دس رکوع میں ١٠١ آیات اور دوسرے دس رکوعوں میں ٩٩ آیات ہیں۔ یعنی صرف ایک آیت کا فرق ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ میں نصف اولیٰ کے تین حصے ہیں ویسے ہی یہاں بھی نصف اول کے تین حصے ہیں...... سورۃ بقرہ میں روئے سخن ابتدا ہی سے یہود کی طرف ہو گیا جبکہ یہاں روئے سخن ابتدا ہی سے نصاریٰ کی طرف ہے۔ ابتدائی ٣٢ آیات کے بعد ٣١ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ سے براہ راست خطاب ہے...... سورۃ آل عمران کا نصف ثانی دس رکوعوں پر مشتمل ہے...... پہلے دو رکوعوں میں خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے پھر اگرچہ روئے سخن اہل کتاب ہی کی طرف ہے اس کے بعد مسلسل چھ رکوع غزوۂ احد کے حالات پر مشتمل ہیں......"(٩)

☆ چھوٹی سورتوں میں مکمل سورت یا لمبی سورتوں میں سے چند آیات پیش کرتے ہیں پھر ایک ایک آیت کا آسان وسادہ بامحاورہ ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کرتے ہیں جبکہ بعض مقامات پر صرف بامحاورہ ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور بعض مقامات کی وضاحت تفصیلاً بھی کرتے ہیں۔

☆ کبھی ایک رکوع کی ابتداء کرنے سے پہلے یا کسی رکوع کے اختتام پر اس میں جو مضمون بیان ہوتا ہے اسے مختصراً بیان کرتے ہیں۔(١٠)

(۲) تفسیر بالقرآن

ڈاکٹر صاحبؒ کی تفسیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی ہے۔ بعض اوقات آیات کی وضاحت میں آیات ہی لاتے ہیں۔ چونکہ آپ نے بیان القرآن میں آیات کی مختصر تفسیر پیش کی ہے اس لیے اکثر و بیشتر قرآن مجید میں جہاں کہیں اسی معنی و مفہوم اور اس کی وضاحت سے متعلق آیات آئی ہوں ان کی صرف نشاندہی کر دیتے ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی آیت: ﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾(11) ''وہ عذاب سے دوچار ہوں گے اور ان کے تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔'' کی وضاحت میں کہ جہنم کو دیکھ کر تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے وہ کون سے رشتے ہوں گے اس ضمن میں سورۃ عبس کی آیات: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ۝ ﴾(12) ''اس روز آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے' اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آ پڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔'' اور سورۃ المعارج کی آیات ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ۝﴾(13) ''مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو' اپنی بیوی کو' اپنے بھائی کو' اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دیا کرتا تھا اور سب جو کچھ زمین میں ہیں فدیے میں دے دے اور یہ تدابیر اسے نجات دلا دے۔'' پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ جن رشتوں کی وجہ سے ہم حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہے ہیں جن کی دل جوئی کے لیے حرام کی کمائی کرتے ہیں اور جن کی ناراضی کے خوف سے دین کے راستے پر آگے نہیں بڑھ رہے ہیں یہ سارے رشتے اسی دنیا تک محدود ہیں اور اخروی زندگی میں یہ کچھ کام نہ آئیں گے۔''(14)

﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾(25) ''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمات تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی'' کی وضاحت میں کہ وہ کون سے کلمات تھے جن سے آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں:

''اس حالت میں اللہ نے اپنی رحمت سے انہیں چند کلمات القا فرمائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی تو وہ کلمات سورۃ الاعراف میں بیان ہوئے ہیں۔'' پھر آپ سورۃ الاعراف کے

کلمات (۱۶) بیان کرتے ہیں۔ (۱۷)

اسی طرح سورۃ النساء کی آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ (۱۸) ''اور اگر تم بچتے رہو ایسے بڑے گناہوں سے کہ منع کیا گیا ہے تم کو جن سے'' کا ترجمہ اور انتہائی مختصر تشریح پیش کرنے کے بعد عرض کرتے ہیں:

''یہ مضمون سورۃ الشوریٰ میں بھی آیا ہے اور پھر سورۃ النجم میں بھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں اور یہ مضمون قرآن میں تین بار آیا ہے۔'' (۱۹)

ایک آیت کی وضاحت کے دوران قرآنِ حکیم میں وارد دوسری آیات کے مقامات کے بارے میں جب ایک قاری کو پتا چل جاتا ہے تو وہ مختصر تشریح ہونے کے باوجود تشنگی محسوس نہیں کرتا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے بیان القرآن کی ایک نمایاں خوبی ہے۔

(۳) تفسیر بالحدیث

ڈاکٹر صاحبؒ آیات کی وضاحت پیش کرتے ہوئے احادیث مبارکہ بھی بیان کرتے ہیں اگر کسی آیت کا مفہوم حدیث سے واضح ہو رہا ہو تو اس کو حدیث کی رو سے بیان کرتے ہیں' مثلاً ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ (۲۰) کی وضاحت حدیث مبارکہ کے ذریعے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایک بہت بڑا میثاق اور معاہدہ ہے اس کی شرح ایک حدیث قدسی میں بایں الفاظ آئی ہے: ((اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ' فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ' وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ)) (۲۱)

''میرا بندہ جب بھی مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں' اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔''

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''اس کی محفل تو بہت بلند و بالا ہے' وہ ملاء اعلیٰ کی محفل ہے' ملائکہ مقربین کی محفل ہے۔'' (۲۲)

اسی طرح آیت ﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ (۲۳) کی وضاحت اس انداز میں کرتے ہیں:

''اچھا کھانا' اچھا پینا' اچھا پہننا حرام نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو لوگوں کے لیے ممنوع نہیں کیا۔ ایک مسلمان دین کے تقاضے ادا کر کے اللہ کا حق ادا کر کے اور حلال سے کما کر ان چیزوں کو حاصل کرے تو کوئی حرج نہیں۔''

بعدازاں اس بات کی وضاحت میں کہ دنیا کی حقیقت کافروں اور مؤمنوں کے لیے کیا ہے' حدیث مبارکہ بیان کرتے ہیں:((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ))(۲۴) ''دنیا مومن کے لیے ایک قید خانہ اور کافر کے لیے باغ ہے۔''(۲۵)

(۴) الفاظ کی تفہیم میں شواہد واستدلال کا طریقۂ کار

ڈاکٹر صاحب قرآنی آیت میں وارد الفاظ کی وضاحت کے لیے شواہد و استدلال کا استعمال کرتے ہیں اس کے لیے وہ آیات اور احادیث مبارکہ کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ آل عمران کی آیت:﴿وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ﴾(۲۶)''اورتم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمھیں محبوب ہے''میں الفاظ مِنْ بَعْدِ مَا اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے اکثر مفسرین نے مال غنیمت مراد لیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب ان الفاظ سے مراد ''فتح'' لیتے ہیں' آپ لکھتے ہیں:

> ''یہاں اس سے مراد دراصل فتح ہے اور اس کے لیے''القرآن يفسر بعضه بعضا'' کی رو سے سورۃ الصّف کی یہ آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے:﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾(۲۷)

گویا بندۂ مؤمن کو دنیا میں فتح ونصرت محبوب تو ہوتی ہے لیکن اسے اس کو اپنا مقصود نہیں بنانا۔ اس کا مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔ باقی کامیابی یا ناکامی اللہ کی مرضی اور اس کی حکمت کے تحت ہوتی ہے۔ اللہ کب فتح لانا چاہتا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔(۲۸)

اسی طرح ﴿وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ﴾(۲۹)''کون ہوگا جو ابراہیمؑ کے طریقے سے منہ موڑے''میں لفظ يَرْغَبُ کی حدیث کی رو سے تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''رغبت کا لفظ عربی زبان میں دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔''رغب الی'' کا مفہوم ہے کسی شے کی طرف رغبت ہونا' محبت ہونا' میلان ہونا جبکہ''رغب عن'' کا مطلب ہے کسی شے سے متنفر ہونا' کسی شے سے اباء کرنا' اسے چھوڑ دینا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))(۳۰) پس جسے میری سنت ناپسند ہو تو وہ مجھ سے نہیں۔''(۳۱)

(۵) اسرائیلیات سے متعلق محتاط موقف

تفسیر بالروایہ کی اکثر کتب اسرائیلیات سے بھری ہوتی ہیں لیکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ

کا اسرائیلیات کے بارے میں عملی طور پر طرزِ عمل انتہائی محتاط، متوازن اور قرآن وسنت پر مبنی ہے۔ آپ کا مؤقف یہ ہے:

''تورات، انجیل، زبور اور صحفِ ابراہیمؑ کی پراجمالی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیجیے......ان کتابوں میں تحریف ہوگئی ہے۔ لہٰذا ان کتابوں کی کوئی شے قرآن پر حجت نہیں ہوگی۔ جو چیز قرآن سے ٹکرائے گی ہم اس کو رد کر دیں گے اور ان کتابوں کی کسی شے کو دلیل کے طور پر نہیں لائیں گے لیکن جہاں قرآنِ مجید کی کسی بات کی نفی نہ ہو رہی ہو وہاں ان سے استفادہ میں کوئی حرج نہیں۔ بہت سے حقائق ایسے ہیں جو ہمیں ان کتابوں ہی سے ملتے ہیں۔ مثلاً انبیاء کے درمیان زمانی ترتیب ہمیں تورات سے ملتی ہے جو قرآن میں نہیں ہے......اس اعتبار سے سابقہ کتب سماویہ کی اہمیت پیش نظر رہنی چاہیے۔''(۳۲)

مثلاً آیت: ﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ﴾(۳۳) ''اب انہوں نے چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''......یہود کی ان چالوں کے توڑ کے لیے اللہ نے اپنی چال چلی۔ اب اللہ کی چال کیا تھی؟ اس کی تفصیل قرآن یا حدیث میں نہیں ہے بلکہ انجیل برناباس میں ہے...... یہ ساری تفصیل انجیل برناباس☆ میں موجود ہے...... یہ شہادت درحقیقت نصاریٰ ہی کے گھر سے ہمیں ملی ہے اور قرآن کا جو بیان ہے اس میں یہ پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے۔''(۳۴)

(۶) مفسرین کی آراء اور اپنی رائے کا اظہار

ڈاکٹر صاحبؒ آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین کی رائے بیان کرتے ہیں اور جمہور مفسرین کا جس بات پر اتفاق ہوتا ہے آپ اسی رائے کو پسند کرتے ہیں۔(۳۵) لیکن بعض اوقات کسی ایک مفسر کی منفرد رائے کو جمہور کی آراء پر معتبر گردانتے ہیں جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۸۳ اور ۱۸۴ میں روزے کی فرضیت کے بارے میں جمہور مفسرین کی آراء کی بجائے آپ امام رازیؒ کی رائے (۳۶) سے اتفاق کرتے ہیں کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ میں جو روزہ رکھنے کا حکم آیا ہے اس سے مراد ایامِ بیض کے تین روزے ہیں۔(۳۷) اسی طرح ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾(۳۸) کی وضاحت کرتے ہوئے

☆ انجیل برناباس، مولانا محمد حلیم انصاری (مترجم)، ادارہ اسلامیات، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۳ء، فصل ۲۱۳-۲۲۱، ۲۲۰-۲۲۴

لکھتے ہیں:

''اکثر و بیشتر مفسرین[۳۹] نے اس کے بارے میں یہی رائے قائم کی ہے کہ یہ منافقین کا تذکرہ ہے۔ اگرچہ یہاں لفظ منافق یا لفظ نفاق نہیں آیا لیکن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی رائے[۴۰] یہ ہے کہ یہاں ایک کردار کا نقشہ کھینچا گیا ہے غور کرنے والے غور کریں کہ وہ کس پر چسپاں ہو رہا ہے۔ ان کے نقطۂ نظر سے یہ بالفعل دو طبقات پر راست آ رہا ہے: ایک یہود اور دوسرے منافق۔ ڈاکٹر صاحبؒ اسی رائے کو پسند کرتے ہیں کہ زیادہ تر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہاں منافقین کا تذکرہ ہے لیکن بعینہٖ یہی کردار یہود کے علماء پر بھی منطبق ہو رہا ہے۔[۴۱]

(۷) عہدِ حاضر کے عقائد باطلہ اور فتنہ پروروں کی نشاندہی

ڈاکٹر صاحبؒ اہل کتاب کے گمراہ عقائد کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ دور میں مسلمانوں کے اندر جو گمراہ عقائد در آئے ہیں ان کی نہ صرف نشاندہی بلکہ تردید بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں میں یہ رنگ نظر آتا ہے کہ آپ ایمانیات اور عقیدے کی درستی پر بہت زور دیتے ہیں کیونکہ عقیدہ کی تصحیح پر ہی ہمارے اعمال کی درستی کا انحصار ہے۔

چنانچہ آپ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾[۴۲] کی تفسیر کرتے ہوئے موجودہ دور کے گمراہ عقائد کی نشاندہی اس انداز میں کرتے ہیں:

''......نصاریٰ ''ضالین'' ہیں۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں صرف غلو کیا ہے (جس کی نیت تو غلط نہیں ہوتی لیکن وہ غلو کر کے جذبات میں آ کر کوئی غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے تو وہ ضال 'گمراہ) ہے۔ جیسے ہمارے یہاں بھی بعض نعت گو اور نعت خواں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرتے ہیں تو مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کبھی انہیں اللہ سے بھی اوپر لے جاتے ہیں یہ غلو ہے...... ہمارے شیعہ بھائیوں میں بھی بعض لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا ہی کا بیٹا بنا بیٹھے ہیں مثلاً ''لیکن نہیں ہے ذاتِ خدا سے جدا علی'' بہرحال یہ غلو ہوتا ہے جو انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔''[۴۳]

اسی طرح فتنہ انکارِ حدیث اور انکارِ سنت کو سورۃ النساء کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾[۴۴] کی روشنی میں گمراہی قرار دیتے ہیں' فرماتے ہیں:

''دین میں جس چیز کی وجہ سے بنیادی خرابی ہوتی ہے وہ اصل میں کیا ہے؟ وہ غلطی یا

خرابی ہے اللہ اور رسولوں میں تفریق۔ ایک تفریق تو وہ ہے جو رسولوں کے درمیان کی جاتی ہے اور دوسری تفریق اللہ اور رسولؐ کو علیحدہ علیحدہ کر دینے کی شکل میں سامنے آتی ہے اور یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ فتنہ انکارِ حدیث اور انکارِ سنت۔ اسی جہالت و گمراہی کا شاخسانہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل قرآن سمجھتے ہیں اور ان کا نظریہ ہے کہ رسولؐ کا کام قرآن پہنچا دینا تھا' سو انہوں نے پہنچا دیا اب اصل معاملہ ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ کی کتاب عربی زبان میں ہے ہم اس کو خود سمجھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ رسول ﷺ نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کو جو اس کی تشریح سمجھائی تھی اور اس زمانے کے لوگوں نے اسے قبول کیا تھا' وہ اس زمانے کے لیے تھی۔ گویا رسولؐ کی تشریح کوئی دائمی چیز نہیں' دائمی شے صرف قرآن ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ اور رسول کو جدا کر دیا یہاں اسی گمراہی کا ذکر آ رہا ہے۔'' (۴۵)

(۸) مربیانہ اور داعیانہ اُسلوب بیان

ڈاکٹر صاحب کا اندازِ تفسیر داعیانہ ہے۔ آپ آیات کی وضاحت پیش کرتے ہوئے عامۃ الناس کو دین اسلام کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے اور دین کے تقاضوں کی ادائیگی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ افراد کی تربیت کے لیے ان کی کمزوریوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں مثلاً:

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ (۴۶) ''کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد سب یہودی تھے یا نصرانی تھے'' کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''.....یہی بات آج مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب دیوبندی تھے' بریلوی تھے' اہل حدیث تھے یا شیعہ تھے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ ان تقسیموں سے بالاتر رہا جائے۔ ٹھیک ہے ایک شخص کسی فقہی مسلک کی پیروی کر رہا ہے' لیکن اس مسلک کو اپنی شناخت بنا لینا' اسے دین پر مقدم رکھنا' اس مسلک ہی کے لیے ساری محنت و مشقت اور بھاگ دوڑ کرنا' اور اسی کی دعوت و تبلیغ کرنا' دین کی اصل حقیقت اور روح کے یکسر خلاف ہے۔'' (۴۷)

اسی طرح آپ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کی وضاحت اس انداز میں کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا شعور بیدار ہو' چنانچہ آپ بیان کرتے ہیں:

''عدلِ اجتماعی پر اسلام نے جتنا زور دیا ہے بدقسمتی سے آج ہمارا مذہبی طبقہ اتنا ہی اس سے بے بہرہ ہے۔ آج کے مسلم معاشروں میں سرے سے شعور ہی نہیں کہ عدلِ اجتماعی

کی بھی کوئی اہمیت اسلام میں ہے ......لہٰذا سب سے پہلے وہ نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس میں عدل ہو انصاف ہو......اصل کام نظام کا بدلنا ہے۔''(۴۸)

ڈاکٹر صاحب یہودیوں کی ذلت وخواری ان پر اللہ کے غضب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''......اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ''خیرامت'' قرار دیا۔ ہم نے بھی جب اپنا مشن چھوڑ دیا تو ذلت اور مسکنت ہمارا مقدر بن گئی۔ اللہ کا قانون اور اللہ کا عدل بے لاگ ہے۔ یہ سب کے لیے ایک ہے۔ ہر امت کے لیے الگ الگ نہیں ہے۔ اللہ کی سنت بدلتی نہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کے سبب ان کا جو حشر ہوا آج وہ ہمارا ہو رہا ہے۔''(۴۹)

بعدازاں ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں اپنی ایک کتاب ''سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل'' کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اسلام میں کوئی پیشوائیت نہیں، کوئی پاپائیت نہیں، کوئی برہمنیت نہیں۔ ''اسلام'' تو ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ ہر شخص کتاب اللہ پڑھے، ہر شخص عربی سیکھے اور کتاب اللہ کو سمجھے۔ ہر شخص کو عبادات کے قابل ہونا چاہیے۔ ہر شخص اپنی بچی کا نکاح خود پڑھائے، اپنے والد کا جنازہ خود پڑھائے۔ ہم نے خود اسے پیشہ بنا دیا ہے اور عبادات کے معاملے میں ایک خاص طبقے کے محتاج ہو گئے ہیں۔''(۵۰)

(۹) تاریخی حالات وواقعات کا بیان

ڈاکٹر صاحب کی یہ تفسیر اگرچہ مختصر انداز میں کی گئی ہے لیکن جہاں تاریخی شخصیات، حالات وواقعات کا بیان ہے، وہاں تفصیلی گفتگو کرتے ہیں اور بہت عمدگی سے حالات وواقعات پیش کرتے ہیں۔ نیز بعض مقامات کا جغرافیائی حدود اربعہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔(۵۱)

(۱۰) عربی قواعد کا تذکرہ

ڈاکٹر صاحب نے آیات کی تفسیر اختصار کے ساتھ کی ہے لیکن جہاں ضروری معنی ومفہوم کی وضاحت درکار ہو وہاں آپ عربی قواعد کی رو سے بھی مفہوم واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾(۵۲) کی نحوی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کان عربی زبان میں دو طرح کا ہوتا ہے ''تامہ'' اور ''ناقصہ''۔ کان ناقصہ کے اعتبار

سے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اپنے اس استکبار اور انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا
(۵۳)''
جبکہ کان تامہ کے اعتبار سے یہ معنی ہوں گے کہ وہ تھا ہی کافروں میں سے......
اسی طرح ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ﴾(۵۴) میں لفظ متوفیك کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وفی کے معنی ہیں پورا کرنا' اردو میں بھی کہا جاتا ہے وعدہ وفا کرنا۔ اسی سے باب تفعیل میں وَفّٰی یُوَفِّی تَوْفِیَۃ کا مطلب ہے کسی کو پورا دینا جیسا کہ آیت ﴿فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ ھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾(۵۵)''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں ہر جان کو پورا پورا بدلہ اس کے اعمال کا دے دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا'' باب تفعل میں اس توفی یتوفی کا معنی ہوگا کسی کا پورا پورا لے لینا۔ اور یہ لفظ گویا بتمام وکمال منطبق ہوتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام پر' جن کو اللہ تعالیٰ ان کے جسم اور جان سمیت دنیا سے لے گیا۔''(۵۶)

(۱۱) علمی وفکری اور تجزیاتی انداز

''بیان القرآن'' ایک علمی وفکری تفسیر ہے جس میں ان کی تجزیاتی فکر کھل کر سامنے آتی ہے۔ اس میں آیت قرآنی پر علمی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر کے نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کی حقانیت پر یقین میں اضافہ ہوتا ہے' مثلاً: ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾(۵۷) ''اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ'' کی تفسیر اس انداز میں کرتے ہیں:

''معاشرے میں عدل قائم کرنے کا حکم ہے۔ انسان فطرتاً انصاف پسند ہے۔ انصاف عام انسان کی نفسیات اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ آج پوری نوع انسانی انصاف کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ انصاف ہی کے لیے انسان نے بادشاہت سے نجات حاصل کی اور جمہوریت کو اپنایا تاکہ انسان پر انسان کی حاکمیت ختم ہو' انصاف میسر آئے' مگر جمہوریت کی منزل سراب ثابت ہوئی اور ایک دفعہ انسان پھر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ اب سرمایہ دار اس کے آقا اور ڈکٹیٹر بن گئے۔ اس لعنت سے نجات کے لیے اس نے کمیونزم (Communism) کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر یہاں بھی متعلقہ پارٹی کی آمریت (One Party Dictatorship) اس

کی منتظر تھی۔ گویا ''رُست از یک بند تا افتادر بندے دگر'' یعنی ایک مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری آفت میں گرفتار ہو گئے۔ اب انسان عدل اور انصاف حاصل کرنے کے لیے کہاں جائے؟ بتاتے ہیں...... یہاں پر ایک روشنی تو انسان کو اپنی فطرت کے اندر سے ملتی ہے کہ اس کی فطرت انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور اپنی فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے وہ عدل قائم کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے' مگر اس سے اوپر بھی ایک منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ ''العدل'' اللہ کی ذات ہے جس کا دیا ہوا نظام ہی عادلانہ نظام ہے۔ چنانچہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ...... میں اسی بلند تر منزل کا ذکر ہے۔''(۵۸)

یہ صرف فطرتِ انسانی کا تقاضا ہی نہیں بلکہ تمہاری عبدیت کا تقاضا بھی ہے...... پوری قوت کے ساتھ اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ...... کھڑے ہو جاؤ' اللہ کے لیے۔(۵۹)

اسی طرح ﴿یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ﴾(۶۰) ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے'' کی وضاحت منفرد تجزیاتی انداز میں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا نکتہ نظر یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید کی آیات موجودہ حالات کے مطابق اترتی نظر آئیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''شیخ محمود احمد نے اپنی کتاب "Man & Money" میں ثابت کیا ہے کہ تین چیزیں سود کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ جتنا سود بڑھے گا اسی قدر بے روزگاری بڑھے گی' افراطِ زر (Inflation) میں اضافہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں (Interest Rate) بڑھے گا۔ شرح سود کے بڑھنے سے بے روزگاری مزید بڑھے گی اور افراط زر میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔ یہ ایک دائرہ خبیثہ (Vicious Circle) ہے اور اس کے نتیجے میں کسی ملک کی معیشت بالکل تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ تباہی ایک وقت تک پوشیدہ رہتی ہے' لیکن پھر یک دم اس کا ظہور بڑے بڑے بینکوں کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ ابھی جو کوریا کا حشر ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے پہلے روس کا جو حشر ہو چکا ہے وہ پوری دنیا کے لیے باعث عبرت ہے۔ سودی معیشت کا معاملہ تو گویا شیش محل کی طرح ہے۔ اس میں تو ایک پتھر آ کر لگے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس معاملہ صدقات کا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ پالتا ہے' بڑھاتا ہے جیسا کہ سورۃ الروم کی آیت ۳۹ میں ارشاد ہوا۔''(۶۱)

آیات کی تفسیر کے دوران مغربی مفکرین اور فلاسفرز کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔(۶۲)

(۱۲)عام مثالوں یا حالاتِ حاضرہ کے ذریعے وضاحت

ڈاکٹر صاحب تفسیر ہذا میں جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں عام مثالوں کے ذریعے بھی مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں جیسا کہ ﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾(۶۳) میں خلیفہ کا مفہوم اور انسان کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزوں کے جو وائسرائے ہوتے تھے ان کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۴۷ء سے پہلے ہم انگریز کے غلام تھے' ہمارا اصل حاکم انگلستان میں تھا جبکہ دہلی میں وائسرائے ہوتا تھا۔ وائسرائے کا کام یہ تھا کہ "Her Majesty" یا "His Majesty" کی حکومت کا جو بھی حکم موصول ہوا اسے بلا چوں و چرا بغیر کسی تغیر اور تبدل کے نافذ کرے۔ البتہ وائسرائے کو اختیار حاصل تھا کہ اگر کسی معاملے میں انگلستان سے حکم نہ آئے تو یہاں کے حالات کے مطابق اپنی بہترین رائے قائم کرے۔ وہ غور و فکر کرے کہ یہاں کی مصلحتیں کیا ہیں اور جو چیز سلطنت میں ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے بعینہٖ یہی رشتہ کائنات کے اصل حاکم اور زمین پر اس کے خلیفہ کے مابین ہے......''(۶۴)

(۱۳)حروفِ مقطعات سے متعلق نقطۂ نظر

قرآنِ مجید کی بعض سورتوں میں حروف مقطعات آتے ہیں۔ ان کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ''بیان القرآن'' میں حروف مقطعات پر زیادہ بحث نہیں کی لیکن آپ کی حروف مقطعات کے بارے میں جو رائے ہے وہ ضرور بیان کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''یہ حروف مقطعات جن کے بارے میں جان لیجیے کہ ان کے حقیقی' حتمی اور یقینی مفہوم کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور اس کے رسولؐ کے۔ یہ ایک راز ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے مابین۔ حروف مقطعات کے بارے میں اگرچہ بہت سی آراء ظاہر کی گئی ہیں لیکن ان میں سے کوئی شے رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔''(۶۵)

(۱۴)اردو' عربی اور فارسی اشعار کا استعمال

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اُسلوبِ تحریر و بیان میں جو بات نمایاں نظر آتی ہے وہ ان کے بے ساختہ اور برملا اشعار کی ادائیگی ہے۔ آپ کی تفسیر میں بھی ہمیں یہ رنگ نظر آتا ہے کہ آپ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے موقع و محل کی مناسبت سے برملا اردو' عربی اور فارسی کے اشعار بیان کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی تفسیر میں ادب کی چاشنی بھی گھل گئی ہے۔

جیسا کہ آیت ﴿وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ''اور اگر آپؐ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے اردگرد سے منتشر ہو جاتے'' کی وضاحت میں آپ صرف یہ شعر☆ بیان کر دیتے ہیں:۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا' کوئی بدگمان حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی (۶۷)

(۱۵) فقہی مسائل

ڈاکٹر صاحب نے بیان القرآن میں فقہی مسائل کو آیاتِ قرآنی کی اجمالی تشریح و تفہیم تک محدود رکھا ہے۔ معاملاتی احکام کی تشریح میں حنفی نقطۂ نظر کو مرکزی حیثیت دی ہے جبکہ عبادات سے متعلق آپ کا رویہ معتدل ہوتا ہے۔ یعنی عبادات میں جس کا مؤقف درمیانی اور معتدل ہوتا ہے اور آپ کو درست لگتا ہے آپ اسے اختیار کرتے ہیں۔ (۶۸)

(۱۵) انگریزی مترادفات کا استعمال

ڈاکٹر صاحب کے اُسلوب تحریر و بیاں کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ آپ وضاحت کے دوران اردو (کے ساتھ اس کے) انگریزی مترادفات کا استعمال بھی بہت زیادہ کرتے ہیں جس سے ایسے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے جو ثقیل اردو اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے' جیسا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اگلی آیت میں تیسری ہدایت مقننہ (Legislature) کے بارے میں آرہی ہے کہ اسلامی ریاست کی دستوری بنیاد کیا ہوگی۔ جدید ریاست کے تین ستون انتظامیہ (Executive) عدلیہ (Judiciary) اور مقننہ (Legislature) گنے جاتے ہیں۔'' (۶۹)

(۱۷) آیات کے باہمی ربط کی رضاحت

ڈاکٹر صاحب کی تفسیر کی یہ خوبی ہے کہ آپ آیات کے باہمی ربط کا گاہے بگاہے تذکرہ کرتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے دوران مطالعہ تفسیر قرآن مجید کے تمام مضامین ایک لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے ابتدائی نو (۹) رکوع کی آیات کے باہمی ربط کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

☆ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال' بال جبریل' شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز' لاہور' طبع بست وششم' ۱۹۸۴ء' ۱۷

''یہ ربطِ کلام اگر سامنے نہ رہے تو انسان قرآنِ مجید کی طویل سورتوں کو پڑھتے ہوئے کھو جاتا ہے کہ بات کہاں سے چلی تھی اور اب کدھر جا رہی ہے۔''(۷۰)

حاصلِ کلام

تفسیر ''بیان القرآن'' کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگرچہ یہ مختصر تشریح و توضیح کی حامل ہے لیکن تشریح طلب مقامات کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے اور ایک قاری اس کے مطالعے کے بعد نہ صرف قرآن کے معانی و مفہوم کی سمجھ بوجھ حاصل کر سکتا ہے بلکہ تاریخی واقعات اور عصرِ حاضر کے مسائل سے بھی واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ نیز ان مسائل کا حل بھی اسے قرآن و سنت کی روشنی میں مل جاتا ہے۔ الغرض سادہ اور سلیس انداز میں بیان کی گئی یہ تفسیر ڈاکٹر صاحب کی ایک عمدہ کاوش ہے۔

حواشی، فصل اوّل

(۱) المائدۃ۵:۱۶

(۲) النحل۱۶:۸۹

(۳) یونس۱۰:۵۷

(۴) ((إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ)) السنن لابن ماجة، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، رقم الحديث ۲۱۸، ۳۳

(۵) دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآنِ مجید، ۱۱، ۱۲

(۶) ڈاکٹر اسرار احمد، قرآنِ حکیم کی قوتِ تسخیر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۰ء، ۳۷

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، ۶۴-۹۲؛ قرآنِ حکیم کی قوتِ تسخیر، ۳۸-۴۱

(۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد، امتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل اور نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، طبع دوم، ۱۹۹۵ء، ۲۵؛ کتابچہ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

(۹) ڈاکٹر اسرار احمد، عظمتِ قرآن بزبانِ قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ششم، ۲۰۰۵ء، ۲۸

(۱۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقالہ ہذا باب دوم، فصل اوّل

(۱۱) یہ دروس آڈیو کیسٹس اور CD's کی شکل میں محفوظ ہیں۔ان دروس کو ابھی صفحۂ قرطاس پر منتقل نہیں کیا گیا۔

(۱۲) ڈاکٹر صاحب نے مطالعہ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب کے تفصیلی دروس بھی دیے جو آڈیو کیسٹس اور CD's کی شکل میں موجود ہیں۔ لیکن اس فصل میں منتخب نصاب کے صرف ان مختصر دروس کا جائزہ لیا جائے گا جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

(۱۳) ڈاکٹر اسرار احمد، مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۱۰ء، ۱۱/۱

(۱۴) ایضاً، ۱۲/۱

(۱۵) ایضاً

(۱۶) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱۷/۱

(۱۷) تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، جلد اول و دوم

(۱۸) ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور، طبع سوم، ۲۰۰۹ء، ۶/۱

(۱۹) مطالعہ قرآن حکیم کا تفصیلی منتخب نصاب تمہیدی گفتگو (CD)؛ علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریۂ پاکستان، ۱۸

(۲۰) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، ۱۳۱

(۲۱) بیان القرآن، ۷/۱

(۲۲) ملاقات، محترمہ امۃ المعطی

(۲۳) ڈاکٹر اسرار احمد، مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب (متن)، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہفد ہم، ۲۰۰۶ء، ۶

(۲۴) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱۸/۱؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآن کا منتخب نصاب، ۱۲۰/۱، ۲۱۸، ۲۱۵، ۲۵۹

(۲۵) ایضاً، ۴۶۷/۱؛ ۲۰۶/۲

(۲۶) تلاوت کے لیے سات منزلوں کے علاوہ قرآن حکیم میں سورتوں کی ایک معنوی گروپنگ بھی ہے۔ سورتوں کے یہ گروپ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے مرتب کردہ ہیں...... تفصیل کے لیے دیکھئے: بیان القرآن، ۶۱/۱، ۶۲

(۲۷) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۴/۲-۷۸

(۲۸) ایضاً، ۷۹/۲-۸۴

''یہ ربطِ کلام اگر سامنے نہ رہے تو انسان قرآنِ مجید کی طویل سورتوں کو پڑھتے ہوئے کھو جاتا ہے کہ بات کہاں سے چلی تھی اور اب کدھر جا رہی ہے۔''(۷۰)

حاصلِ کلام

تفسیر ''بیان القرآن'' کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر چہ یہ مختصر تشریح و توضیح کی حامل ہے لیکن تشریح طلب مقامات کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے اور ایک قاری اس کے مطالعے کے بعد نہ صرف قرآن کے معانی و مفہوم کی سمجھ بوجھ حاصل کر سکتا ہے بلکہ تاریخی واقعات اور عصرِ حاضر کے مسائل سے بھی واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ نیز ان مسائل کا حل بھی اسے قرآن و سنت کی روشنی میں مل جاتا ہے۔ الغرض سادہ اور سلیس انداز میں بیان کی گئی یہ تفسیر ڈاکٹر صاحب کی ایک عمدہ کاوش ہے۔

حواشی ' فصل اوّل

(۱) المائدة۵:۱۶

(۲) النحل۱۶:۸۹

(۳) یونس۱۰:۵۷

(۴) ((إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ)) السنن لابن ماجة، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه،رقم الحديث ۲۱۸،۳۳

(۵) دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآنِ مجید،۱۱،۱۲

(۶) ڈاکٹر اسرار احمد، قرآنِ حکیم کی قوت تسخیر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۰ء، ۳۷

(۷) تفصیل کے لیے دیکھئے: جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، ۶۴-۹۲؛ قرآنِ حکیم کی قوت تسخیر، ۳۸-۴۱

(۸) تفصیل کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر اسرار احمد، امت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل اور نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، طبع دوم، ۱۹۹۵ء، ۲۵؛ کتابچہ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

(۹) ڈاکٹر اسرار احمد، عظمت قرآن بزبان قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ششم، ۲۰۰۵ء، ۲۸

(۱۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: مقالہ ہذا باب دوم، فصل اوّل

(۲۹) ایضاً،۲/۸۷،۸۸، تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۲/۸۵،۸۶؛ سورۃ التغابن اور سورۃ المنافقون کے لیے دیکھئے: ۱/۲۰۱،۲/۲۰۵؛ سورۃ التحریم اور سورۃ الطلاق کے لیے دیکھئے: ۱/۳۸۷؛ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کے لیے دیکھئے: ۲/۳۱۶،۳۱۷

(۳۰) المعارج ۷۰:۱۹

(۳۱) المعارج ۷۰:۲۰

(۳۲) المعارج ۷۰:۲۱

(۳۳) المعارج ۷۰:۲۲

(۳۴) المؤمنون ۲۳:۱

(۳۵) المعارج ۷۰:۲۳

(۳۶) تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۳۱۵-۳۱۷

(۳۷) تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۳۲۹،۳۳۰

(۳۸) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۲/۹-۲۸؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ۲/۲۲۷-۲۶۸،۳۱۵-۳۳۸

(۳۹) آلوسی، شهاب الدين السيد محمود، (م ۱۲۷۰ھ)، روح المعانی فی تفسير القرآن العظيم و السبع المثانی، دار احياء التراث العربی، الطبعة الرابعة، ۱۹۸۵ء، ۳/۲۲۷

(۴۰) ابن كثير، الحافظ عماد الدين ابی الفداء اسماعيل (م ۷۷٤ھ)، تفسير القرآن العظيم، مكتبه دار السلام، الرياض، الطبعة الثانية، ۱۹۹۸ء، ٤/۷۰۹

(۴۱) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۱۹؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ۱/۱۲۰-۱۲۴، ۱/۱۵۸

(۴۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۹۸، ۹۹، ۱۶۱، ۴۲۰، ۴۶۱؛ ۲/۹، ۱۰، ۱۱

(۴۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۲/۹۲

(۴۴) السيوطی، جلال الدين عبدالرحمن بن ابی بكر، الاتقان فی علوم القرآن، مكتبه الصفا، قاهره، طبع اولی، ۲۰۰٦ء، ٤/۱٤٤

(۴۵) البقرۃ ۲:۱۷۷

(۴٦) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۴۴، ۴۵؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ۲/۵۹۸

(۴۷) الحج ۲۲:۷۸

(۴۸) آل عمران ۳:۱۰۳

(۴۹) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

(۵۰) الحج ۲۲:۷۳

(۵۱) الاعراف ۷:۲۰۴

(۵۲) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۲/۳۴؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۲/۶۰۱

(۵۳) الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۱۴۴

(۵۴) الحج ۲۲:۷۸

(۵۵) آل عمران ۳:۱۰۳

(۵۶) النحل ۱۶:۴۴

(۵۷) الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ،(م۲۷۹ھ) الجامع،أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل القرآن،دارالسلام للنشر والتوزیع،الریاض،طبع اولی، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث،۲۹۰۶،۶۵۳

(۵۸) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،۲/۷؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۱/۳۷،۳۸؛۵۷-۵۹،۷۲،۷۳،۱۷۸،۳۹۸-۴۰۱،۴۳۴-۴۳۶،۴۸۲،۴۸۲،۴۸۴؛ ۲/۲۳۹،۵۶۶

(۵۹) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۴۰۴،۴۰۵

(۶۰) الاتقان فی علوم القرآن، ۴/۱۴۴

(۶۱) النور ۲۴:۳۵

(۶۲) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۱۹۱، حضرت ابن عباس ؓ کے قول کے لیے دیکھیے: ابن عباس، عبداللہ، تنویر المقباس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۴ء، ۳۷۲

(۶۳) النور ۲۴:۳۶

(۶۴) الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب ابو القاسم،(م۳۶۰ھ) المعجم الکبیر،حمدی بن عبدالمجید السلفی(تحقیق)، دار احیاء التراث العربی،طبع ثانی، ۲۰۰۲ء، رقم الحدیث ۱۰۶۰۸،۱۰/۲۶۲

(۶۵) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، ۱/۱۹۳،۱۹۴

(۶۶) ایضاً، ۱/۴۲۱؛ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا ۱/۲۴۷-۲۵۰

(٦٧) الجمعہ٦٢:٢
(٦٨) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،٢/١٤٤
(٦٩) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،٢/١٤٤
(٧٠) یونس١٠:٥٧
(٧١) الاسراء١٧:٣٩
(٧٢) مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب،٢/١٤٥،١٤٦؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ٢/٥١٤-٥٢٥
(٧٣) الفاتحہ١:١-٣
(٧٤) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،١/١٢٦
(٧٥) الفاتحہ١:٤
(٧٦) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،١/١٢٦
(٧٧) الحدید٥٧:٣
(٧٨) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،٢/٣٨٨؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا،١/١٩٩
(٧٩) الحدید٥٧:٢٢
(٨٠) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،٢/٥٧٦؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ٢/٣٧٨-٤٣٦
(٨١) الحدید٥٧:٢٣
(٨٢) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،٢/٥٨٠
(٨٣) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،١/٢٩٥
(٨٤) ایضاً،٢/٨٥، تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا،١/١٦٥،١٦٦، ٢٢٧، ٢٧٢-٢٧٧، ٢٦٨؛ ٢/٣٢، ٣٨٩
(٨٥) تفصیل کے لیے دیکھئے: مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب،٢/١٣٩، ٥٨٨
(٨٦) تفصیل کے لیے دیکھئے: ایضاً،١/٢٤، ٢٥؛ ٢/١٧٢-١٧٩
(٨٧) الحجرات٤٩:١٣
(٨٨) مطالعہ قرآن کا منتخب نصاب،١/٥٠٤؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا٢/٥٩٢-٥٩٥
(٨٩) ملاقات، شیخ رحیم الدین، شعبہ مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور
(٩٠) ملاقات، ریٹائرڈ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور

حواشی فصل دوم

(۱) ''دورۂ ترجمہ قرآن اپنی نوعیت کا پہلا کام تھا جو خالصتاً ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پہلی بار ۱۹۸۴ء میں شروع کیا۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دورہ ترجمہ قرآن کے بارے بعض لوگ یہ فتویٰ لے کر آ گئے کہ یہ غیر شرعی ہے۔ چنانچہ آپ نے دو چوٹی کی دینی درسگاہوں یعنی جامعہ نعیمیہ اور جامعہ اشرفیہ میں ایک استفتاء مرتب کر کے بھجوادیا کہ قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ رمضان المبارک میں قیام اللیل کی نیت سے ہر چار رکعت تراویح سے قبل اس میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ وتشریح کی جائے۔ اس بارے میں آپ نے یہ دریافت کیا:

☆ کیا یہ طریقہ بدعت حسنہ کی تعریف میں آتا ہے؟

☆ کیا ہمارے اسلاف میں اس طریقہ کی کوئی مثال ملتی ہے؟

☆ کیا اس سے تراویح کی روح ختم ہو جاتی ہے؟

☆ کیا اس سے قیام اللیل کا مقصد حل ہو جاتا ہے؟

اس استفتاء کے جواب میں دو باتیں سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ اس طریقہ عبادت کو عبادت لازمی قرار دینا بدعت ہے۔ دوسرے تراویح کہا ہی اس عادت کو کہا جاتا ہے جس میں ہر چار رکعت کے بعد وقفہ مطلوب ومحمود ہو اور اگر ان وقفوں میں قرآن کا بیان ہی ہو تو یہ پسندیدہ بات ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: حافظ عاکف سعید، عرض احوال (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۳۸، شمارہ ۵، ۱۹۸۹ء، ۴، ۵۔ چنانچہ آپ نے دورہ ترجمہ قرآن کا پروگرام ہر سال رمضان المبارک میں بالخصوص لاہور اور کراچی اور بالعموم ملک کے دیگر شہروں کے علاوہ بیرون ملک میں بھی سرانجام دیا۔ بعد ازاں آپ کے بہت سے شاگرد آپ کی زندگی ہی میں ملکی اور غیر مسلکی سطح پر اس دورہ ترجمہ قرآن کا انعقاد کر رہے ہیں۔

(۲) بیان القرآن کے تفسیری منہج کے لیے ہمارا زیادہ تر انحصار انہی دو جلدوں پر ہوگا جو تحریری شکل میں موجود ہیں۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: بیان القرآن، ۱/ ۱۳-۱۷۴

(۴) بیان القرآن، ۱/ ۲۰۰؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: بیان القرآن، ۲/ ۷، ۱۱۷، ۱۱۸

(۵) ایضاً، ۲/ ۱۱۷

(۶) بیان القرآن، ۱/ ۱۷۹

(۷) احمد بن حنبل، ابو عبداللہ شیبانی (م ۲۴۱ھ)، المسند، دار احیاء التراث العربی،

لبنان، ١٩٩٤ء، رقم الحدیث ١٩٧٨٩،٦٦١/٥

(٨) بیان القرآن، ۲۰۱/۱؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: ۱۷۸/۱، ۱۷۹

(٩) بیان القرآن، ۷/۲، ۸

(١٠) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ۲۰۹/۱، ۲۲۱؛ ۲۸/۲، ۲۶۰

(١١) البقرۃ ۲:۱۶۶

(١٢) عبس ۸۰:۳۴-۳۷

(١٣) المعارج ۷۰:۱۱-۱۴

(١٤) بیان القرآن، ۳۶۷/۱؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۲۳۰/۱، ۲۴۴، ۴۹۶، ۵۰۱؛ ۱۴۳/۲، ۱۴۴، ۲۲۱، ۲۶۳؛ ۲۷۲

(١٥) البقرۃ ۲:۳۷

(١٦) الاعراف ۷:۲۳

(١٧) بیان القرآن، ۲۴۵/۱

(١٨) النساء ۴:۳۱

(١٩) بیان القرآن ۱۴۴/۲؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۳۲۸/۱، ۳۷۱، ۳۲۵

(٢٠) البقرۃ ۲:۱۵۲

(٢١) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التوحید، باب قولہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ، رقم الحدیث ٧٤٠٥، ١٢٧٣

(٢٢) بیان القرآن، ۳۵۴/۱؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: ۳۹۴/۱، ۴۱۲، ۴۵۲، ۴۸۶؛ ۶۵/۲، ۸۸، ۱۰۸، ۲۰۸

(٢٣) البقرۃ ۲:۲۱۲

(٢٤) مسلم بن الحجاج القشیری (م٢٦١ھ)، الصحیح، کتاب الزھد والرقائق، باب الدنیا سجن المؤمن و جنۃ للکافر، دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ٢٠٠٠ء، رقم الحدیث ٢٩٥٦، ١٢٨١

(٢٥) بیان القرآن، ۴۱۴/۱

(٢٦) آل عمران ۳:۱۵۲

(٢٧) الصف ۶۱:۱۳

(٢٨) بیان القرآن، ۸۸/۲

(۲۹) البقرة۲:۱۳۰

(۳۰) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم الحدیث ۵۰۶۳، ۹۰۶

(۳۱) بیان القرآن، ۱/۳۳۶؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ۱/۲۲۳

(۳۲) بیان القرآن، ۱/۲۰۶، ۲۰۷

(۳۳) آل عمران۳:۵۴

(۳۴) بیان القرآن، ۲/۳۸؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ۱/۲۶۳، ۲۶۷

(۳۵) تفصیل کے لیے دیکھئے: بیان القرآن، ۲/۱۳۰

(۳۶) الرازی، امام فخر الدین محمد بن عمر (م٦٠٤ھ)، التفسیر الکبیر او مفاتیح الغیب، دار الکتب العلمیۃ،لبنان، الطبعۃ الثانیۃ،١٤٢٥ھ، ٦١/٥، ٦٢

(۳۷) بیان القرآن، ۱/۳۸۴، ۳۸۵

(۳۸) البقرة۲:۸

(۳۹) تفسیر القرآن العظیم، ۱/۷۶

(۴۰) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع ہفتم، ۱۹۹۸ء، ۱/۱۱۸، ۱۱۹

(۴۱) بیان القرآن، ۱/۲۱۰، ۲۱۱

(۴۲) الفاتحہ۱:۷

(۴۳) بیان القرآن، ۱/۱۹۵؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ۱/۲۵۹، ۳۱۷، ۳۴۲

(۴۴) النساء۴:۱۵۰

(۴۵) بیان القرآن، ۲/۲۲۳

(۴۶) البقرة۲:۱۴۰

(۴۷) بیان القرآن، ۱/۳۴۲

(۴۸) بیان القرآن، ۲/۲۱۲؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب ہذا، ۱/۳۴۵، ۴۱۲، ۲/۱۵۶

(۴۹) بیان القرآن، ۱/۲۷۳

(۵۰) ایضاً، ۱/۳۲۲

(۵۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: بیان القرآن، ۱/۲۷۲، ۲۹۱، ۳۳۰، ۴۵۵، ۴۶۱، ۴۶۴؛ ۲/۳۷، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۵

(۵۲) البقرة۲:۳۴

(۵۳) بیان القرآن، ۱/۲۴۱

(۵۴) آل عمران ۳:۵۵

(۵۵) آل عمران ۳:۲۵

(۵۶) بیان القرآن، ۲/۴۰؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۱/۲۱۱، ۲۱۵

(۵۷) المائدة ۵:۸

(۵۸) بیان القرآن، ۲/۲۵۱؛ مزید مثالوں کے لیے کتاب ہذا، ۱/۲۷۲

(۵۹) ایضاً، ۲/۲۵۱

(۶۰) البقرة ۲:۲۷۶

(۶۱) بیان القرآن، ۱/۴۹۹؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۲/۴۰، ۴۷

(۶۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: بیان القرآن، ۱/۳۰۱؛ ۲/۴۲، ۲۵۶

(۶۳) البقرة ۲:۲۳۲

(۶۴) بیان القرآن، ۱/۲۳۳؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۱/۱۲۴، ۱۴۲، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۹۶،
۳۷۹؛ ۲/۴۰، ۴۱

(۶۵) بیان القرآن، ۱/۲۰۳

(۶۶) آل عمران ۳:۱۵۹

(۶۷) بیان القرآن، ۲/۹۵؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۱/۱۸۵، ۱۸۷، ۲۱۷، ۲۳۶،
۲۴۶، ۲۷۲، ۳۴۵، ۳۵۵، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۹۰، ۴۱۸، ۴۹۰؛ ۲/۱۹، ۶۵، ۷۴

(۶۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ۱/۱۸۰، ۱۸۱

(۶۹) بیان القرآن، ۲/۱۶۳؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، حصہ اوّل و حصہ دوم

(۷۰) بیان القرآن، ۱/۲۸۳، تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا، ۱/۳۹۴؛ ۲/۹۸، ۲۰۳

باب چھارم

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفی اور تالیفی خدمات

فصل اوّل :

قرآن حکیم

قرآن کتابِ ہدایت ہے جو انسانیت کی فوز وفلاح ونجات کی ضمانت ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد کی بہت سی تصانیف قرآنِ مجید کے موضوع پر ہیں جن میں آپ نے مختلف عنوانات کے تحت قرآن مجید کی اہمیت وعظمت اور قرآنِ مجید کے تقاضوں پر بڑی خوبصورتی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ذیل میں ان کتب کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

(۱) مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق

یہ کتابچہ دراصل ڈاکٹر صاحبؒ کی ایک تقریر پر مبنی ہے۔جسے بعد میں جنوری ۱۹۶۹ء میں مسلمانوں کو رجوع الی القرآن کی دعوت دینے اور انہیں قرآن مجید کو پڑھنے' سمجھنے اور اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنانے کی غرض سے دارالاشاعت لاہور کے زیراہتمام کتابچہ کی صورت میں شائع کردیا گیا۔بعدازاں اسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔۵۶ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ کے فروری ۲۰۱۰ء تک انتالیس (۳۹) ایڈیشن کی طباعت ہو چکی ہے۔اس کتابچہ کی افادیت مسلم ہے جس کا مطالعہ دل کی گہرائیوں میں قرآنِ حکیم کی جانب رغبت وشوق پیدا کرنے کا جذبہ فراہم کرتا ہے۔

قرآنِ مجید ڈاکٹر صاحب کی دعوت وتبلیغ کا مرکز ومحور رہا ہے اور آپ کی قرآنِ مجید سے وابستگی ومحبت اظہر من الشمس ہے۔اس کتابچہ کے ذریعے ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کو قرآنِ مجید کے حقوق یاد دلائے ہیں کہ قرآنِ مجید کے حقوق کی ادائیگی محض جشن نزول قرآن کا انعقاد کر کے یا اس کی شان میں قصیدے پڑھنے سے نہیں' بلکہ قرآنِ مجید سے متعلق مسلمانوں کی جو ذمہ داریاں ہیں' انہیں پورا کرنے سے ہو سکتی ہے۔آپ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں:

(۱) اسے مانے (ایمان وتعظیم) (۲) اسے پڑھے (تلاوت وترتیل)

(۳) اسے سمجھے (تذکر وتدبر) (۴) اس پر عمل کرے (حکم واقامت)

(۵) اسے دوسروں تک پہنچائے (تبلیغ وتبیین)''(۱)

ڈاکٹر صاحب نے مشکل اصطلاحات کی بجائے مندرجہ بالا پانچ اصطلاحات عام اور سادہ زبان میں بیان کی ہیں بعدازاں ان اصطلاحات کی مختصر تشریح قرآن وسنت کی روشنی میں بہت خوبصورت اور مؤثر انداز میں کی ہے۔

(۲) عظمت قرآن بزبانِ قرآن وصاحب قرآن

عظمت قرآن ڈاکٹر صاحب کے ان مخصوص اور پسندیدہ موضوعات میں سے ہے جس پر آپ متعدد بار اظہار خیال فرماتے رہے ہیں۔ زیرنظر کتابچہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ ایک خطاب پر مبنی ہے جسے ۱۹۹۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیراہتمام کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ ۲۰۰۵ء تک اس کے چھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کتابچہ میں قرآنِ مجید کی عظمت بالخصوص سورۃ الرحمٰن اور سورۃ عبس کی ابتدائی چار چار آیات کی روشنی میں بیان کی ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی آیات کی روشنی میں لکھتے ہیں:

> ''انسان کو جو قوتِ گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کا بہترین مصرف اگر کوئی ہے تو وہ قرآنِ مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کا سیکھنا سکھانا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو قوتِ بیانیہ دی ہے یہ انسان کے اوصاف میں سے اعلیٰ ترین وصف ہے اور اس کا بہترین مصرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے کلام کو بیان کیا جائے۔''(۲)

نیز احادیث نبویؐ کی روشنی میں بھی تعلیم وتعلم قرآن کی اہمیت واضح کرتے ہیں اور آج ہم جس ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں اس کا سبب قرآنِ مجید سے دوری کو قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآنِ مجید کی پر اثر تاثیر اور صوتی و معنوی حسن کو اُجاگر کرتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآنِ مجید کے اثر سے کس طرح ان اصحاب کی زندگیوں کی کایا پلٹ گئی۔

جامع، مدلل اور عام فہم انداز میں لکھا گیا یہ کتابچہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جس میں آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر عمدہ اور خوبصورت پیرائے میں کی گئی ہے۔

(۳) دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآنِ حکیم

۳۲ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے پہلی بار ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۶ء تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

قرآن کتاب ہدایت ہے۔ڈاکٹر صاحب اس ہدایت کو دو حصوں یعنی علمی ہدایت اور عملی ہدایت میں تقسیم کرتے ہیں۔آپ قرآن کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دیتے ہیں اور یہ ہدایت ''نعمت عظمیٰ'' ہے جو قرآن پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحب اس کتابچہ میں تحریک رجوع الی القرآن کے ضمن میں اپنی کوشش و کاوش اور اس کے ثمرات و فوائد کا ذکر کرتے ہیں اور قرآن سے محبت و ایمان کا تقاضا ان الفاظ میں بتاتے ہیں:

''تمہاری کوئی حیثیت نہیں جب تک تم قرآن کو اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اسے قائم نہیں کرتے۔''(۳)

نیز ڈاکٹر صاحبؒ فریضہ اقامت دین کو فرض عین قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''جو آدمی اس جدوجہد میں شریک نہیں اس کی نماز نماز نہیں ہے روزہ روزہ نہیں ہے۔''(۴)

مزید برآں آپ فریضہ اقامت دین کے لیے التزامِ جماعت اور اس کے لیے مسنون اساس کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قائم کردہ تنظیم اسلامی میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور جس کا تنظیم پر اعتماد نہیں ان کے لیے بھی کسی جماعت میں شمولیت کو لازمی تصور کرتے ہیں۔ان کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے سرگرم عمل ہوں۔الغرض مختصر جامع اور فکر انگیز تحریر ہے۔

(۴) قرآنِ حکیم کی قوتِ تسخیر

۴۷ صفحات پر مبنی اس کتابچہ کو ۱۹۹۸ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا جو ڈاکٹر صاحبؒ کے ایک خطاب پر مبنی ہے جسے آپ نے تنظیم اسلامی اور انجمن کے رفقاء کے ساتھ ایک اجلاس کے موقع پر فرمایا۔بعد میں اسے افادۂ عام کے لیے کتابی شکل دے دی گئی۔

قرآن واحد منبع ہدایت اور نسخہ کیمیا ہے جو دلوں کو مسخر کرنے اور بدل ڈالنے والی خوبیوں سے مزین و آراستہ ہے لیکن یہ تلاشِ حق کے مسافروں کے لیے ہی اپنے مطالب و معانی آشکارا کر کے ان کے لیے مشعلِ راہ بنتا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے جہاں اس کتاب میں کتاب ہدایت کی تسخیری قوت کو اجاگر کیا ہے کہ یہ کتاب عصائے موسیٰ کی طرح فکری و علمی سطح پر تمام باطل نظریات کا قلع قمع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہاں دلوں کو فتح کرنے اور بدلنے کے لیے شمشیر قرآن کو استعمال کرنے کا ذکر بھی کیا ہے۔وہ اس بات پر اللہ کا شکر بجالاتے ہیں کہ ان کی رجوع الی القرآن تحریک کے نتیجے میں ایسا قافلہ تیار ہو چکا ہے جو ان کے بعد بھی اس کام کو

جاری رکھے گا یوں رجوع الی القرآن اور اقامت دین کا کام جاری رہے گا۔

(۵) راہِ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں

۸۸ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ مکتبہ خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے اور ۲۰۰۸ء تک اس کے سولہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتابچہ ڈاکٹر صاحب کی ایک ہی موضوع پر لکھی گئی دو تحریروں پر مشتمل ہے۔ پہلی تحریر ماہنامہ میثاق ۱۹۶۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی اور دوسری اصلاً ایک تقریر ہے جو ۱۹۷۳ء میں ایچی سن کالج لاہور کے اجتماع میں کی گئی ہے جسے بعد میں تحریر کا جامہ پہنایا گیا۔ مزید برآں اس کے آخر میں دو ضمیمہ جات بھی دیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک:

> ''سورۃ العصر کی روشنی میں لکھی گئی ان دونوں تحریروں کے طرز اور معیار میں بہت فرق ہے۔ پہلی دراصل ایک تحریر ہے اور اس میں مخاطبین کی ذہنی سطح سے قطع نظر مضمون ایک خاص روانی کے ساتھ زبان اور انشاء کی ایک مخصوص سطح پر بہتا چلا گیا ہے۔ جبکہ دوسری اصلاً ایک تقریر ہے جس میں انداز بھی تفہیمی ہے اور زبان بھی آسان استعمال ہوئی ہے بلکہ مخاطبین کے مزاج اور تعلیمی پس منظر کی مناسبت سے بکثرت الفاظ کے انگریزی مترادفات بھی دے دیے گئے ہیں۔ اس طرح ان دونوں کے یکجا ہونے سے ان تحریروں کا حلقہ افادہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاں کہیں دونوں میں تکرار کا رنگ نمایاں ہے وہاں بالکل نیا مواد بھی موجود ہے۔ بہت سی باتیں جو پہلی تحریر میں نہیں وہ دوسری میں ہیں۔ مجموعی طور پر ان دونوں تحریروں کا مقصد مسلمانوں کے سامنے دین کے صحیح تقاضوں کو واضح کرنا ہے۔''(۵)

اولاً ڈاکٹر صاحب سورۃ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس سورۃ کا سرسری مفہوم تقریباً ہر شخص فوراً جان لیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی دقت محسوس نہیں کرتا لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے اور اس کے مضامین کی گہرائیوں کا بدقت نظر مشاہدہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ سہل ممتنع کی کیسی عظیم الشان مثال ہے اور اس کی ظاہری سادگی اور سلاست کے پردوں میں علم و حکمت کے کتنے قیمتی خزانے پوشیدہ ہیں۔''(۶)

پھر آپ نے اس سورت کے حوالے سے جس بات کی طرف توجہ دلوائی ہے وہ یہ ہے کہ ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ایک جانب نجات کے ناگزیر لوازم ہیں اور

دوسری جانب خود باہم لازم وملزوم ہیں بلکہ ان چاروں پر علیحدہ علیحدہ قدرے گہرائی میں اتر کر غور کرنے سے جو حقیقت منکشف ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ چاروں ایک ہی وحدت کے ناقابل تقسیم پہلو ہیں اور ایک ہی کل کے اجزائے غیر منفک ہیں۔ گویا ایمان اگر حقیقی ہو جائے تو اس سے عمل صالح ضرور پیدا ہوگا اور عمل صالح اگر پختہ ہو جائے تو لازماً تواصی بالحق پر منتج ہوگا اور اگر تواصی بالحق واقعی اور حقیقی ہے تو تواصی بالصبر کا مرحلہ لازماً ہوگا۔(۷)

داعیانہ اُسلوب میں لکھی گئی اس تحریر میں ڈاکٹر صاحب نے بندے کی نجات کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالحہ کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ نیز قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ آیات کے ہر پہلو کی توضیح کی ہے تاکہ ایک طرف اس سورۃ مبارکہ کی بنیادی تعلیم اور اس کی اصل رہنمائی پوری طرح واضح ہو جائے۔ دوسری طرف سوچنے سمجھنے والوں کو مزید غور وفکر کے لیے رہنمائی حاصل ہو۔ مختصراً لیکن جامعیت کے ساتھ لکھی گئی اس تحریر کو سورۃ العصر کی تفسیر کی حیثیت حاصل ہے۔

جہاں اس کتابچہ کی بہت پذیرائی ہوئی وہاں بعض علماء نے ڈاکٹر صاحب کی اس پر یہ گرفت فرمائی کہ اس کی بعض عبارات سے عاصی اور گنہگار اہل ایمان کے اپنے گناہوں کے بقدر سزا پانے کے بعد جہنم سے رہائی پانے کی نفی ہوتی ہے جس کے ازالہ کے لیے ڈاکٹر صاحب نے اس کتابچہ کے تمام ایڈیشنوں میں کور کے اندر کے صفحہ پر مندرجہ بالا بیان سے اعلانِ براءت کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''اس کتابچہ کی زبان' قانون اور فتویٰ کی نہیں بلکہ ترغیب وترہیب کی ہے ورنہ میرا مؤقف بھی وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کا ہے یعنی گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی کوئی شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے۔''(۸)

(۶) قرآن اور امن عالم

۱۶ صفحات پر مشتمل زیر نظر کتابچہ جس کی طباعت اولیٰ ۱۹۷۰ء میں ہوئی اور ۲۰۰۴ء تک اس کے نو ایڈیشن سینکڑوں کی تعداد میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت شائع ہو چکے ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جس میں آپ نے قرآن حکیم اور بالخصوص سورۃ الحجرات کی تعلیم کو ایک فرد کے داخلی سکون واطمینان سے لے کر' پورے عالم انسانی میں پائیدار اور محکم امن کے قیام کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور آج عالمی امن قائم نہ ہونے کی کیا وجہ

ہے؟ اور امن کس طرح ہو سکتا ہے؟ آپ نے سیدھے' صاف اور سادے انداز میں اس کی وضاحت کی ہے' اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں:

''قرآن کی تعلیمات سے سب سے زیادہ بعید خود ہم مسلمان ہیں۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ قرآن کی فکر کو اُجاگر کرنے اور اس کے نور ہدایت کو پھیلانے کا کام بالکل ابتدا سے شروع کیا جائے اور پہلے خود مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کیا جائے اور پھر پورے عالم انسانی میں قرآن کی رہنمائی کو واضح کیا جائے۔ (۹) اس عالم ارضی کے امن و سکون اور سلامتی و اطمینان کا گہوارہ بننے کی اصلی صورت یہی ہے۔'' (۱۰)

بلاشبہ یہ کتابچہ انفرادی و معاشرتی زندگی میں پھیلے ہوئے انتشار کو دور کر کے امن کی صحیح بنیادوں کی طرف رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

(۷) انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لیے قرآن کا لائحہ عمل

زیرِ نظر کتابچہ ڈاکٹر صاحب کے ایک خطابِ عام پر مشتمل ہے جو آپ نے ۳۱ دسمبر ۲۰۰۰ء کو قرآن آڈیٹوریم لاہور میں فرمایا جسے اولاً فروری ۲۰۰۱ء میں ماہنامہ میثاق لاہور میں' بعدازاں اسے کتابچہ کی صورت میں اکتوبر ۲۰۰۴ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام شائع کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں امت مسلمہ کو بہترین امت قرار دیا ہے اور اسے دین اسلام کا امین بنا کر اس پر عبادتِ رب' شہادت علی الناس اور اقامت دین جیسے فرائض عائد کیے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ''دین اسلام'' مذہب کی شکل اختیار کرتا گیا۔ جس کے باعث مسلمانوں کی نظروں سے دین کے اہم ترین تقاضے اوجھل ہوتے گئے اور ان کی نظروں میں ''فرائض دینی'' کا تصور چند عبادات اور معاشرتی رسوم کی ادائیگی تک محدود ہو گیا اور مسلمان اپنے حقیقی دینی فرائض سے غفلت برتنے کے سبب زوال و انحطاط کا شکار ہو گئے۔ بعدازاں عالم اسلام میں بیسویں صدی کے آغاز میں احیائی تحریکوں کے ذریعے اسلام کا مذہب کے بجائے دین ہونے کا تصور پھر عام ہوا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بھی اپنے دروس اور خطابات کے ذریعے اسلام کے دین ہونے کی حیثیت کو خوب ابھارا۔ (۱۱)

۵۵ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ سادہ اور سلیس زبان میں ہے جو آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویہ سے مزین ہے۔ اس مختصر کتابچہ میں ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی دینی فکر کو جو دراصل قرآنِ حکیم

کی ہی اوّلین اور جامع ترین دعوت یعنی عبادت رب اور شہادت علی الناس اور فریضہ اقامت دین پر مبنی ہے کو جامع شکل میں پیش کیا ہے۔ بلاشبہ یہ کتابچہ قرآن کی روشنی میں انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کا ایک بہترین لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔

(۸) جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ

پیش نظر کتاب ۹۹ صفحات پر مشتمل ہے جسے مرکزی انجمن خدم القرآن نے ۱۹۸۴ء میں پہلی بار شائع کیا۔ ۲۰۰۶ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات پر مشتمل ہے جس کی ترتیب وتسوید جناب جمیل الرحمٰن نے کی۔ ان میں پہلا مفصل خطاب سورۃ الفرقان کی آیت ۵۲ کی روشنی میں جہاد بالقرآن کے موضوع پر ہے۔ جسے ڈاکٹر صاحب نے چھٹے سالانہ محاضرات قرآنی کے افتتاحی اجلاس ۱۹۸۴ء میں ارشاد فرمایا۔ بعدازاں ''جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ'' کے عنوان سے ایک اور خطاب پہلے خطاب کے ساتھ جمعہ کے دو خطبات میں ارشاد فرمائے جنہیں بعد میں تحریری شکل دی گئی۔

جہاد بالقرآن کے عنوان کے تحت یہ خطاب نہایت پرتاثیر اور انتہائی مدلل ہے جس میں ڈاکٹر صاحبؒ قرآنی ہدایات واحکامات کو سامنے رکھ کر نفس اور باطل نظریات کے خلاف آلہ جہاد قرآن کو قرار دیتے ہیں اور جہاد اور قتال کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جہاد کی چوٹی قتال ہے۔ البتہ قتال ہر وقت نہیں ہوتا' موقع ومحل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اسلامی حکومت بالفعل قائم ہو اور اسے غیر مسلموں سے فی سبیل اللہ جنگ کا مرحلہ درپیش ہو اور حالات کے لحاظ سے حسب ضرورت فوج موجود ہو یا مزید ضرورت کے لیے لوگ جنگ کے لیے نکل آئیں تو قتال فرض عین نہیں فرض کفایہ ہو جائے گا لیکن ''جہاد'' وہ چیز ہے جو ایک مسلمان پر شعور کی عمر کو پہنچتے ہی فرض ہو جاتا ہے۔''(۱۲)

یعنی ہر وہ چیز جو راہ حق سے روک رہی ہو خواہ وہ نفس ہو یا باطل نظریات وغیرہ انہیں دور کرنے کے لیے ان سے کش مکش کرنا اور غلبہ پانا جہاد ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحبؒ نے اس مضمون میں جہاد وقتال کا فرق' جہاد کی منازل' جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم' غلبہ واقامت دین کی جدوجہد اور اس کے مختلف مدارج کو قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپ جہاد کے لیے جدید اصطلاح ''انقلابی عمل'' استعمال کرتے ہیں اور اس کے لیے تنظیم سازی کو ضروری قرار دے کر

قرآن کے ذریعے دعوت وتربیت کے اہتمام کا ذکر کرتے ہیں۔غرض ڈاکٹر صاحبؒ قرآن کے ذریعے جہاد کرنے کو کمال خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

جہاد بالقرآن کے پانچ محاذ جاہلیت قدیمہ' شفاعت باطلہ' جاہلیت جدیدہ' بے یقینی' نفس پرستی وشیطانی ترغیبات اور فرقہ واریت کو قرار دے کر اس کا علاج واحد تلوار قرآن حکیم سے کرنے کا شعور اُجاگر کرتے ہیں۔ نیز اس کتاب ہدایت کو پڑھنے' سمجھنے' غور وفکر کرنے' عمل کرنے اور آگے پہنچانے کی صدا لگاتے ہیں۔ الغرض ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس کتاب میں ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کا حل نہایت عمدگی کے ساتھ قرآنِ مجید کی تعلیمات پر عمل کرنے میں مضمر قرار دیا ہے۔

(۹) قرآنِ حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

۱۳۶ صفحات پر مشتمل زیرِ نظر کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۳۹۸ھ میں شائع کیا۔ ۱۴۳۰ھ تک اس کے آٹھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

یہ تحریر ڈاکٹر صاحب کے ریڈیو پاکستان سے ہونے والے پندرہ روزہ خطبات پر مبنی ہے۔ ہر خطاب پندرہ منٹ کے دورانیے پر مبنی تھا۔ اس میں ڈاکٹر صاحبؒ نے سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الکہف تک کی سورتوں کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ بات ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے منافی تھی کہ وہ مختصر الفاظ ووقت میں اپنی بات مکمل کریں کیونکہ وہ تفصیلاً خطاب کرنے کے عادی تھے۔ بہر حال ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے یہ کام بحسن وخوبی انجام دیا اور سننے والوں کو قرآن پڑھنے' سمجھنے' عمل کرنے اور آگے پہنچانے کا فرض یاد دلایا اور یہ حقیقت گوش گزار کی کہ قرآن کا موضوع انسان ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو نجات اور کامیابی کا راستہ یہی کتاب بتاتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے توحید' رسالت' آخرت' جنت' دوزخ' اخلاقیات وعبادات وغیرہ کو موضوع بحث بنا کر یہ حقیقت آشکارا کی ہے کہ رب کائنات اور علیم وخبیر ہستی کی طرف سے تمہارے لیے نسخہ کیمیا پر عمل کرنے ہی میں کامیابی اور نجات ہے۔ کتاب کا اُسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔

(۱۰) تعارفِ قرآن مع عظمت قرآن

۱۶۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن نے پہلی بار ۲۰۰۶ء میں

شائع کیا اور ۲۰۰۹ء تک اس کے دو ایڈیشن کی طباعت ہو چکی ہے۔

زیرِ نظر کتاب تعارف قرآن کے عنوان سے آٹھ ابواب پر مشتمل ہے جو قرآن کے بارے میں ہمارا عقیدہ، قرآن مجید کی زبان و اسماء و صفات، قرآنی اُسلوب، قرآن کی ترتیب و تقسیم، تدوین قرآن، موضوع قرآن، فہم قرآن، اعجازِ قرآن اور قرآن سے ہمارا تعلق جیسے موضوعات پر مبنی ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد قرآن مجید کا ذکر کتابِ انقلاب کے طور پر کرتے ہیں اور اس کے دعوتی پہلو اجاگر کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ آپ کا مقصد حیات ہی یہ تھا کہ مخاطبین قرآن اور قرآن پر ایمان لانے والے اس کتاب کو اوڑھنا بچھونا بنائیں اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں، اس کے پیغام کو پھیلاتے ہوئے اسے زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کریں یعنی نظام عدل اجتماعی کو قائم کرنے کی سعی و جہد کریں۔

تعارف قرآن پیش کرنے کے بعد قرآنِ مجید کی عظمت، قرآن و حدیث کے آئینے میں بہت خوبصورت اور منفرد انداز سے پیش کی جس نے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے خطابات کا مجموعہ ہے جسے حافظ خالد محمود خضر نے بڑی عمدگی سے مرتب کیا ہے۔

(۱۱) قرآنِ حکیم اور ہماری ذمہ داریاں

۱۹۸۸ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے شائع شدہ یہ کتابچہ ۱۵ صفحات پر مبنی ہے۔ ۲۰۰۹ء تک اس کے اکیس (۲۱) ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتابچہ میں ڈاکٹر صاحبؒ قرآن کو عظیم دولت قرار دیتے ہوئے قرآن مجید کے پانچ حقوق یعنی اس پر ایمان، تلاوت، تفہیم، عمل اور اس کو آگے پہنچانے کو قرار دیتے ہیں۔ مختصر اور سادہ پیرائے میں لکھا گیا یہ کتابچہ قرآن پاک کے حوالے سے ہمیں ہماری ذمہ داریوں کا بڑے موثر طریقے سے احساس دلاتا ہے۔

(۱۲) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

۱۴۵ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۷۸ء میں پہلی بار شائع کیا۔ ۲۰۰۷ء تک اس کتاب کے ۱۷ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس نصاب کا اصل ڈھانچہ مولانا امین احسن اصلاحی کا تیار کردہ ہے جس میں کچھ اضافے

ڈاکٹر صاحبؒ نے بعد میں کیے۔ یہ کتاب چھ حصوں پر مشتمل ہے۔ مختلف سورتوں اور آیات کے دروس ہیں جس کا مقصد اختصار کے ساتھ انسان کی انفرادی، عائلی، قومی، ملی، سیاسی اور اخلاقی زندگی، فریضۂ اقامت دین اور تحریک اسلامی سے متعلق مختلف مسائل میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جس کے اہم مباحث میں ایمان، عمل صالح، جہاد و قتال فی سبیل اللہ، صبر و مصابرت، لوازم نجات، حقیقت بر و تقویٰ، مقامِ عزیمت، حظ عظیم اور امّ المُسَبِّحات شامل ہیں۔

(۱۴) بیان القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۹۸۴ء میں نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن کا آغاز کیا جس میں ہر چار رکعت تراویح سے قبل ان رکعتوں میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور مختصر تشریح بیان ہوتی۔ بعد ازاں ۱۹۹۸ء میں کراچی کی قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد میں اس کی آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی جسے افادہ عام کے لیے کتابی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس کی ترتیب و تسوید کا کام حافظ خالد محمود خضر نے سرانجام دیا۔ اب تک دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں ☆۔ بیان القرآن حصہ اول جو مقدمہ، تعارف قرآن، عظمت قرآن، سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقرۃ کے ترجمہ اور مختصر تشریح پر مشتمل ہے اس کی اشاعت اول ۲۰۰۸ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن سرحد کے زیر اہتمام ہوئی۔ ۲۰۰۹ء تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں یہ جلد ۵۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ مئی ۲۰۱۰ء میں بیان القرآن حصہ دوم منظر عام پر آیا جس میں سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ تک ترجمہ و مختصر تفسیر ہے جو ۳۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ سادہ رواں اور سلیس انداز میں کی گئی قرآنِ حکیم کی ترجمانی بہترین انداز میں کی گئی ہے۔ آیات کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ جہاں مشکل مضامین ہیں انہیں وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

☆ جون ۲۰۱۵ء میں بیان القرآن کی کتابی شکل میں اشاعت مکمل ہو چکی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ہٰذا کا صفحہ ۱۸۱۔

فصل دوم :

سنت وسیرت

محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تکمیلی شان اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ امت مسلمہ آپ ﷺ کے پیغام پر نہ صرف عمل پیرا ہوں بلکہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ خصوصاً آج کے اس مشکل دور میں اور بے یقینی کی فضا کو ختم کرنے کے لیے سیرت رسول پاکؐ کا مطالعہ ہمارے لیے تمام مسائل کا حل ہو سکتا ہے کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر انسانیت کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔ ذیل میں ہم ڈاکٹر صاحبؒ کی ان تصانیف کا جائزہ پیش کر رہے ہیں جن میں آپ نے بالخصوص نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ، سیرتِ مطہرہ کی اہمیت اور حبِ رسول واتباع رسولؐ کے تقاضوں اور منہج انقلاب نبویؐ پر روشنی ڈالی ہے۔ مزید برآں چند کتب اس موضوع کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات کے ضمن میں بھی ہیں۔

(۱) رسول کامل ﷺ

زیرِ نظر کتابچہ میں ڈاکٹر اسرار احمد کی پاکستان ٹیلی ویژن پر یکم تا بارہ ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ تک کی جانے والی پندرہ منٹ کے دورانیے پر مشتمل بارہ تقریروں کو کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے دسمبر ۱۹۸۳ء میں افادہ عام کے لیے شائع کیا۔ ۲۰۰۷ء تک اس کے نو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

زیرِ نظر کتابچہ ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کی اصل غرض وغایت، آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے مختلف پہلوؤں اور خاص طور پر آپؐ کی حیات مبارکہ کے انقلابی پہلو اور خلافت علی منہاج النبوۃ کو زیرِ بحث لائے ہیں۔

مندرجہ بالا مباحث کو سامنے رکھ کر آپ نے مختلف عنوانات نبوت ورسالت اور اس کا مقصد، تاریخ نبوت، ختم نبوت اور اس کے لوازم، حیاتِ نبویؐ قبل از آغاز وحی، مکی دور، مدنی دور، اندرونِ عرب انقلاب نبویؐ کی تکمیل، انقلاب نبویؐ کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز، انقلاب دشمن طاقتوں کا خاتمہ، خلافت صدیقی، اُمت محمد ﷺ کی تاریخ کے اہم خدوخال، نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں، نبوی مشن کی تکمیل اور ہمارا فرض، کے تحت اختصار لیکن جامعیت کے

ساتھ گفتگو کی ہے۔

کتاب کا اُسلوب سادہ و سلیس ہے۔ تاریخی واقعات کو قرآنی حوالوں کے ساتھ اس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ تاریخی واقعات قرآنِ مجید کی تفسیر نظر آتے ہیں۔ الغرض کتاب کے مضامین اس بات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں کہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں اپنے لیے لائحہ عمل مرتب کریں اور خاتم النبیین سے محبت کا حق ادا کرتے ہوئے آپ ﷺ کے مشن کے لیے سرگرم ہو سکیں اور اپنا فرض احسن طریقے سے ادا کر سکیں۔

(۲) معراج النبی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

یہ کتابچہ ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جسے جناب جمیل الرحمٰن نے ترتیب و تسوید کے بعد ۱۹۸۳ء میں ماہنامہ میثاق میں شائع کر دیا۔ بعد میں اس خطاب کی مقبولیت عامہ کی وجہ سے ۱۹۸۴ء میں اسے کتابچہ کی صورت میں مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام شائع کر دیا گیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے ۲۰۰۵ء تک سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کتابچہ میں اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو معراج کی سعادت جسمانی طور پر عطا ہوئی تھی نیز جدت پسند اور عقلیت پرست دانشوروں نے اس محیر العقول واقعہ سے متعلق جو غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کر دیے ہیں اور قرآن و حدیث میں وارد شدہ معجزات اور خرقِ عادت واقعات سے متعلق جو عقلی توجیہہ کرتے ہیں آپ نے اس میں ان کو عقلی دلائل سے دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

بلاشبہ احادیث نبوی اور آثارِ صحابہؓ سے مزین یہ کتابچہ اپنے طرز استدلال اور طرز بیان کے لحاظ سے بہترین ہے۔ اور معراج النبی ﷺ سے متعلق ہماری موجودہ تعلیم یافتہ نسل میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

(۳) نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں

ڈاکٹر صاحب زیر نظر کتاب میں نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی بنیادیں ایمان، توقیر و تعظیم، نصرتِ رسولؐ، نبی کی اطاعت و محبت، اور اتباع قرآن مجید کو قرار دیتے ہیں۔ تبلیغ کا بارگراں

اٹھانا' خاتم النبیین ہونے کے ناطے امتی کی ذمہ داریاں محسوس کرنا' امتحان و آزمائش میں صبر کرنا خود احتسابی جیسی خوبیوں و کمال کو نبی ﷺ سے تعلق کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں۔

۴۳ صفحات پر مبنی زیر نظر کتابچہ ڈاکٹر صاحب کی ماہ ربیع الاوّل کی مناسبت سے جامع مسجد کراچی میں کی گئی ایک تقریر پر مبنی ہے جسے ۱۹۷۴ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ کتاب کا انداز عام فہم ہے اور ناصحانہ انداز میں نبی ﷺ سے تعلق کی بنیادوں کو استوار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۴) عظمتِ مصطفیٰ ﷺ

۵۹ صفحات پر مبنی اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے انقلابی اور داعیانہ پہلو کو اُجاگر کیا ہے۔ یہ کتاب جسے انجمن خدام القرآن لاہور نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا' ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے یکم جولائی ۱۹۹۹ء میں تحریک خلافت پاکستان کے تحت ہونے والے ایک خطاب پر مشتمل ہے۔

اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے نبی ﷺ کی عظیم محنت شاقہ' غیر مسلموں کا اس انقلاب کی عظمت کا اعتراف دیگر انقلابات سے اس کا تقابل اور عالمگیر انقلاب کی ضرورت و اہمیت کو اس کتاب میں اُجاگر کیا گیا ہے۔ قرآنی حوالہ جات' احادیث اور اشعار اقبال سے اس کتاب کو خوبصورتی سے مزین کیا گیا ہے۔ نیز کتاب کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔

(۵) اُسوۂ رسول ﷺ: سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع کی روشنی میں

۹۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک تقریر ہے جو سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۱ تا ۲۷ کی روشنی میں کی گئی ہے جس کی ترتیب و تسوید شیخ جمیل الرحمٰن نے کی ہے۔ جسے کتابی صورت میں دسمبر ۱۹۸۳ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ ۱۹۹۶ء تک اس کے چھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اسوۂ کامل کی تشریح و توضیح کے ساتھ اس رکوع میں آنے والی دیگر آیات کا مفہوم و تشریح کو ڈاکٹر صاحبؒ نے خوبی و کمال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہماری ذمہ داریوں سے بھی آگاہی فراہم کی ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس طرح اور کن امور کو سرانجام دیتے

ہوئے زندگی کے شب و روز بسر کیے' آپ کو کن حالات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور آپؐ ان سے کس شان سے گزرے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسوۂ رسول ﷺ سے حقیقی محبت کا دعویٰ ہونے کے ناطے اپنے آپ کو سیرت رسولؐ میں رنگ لیں اور اس مشن کے علمبردار بن جائیں جو نبیؐ لے کر آئے تھے۔ کتاب کے آخر میں آپ بیعت اور نظم جماعت کی اہمیت اسوۂ حسنہؐ کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بغیر نظم جماعت کے زندگی بسر کرنا خلاف سنت ہے۔''(1)

الغرض ڈاکٹر صاحبؒ نے بڑی عمدگی سے زیر نظر کتاب میں اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں دین کے انقلابی پیغام کے لیے دعوت و تربیت' تنظیم و ہجرت اور جہاد و قتال کے مراحل اور اس کام کے لیے ایک ''تنظیم'' کی ضرورت کے دلائل واضح کیے ہیں۔

(٦) منہج انقلابِ نبوی ﷺ

٣٧٦ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے گیارہ خطبات اور تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے جون ١٩٨٧ء میں شائع کیا۔ ٢٠٠٩ء تک اس کے بارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی دعوت کے اہم موضوعات میں سے ایک موضوع یعنی منہج انقلاب نبویؐ پر مشتمل ہے۔ جس میں ڈاکٹر صاحب نے فلسفہ انقلاب کے نقطۂ نظر کو سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کے ذریعے سادہ' سلیس اور عام فہم انداز میں سمجھایا ہے۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے خاتم النبیین و رسلؐ کے برپا کردہ انقلاب کے طریق کار' اس کے مختلف ادوار اور اس کے لوازم و مراحل کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ نبی محترم ﷺ نے آغاز میں انقلاب کے لیے دعوت و تنظیم' تربیت و تزکیہ کے اہتمام کے ساتھ صبر و تحمل اور عدم تشدد کا راستہ اپنایا اور قابل ذکر افرادی قوت اور مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد جہاد و قتال کا راستہ اپنایا۔ عرب میں اس انقلاب کی تکمیل مختلف غزوات سے گزرتے گزرتے خیبر اور مکہ کی فتح پر ہوئی۔ اور پھر ہادی برحقؐ جنہیں کل انسانیت کی طرف آخری رسول بنا کر بھیجا گیا تھا' بیرونِ عرب انقلاب کی توسیع کے لیے برسرِ پیکار ہوئے۔ دعوت و تبلیغ' جہاد و قتال کے ہتھیاروں' عرب کی اسلامی ریاست کے خدوخال' قرآن اور اسلام کی چلتی پھرتی تصویروں کے حسن اخلاق و کردار اور کتاب انقلاب سے دلوں کو بدلنے کا کام سرانجام دیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ

ان تمام مراحل کی بڑی خوبصورتی سے تصویر کشی کرتے ہیں۔

وہ منہج انقلاب کے چھ مراحل دعوت' تنظیم' تربیت' صبر محض' اقدام اور مسلح تصادم بیان کرتے ہیں۔ نیز اسے آج کے حالات پر اور خاص طور پر پاکستان پر منطبق کرتے نظر آتے ہیں۔ اور مسلح تصادم کے طور پر احتجاج' قربانی اور دھرنے کا راستہ تجویز کرتے ہیں۔ الغرض یہ کتاب فریضہ اقامت دین کا کام کرنے والوں اور انقلابی کام کرنے والوں کے لیے ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔

(۷) نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

زیر نظر کتابچہ ڈاکٹر صاحب ؒ کے دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ پہلا مقالہ ۱۹۷۵ء میں دوسری سالانہ کانفرنس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے موقع پر اور دوسرا مقالہ ۱۹۷۷ء میں تحریری صورت میں ایک تقریب میں پیش کیا گیا۔ پھر دونوں مقالات بالترتیب اکتوبر' دسمبر ۱۹۷۵ء اور اپریل ۱۹۷۷ء میں ماہنامہ میثاق میں شائع ہوئے۔ بعد ازاں ان دونوں تحریروں کو یکجا کر کے ایک کتابچہ کی صورت میں ۱۹۷۸ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام شائع کر دیا گیا۔ ۲۰۰۷ء تک اس کے سات ایڈیشنز کی طباعت ہو چکی ہے۔

۷۲ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ کا پہلا مقالہ ''نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت'' دو ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلا باب ''بعثت انبیاء کا اساسی مقصد'' دین کے بعض غامض اور دقیق مباحث پر مشتمل ہے جو ایک عام قاری کے لیے قدرے مشکل و ثقیل ہے۔ دوسرے باب میں نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت کی اتمامی اور تکمیلی شان کو ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾[2] ''وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اسے کل دین پر'' کی روشنی میں جامع اور مدلل انداز میں بیان کرتے ہیں۔

جبکہ دوسرا مقالہ ''انقلابِ نبوی ﷺ کا اساسی منہاج'' اس حوالے سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جو عظیم انقلاب برپا کیا اس کا اساسی طریقہ کار تلاوت آیات' تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت پر مشتمل تھا جس کا مرکز و محور قرآنِ حکیم ہے۔

مختصراً یہ کتابچہ سیرت نبوی ﷺ کا درست فہم حاصل کرنے کے لیے بمنزلہ کلید کے ہے۔ اس لیے کہ اس سے نبی کریم ﷺ کی دنیوی زندگی کی جدوجہد کا اصل مقصد بھی متعین ہو جاتا

ہے اور آپؒ کا بنیادی عملی منہج بھی واضح ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کتابچہ احیاءِ اسلام اور غلبہ دین کے عظیم مقصد کے لیے جدوجہد کرنے والی تحریکوں کو ایک اساس بھی فراہم کرتا ہے۔

(۸) رسولِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ انقلاب

دنیا کا جامع ترین انقلاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب تھا باقی جتنے بھی انقلاب دنیا میں آئے وہ سب جزوی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا انقلاب کیوں جامع تھا اس کا مختصر لیکن مفصل، مدلل اور جامع جواب ڈاکٹر صاحبؒ نے ''رسولِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ انقلاب'' کے عنوان سے ۱۶ مئی ۲۰۰۴ء کو الحمراء ہال لاہور میں اہلِ علم و دانش کو خطاب کی صورت میں دیا۔ بعد میں افادہ عام کے لیے اسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کتابچہ کو ڈاکٹر صاحبؒ کی ایک ضخیم کتاب ''منہج انقلاب نبویؐ'' کے جامع خلاصے کی حیثیت حاصل ہے[۴]۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں انتہائی سادہ، سلیس اُسلوب نگارش میں انقلابی عمل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ۲۰۰۷ء تک اس کے دو ایڈیشن مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ طباعت شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتابچہ میں آپ نے مکمل انقلاب کے سات مراحل، انقلابی نظریہ، تنظیم، تربیت، صبرِ محض، راست اقدام، مسلح تصادم، تصدیرِ انقلاب کا خاکہ بیان کیا ہے جو آپ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا ہے۔ مزید برآں منہج انقلاب نبویؐ کا حالاتِ حاضرہ پر انطباق کس طرح ہو سکتا ہے، اس بارے میں آپ لکھتے ہیں:

> ''آج کے دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ انقلاب پر جوں کا توں عمل کیا جائے گا یا اس کے لیے کسی اجتہاد کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں اوپر بیان کیے گئے پہلے پانچ مراحل میں قطعاً کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں...... دورِ حاضر میں حالات واقعتاً اس درجے تبدیل ہو گئے ہیں کہ انقلاب کے آخری مرحلے یعنی مسلح تصادم کے بارے میں اجتہاد کی واقعی ضرورت ہے۔ اب یہاں پر بغیر جنگ کے حکومت تبدیل کرنے کے دو راستے ہیں ایک الیکشن کا راستہ اور ایک احتجاجی تحریک کا راستہ۔ الیکشن کے راستے سے نظام نہیں بدل سکتا خواہ الیکشن کتنا ہی شفاف اور منصفانہ ہو اور اس سے تو صرف نظام کو چلانے والے ہاتھ بدل جاتے ہیں...... دریں حالات ایک ہی راستہ باقی ہے وہ یہ کہ ایک پرامن منظم تحریک اٹھے جو توڑ پھوڑ نہ کرے اور سرکاری املاک کو

نقصان نہ پہنچائے البتہ خود جانیں دینے کو تیار ہوں...... اس وقت انقلاب کے لیے یہی قابلِ عمل طریقہ ہے۔''(۴)

الغرض اس کتابچہ میں انقلابی عمل کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے طریقۂ کار کے اختلاف کے باوجود رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔

(۹) مثیلِ عیسیٰؑ ۔ علی مرتضیٰؓ

یہ تحریر جون ۱۹۸۷ء میں دیے گئے خطباتِ جمعہ پر مشتمل ہے جس کی ترتیب و تسوید شیخ جمیل الرحمٰن نے کی ہے۔ ۵۴ صفحات پر مبنی اس کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے جون ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

اس کتاب کا عنوان امام احمد بن حنبلؒ کی مسند اور نہج البلاغہ کی اس حدیث کو بنایا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''علیؓ میں عیسیٰؑ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان سے یہود نے بغض رکھا اور نصاریٰ نے ان سے انتہائی محبت کی یعنی (ابن اللہ بنانا) اسی طرح علیؓ کی محبت میں افراط کرنے والے اور ان سے بغض رکھنے والے ہلاک ہوں گے۔''(۵) اس حدیث مبارکہ کی صداقت کو تاریخی حوالوں اور واقعات سے ثابت کیا ہے۔(۶)

آغاز میں ڈاکٹر صاحبؒ نے مقامِ صدیقیت اور مرتبہ شہادت کی توضیح و تشریح کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جامع الصفات شخصیت کو ان دونوں کا مصداق بتایا ہے۔

عبداللہ بن سبا کی سبائی تحریک جو مختلف پینترے بدلتے بدلتے حضرت علیؓ کے خدا ہونے کے گمراہ کن عقیدے تک پہنچی' حضرت علیؓ کے ہاتھوں اس کی بیخ کنی اور مخالفت علیؓ میں اٹھنے والے خوارج کے فتنے کے خلاف جہاد بالقتال جیسے اقدامات کو مصنف نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور انہی خوارج کے ہاتھوں آپؓ کی شہادت' موجودہ دور میں حضرت علیؓ کے ساتھ ہونے والے غلو کے مظاہر کا تذکرہ بھی کتاب میں ملتا ہے۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے شیرِ خدا حضرت علیؓ کے اوصاف و کمالات کو بڑی خوبصورتی اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا کہیں کہیں تو آپؓ کی عظمت و شان' سادگی اور فقر و فاقے کے مظاہر کو دیکھ کر بے اختیار رونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب حضرت علیؓ کو نبی ﷺ کا پرتو' عکس اور شاہکارِ رسالت قرار دیتے ہیں۔ مصنف نے آخر میں حضرت علیؓ کے دیگر صحابہؓ کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا تذکرہ کر کے معاشرہ

میں پائی جانے والی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ کتاب کا اندازِ بیان دل موہ لینے والا ہے اور کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۱۰) شہیدِ مظلوم حضرت عثمان ذوالنورینؓ

۶۴ صفحات پر مبنی یہ تحریر ڈاکٹر صاحبؒ کی ایک تقریر ہے جو انہوں نے مسجد شیرانوالہ لاہور میں دسمبر ۱۹۷۶ء میں کی۔ بعد میں انجمن خدام القرآن لاہور نے افادہ عامہ کے لیے اسے کتابی صورت میں شائع کیا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت اور آپ کے اوصاف اور خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر آپؓ کی شہادت سے پڑنے والے اثرات کو کمال خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت' آپؓ کے جود وسخا کے واقعات' شان تقویٰ' شرم وحیا' بیعت رضوان' آپؓ کے خلاف اعتراضات کی حقیقت' عبداللہ بن سبا کی سازشی تحریک' آپؓ کی مظلومانہ شہادت' صبر وتحمل' آپؓ کی شہادت کے حوالے سے صادقِ رسولؐ کی پیشین گوئیاں' صحابہ کرامؓ کے آپ کی شہادت پر تاثرات اور قاتلین عثمان کے بدانجام کے عنوانات کے تحت مصنف نے محبت صحابہؓ میں ڈوب کر یہ تحریر رقم کی ہے۔

(۱۱) سانحۂ کربلا

۴۸ صفحات پر مبنی اس کتابچہ کو ۱۹۸۴ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ زیرِ نظر کتابچہ ڈاکٹر اسرارؒ کے دو خطبات ''ہجری سال نو مبارک'' اور ''سانحہ کربلا کا تاریخی پس منظر اور واقعات کربلا کے ضمن میں'' ایک طویل روایت کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ یہ کتابچہ عوام میں شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے لکھا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس حادثہ کا تعلق سبائی تحریک سے جوڑتے ہیں۔

فصل سوم :

حقیقت دین اور مطالباتِ دین

ایک مسلمان کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہو۔ جسے ہم ایمانیات کے زمرے میں لاتے ہیں چونکہ اگر یہ عقائد درست ہوں تو انسان کا عمل بھی درست ہوتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت دین اور ایمان کی آگاہی کے ساتھ ساتھ دین حق اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان فرائض دینی کو کما حقہٗ پورا کیا جائے جو اس نے ایک مسلمان پر عائد کیے ہیں۔

نیز اسلام زندگی کے ہر شعبے میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے چاہے وہ عبادات کا شعبہ ہو یا معاشرت' معیشت' سیاست اور اخلاقیات کا ہو' ہمارے لیے قرآن وسنت میں رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔۔ اللہ کی کامل بندگی' رسول رحمت ؐ کی سیرت اور آپؐ کے دیے گئے نظام حیات کے مطالعہ اور عمل کے ذریعے ہی ہم دین ودنیا میں کامیاب وکامران ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی ان تصانیف کا جائزہ لیا جا رہا ہے جن میں آپ نے دین وایمان کی حقیقت اور اسلامی نظامِ حیات کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان پر دین کے جو مطالبات عائد ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں رہنمائی فرمائی ہے۔

(ا) حقیقتِ ایمان

یہ تحریر دراصل ڈاکٹر صاحبؒ کے ان پانچ خطبات پر مشتمل ہے جو انہوں نے انجمن خدام القرآن کے سالانہ محاضرات قرآنی میں ۱۹۹۱ء میں دیے۔ اس کی ترتیب وتسوید کا کام مولانا عبدالرحمٰن شبیر بن نور نے سرانجام دیا ہے۔ ۲۱۳ صفحات پر مبنی یہ کتاب فروری ۲۰۰۳ء میں مکتبہ خدام القرآن لاہور سے شائع ہوئی۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کتاب میں جہاں علمی انداز میں ایمان کی باریکیوں' اس کی جزئیات وتفصیلات کو آئمہ وفقہاء کرام اور مختلف مسالک کی آراء کے ساتھ پیش کیا ہے وہیں قانونی اور حقیقی ایمان کے فرق کو بھی واضح کر دیا ہے۔

ایمان وعمل کے لازمی تعلق' ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے' ایمان اور نفاق' ایمان اور تصوف

کی علمی بحثوں نے کتاب کو علمی اعتبار سے یک طرفہ موقف پیش کرنے کی بجائے توازن کے ساتھ مختلف الخیال اہل علم کا نکتہ نظر پیش کرنے والی کتاب بنا دیا ہے تاکہ قاری کو صحیح رائے اور درست راستہ کے انتخاب میں آسانی رہے۔

کتاب جو آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اس کے آخری باب میں ڈاکٹر صاحبؒ ایمان حقیقی کو حاصل کرنے کے ذرائع قرآنِ مجید' صحبت صالحہ' صاحب یقین اور عمل صالحہ کو قرار دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی صوفیاء کرام کی دعوت کے طریقۂ کار اور تبلیغی جماعت کے کام کو بھی موضوع بحث بناتے ہیں۔ نیز کتاب کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب نورِ ایمان حاصل کرنے والوں کو تین درجات صدیقین (جس شخص کی فطرت صالحہ ہے اور وہ جو دعوت ایمان قبول کرتا ہے)' محجوبین (جن کے دل پر حجابات اور پردے ہیں اور کچھ زنگ آ گیا ہے' جو ذکر و فکر کے ذریعے دور ہو جاتا ہے) اور پھر مختومین (جن کی کج روی راسخ ہو چکی ہے' حجابات نہایت گہرے ہو چکے ہیں اور دل سیاہ ہو گئے ہیں) میں تقسیم کرتے ہیں۔ خلاصہ بحث میں ان تینوں گروہوں پر تبلیغ کے اثرات کے ساتھ پتہ کی یہ بات بتائی گئی ہے کہ آخر الذکر گروہ میں تبلیغ و دعوت کا کام موقوف نہ کیا جائے کہ کب قدرت الٰہی ان کے زنگ آلود دلوں پر پڑے قفل کھول ڈالے اس لیے ربِ رحمٰن کے حضور ان کے ایمان کے لیے دست بدعا رہا جائے۔

الغرض حقیقت ایمان پر یہ ایک آسان اور مربوط و مبسوط کتاب ہے جس میں آنے والی قرآنی آیات' احادیث' آئمہ و فقہاء' صوفیاء اور صلحاء کے اقوال و آراء نے کتاب کی وقعت کو دوچند کر دیا ہے۔

(۲) حقیقت و اقسام شرک

۱۲۸ صفحات پر مبنی یہ تحریر اکتوبر ۲۰۰۸ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت شائع ہوئی۔ یہ ڈاکٹر صاحبؒ کی حقیقت و اقسام شرک کے موضوع پر چھ نشستوں میں کی گئی مفصل گفتگو ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ''کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کے ذریعے سے اُمت مسلمہ میں حقیقت شرک کے بارے میں صحیح فہم و شعور پیدا فرمائے اور اس ضمن میں ہم سے کوئی مفید خدمت قبول فرمالے۔''(۱)

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں علمی اور توازن پر مبنی انداز اختیار کیا ہے۔ شرک

جیسے نازک اور حساس موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انداز ناصحانہ ہے۔شرک فی الذات‘شرک فی الصفات‘ چند تمہیدی اور ضروری وضاحتیں ان کو ہم اس کتاب کے بڑے عنوانات قرار دے سکتے ہیں جنہیں آپ نے بہت سے ذیلی عنوانات کے تحت بڑی باریک بینی سے بیان کیا ہے۔

عام فہم انداز میں جدید وقدیم کے حوالوں اور تاریخ کے اوراق سے جڑی یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحبؒ نے اس میں شرک جیسے ناقابل معافی گناہ کی حقیقت کو خوبصورتی کے ساتھ آشکارا کیا ہے۔

(۳) توحید عملی: سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

زیر نظر کتاب ۲۲۴ صفحات پر مبنی ہے جسے ۱۹۸۵ء میں مکتبہ خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ ۲۰۰۸ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے ان دروس پر مبنی ہے جو آپ نے توحید عملی یعنی اخلاص فی العبادات اور اقامت دین کی اہمیت وفرضیت کے موضوع پر سورۃ الزمر‘ سورۃ المؤمن‘ سورۃ حٰمٓ السجدۃ اور سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کی روشنی میں دیے ہیں جسے بعد میں شیخ جمیل الرحمٰن نے کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ۱۹۸۵ء میں ''توحید عملی'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک فریضہ اقامت دین‘ توحید فی العلم اور توحید فی العمل کا ذروۂ سنام ہے اور ان دروس میں یہ مضمون ایک سورۃ سے دوسری سورۃ کی طرف بتدریج بڑھتا ہے۔ نیز ان سورتوں کی آیات کا موضوع سے متعلق جو باہمی ربط ہے‘ اسے ڈاکٹر صاحب نے بکمال وتمام احسن طور پر پیش کیا ہے۔ ان سورتوں کے مضامین کے باہمی تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''توحید عملی کے موضوع پر سورۃ الزمر‘ المؤمن‘ حٰم السجدۃ اور الشوریٰ کا گروپ بہت اہم ہے۔ سورۃ الزمر میں انفرادی سطح پر توحید عملی کا بیان ہوا‘ اس کا باطنی پہلو توحید فی الدعا‘ سورۃ المؤمن میں بیان ہوا۔ پھر انفرادی سطح سے اجتماعی سطح کی طرف بڑھیں تو دعوتِ توحید کا یہ مرحلہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں ذکر ہوا اور یہ اجتماعی سطح پر توحید عملی کا ہدف ہے۔ اقامت دین جو سورۃ الشوریٰ میں بیان ہوا۔ یعنی اس توحید کا منتہائے مقصود ہوگا کہ پورے نظام اجتماعی پر اللہ کے دین کو قائم ونافذ کرنا۔''(۲)

کتاب کی ابتدا تمہیدی مباحث سے ہوتی ہے۔ اس تمہید کے ذریعے موضوع پر گرفت شروع سے آخر تک رہتی ہے۔ ان مباحث میں مکی اور مدنی سورتیں' قرآن کی ازلی و ابدی ترتیب' قرآنِ مجید کا نظم اور نظام کے لحاظ سے قرآن کے گروپ' مکی سورتوں کے مرکزی مضامین وموضوعات' گروپوں میں مضامین کی تقسیم' توحید علمی' توحید عملی اور توحید کیا ہے؟ شامل ہیں۔ اور اسے ایسے عام فہم انداز میں پیش کیا ہے کہ طبیعت بوجھل محسوس نہیں ہوتی۔

مزید برآں توحید عملی اور اس سے متعلقہ مباحث یعنی توحید عملی کے مدارج' توحید فی العبادۃ' انفرادی عملی توحید' توحید فی الدعا' دعوت الی اللہ' دعوت توحید' اجتماعی زندگی میں توحید کے تقاضے اور اقامت دین کی فرضیت' توحید عملی کا فریضہ' اقامت دین سے ربط وتعلق' اقامت دین' مشرکین کے لیے پیغامِ موت' راہِ ہدایت پر آنے کے دو طریقے' اجتہاد و انابت' نبی کریم ﷺ کا فرضِ منصبی' دعوت اور قیام عدل' اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف' بدلہ اور قصاص کی حکمت اور عفو کا موقع محل اور اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کی ترغیب کو ذیلی عنوانات کے تحت بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں توحید فی العمل کو مفصل اور جامع انداز میں اور قرآن وسنت کی روشنی میں بہت خوبی' اخلاص اور سوز سے بیان کیا ہے۔ اس تحریر کے ذریعے توحید کے ساتھ جہاں اقامت دین کی فرضیت واضح اور مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے وہاں اس عظیم ترین فرض کی ادائیگی کے لیے جو تنظیم قائم ہو اس کے رفقاء میں جو اوصاف اور خصائص مطلوب ہیں' وہ بھی بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب انفرادی واجتماعی سطح پر توحید کو عملی زندگی میں شامل حال رکھنے کے لیے بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

(۴) عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

۵۶ صفحات کا حامل یہ کتابچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک جامع ومبسوط تقریر بعنوان ''عیدالاضحیٰ اور فلسفہ قربانی'' (جسے بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا) اور ایک تحریر بعنوان ''حج اور عیدالاضحیٰ اور ان کی اصلی روح' قرآنِ حکیم کے آئینے میں' پر مشتمل ہے جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۷ء تک اس کے آٹھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اسلام میں دو عیدیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ عید الاضحیٰ کی نمایاں خوبی قربانی ہے۔

اس قربانی کا فلسفہ کیا ہے اور یہ کس چیز کی علامت ہے؟ حج' عید الاضحیٰ اور قربانی میں کیا ربط و تعلق ہے؟ زیر نظر کتابچے کے مطالعہ سے' یہ تمام امور بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔ حج اور عید الاضحیٰ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت ہی کے گرد گھومتے ہیں لہٰذا مصنف نے اس کتابچہ میں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی جو ابتلاء و آزمائش کی مثال کامل ہے اسے مختصراً قرآنی آیات کی روشنی میں اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو یعنی حضرت ابراہیم کے فکر و نظر کے امتحان' قوت ارادی کی آزمائش' بت شکنی کا اقدام' حاکم وقت سے مباحثہ' بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنا' ہجرت' اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام کی ولادت' واقعہ ذبیح عظیم اور فریضہ حج اور حیات ابراہیمؑ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ حج' عید الاضحیٰ اور قربانی کے باہمی ربط اور فلسفہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

> ''عید الاضحیٰ بلاشبہ حج ہی کی توسیع کی حیثیت رکھتی ہے' اس لیے کہ حج اس اعتبار سے ایک طرح کی محدودیت کا حامل ہے کہ اس کے تمام مراسم و مناسک ایک متعین علاقے یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے نواح ہی میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے ایک رکن یعنی اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی کو وسعت دے دی گئی ہے تاکہ اس میں روئے زمین میں بسنے والا ہر مسلمان شریک ہو جائے اور یہی عید الاضحیٰ کی اصل حکمت ہے۔''(۳) ''اس کے علاوہ قربانی اس عظیم الشان واقعہ کی یادگار ہے جس میں ایک سو سالہ بوڑھے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی اور اس طرح یہ قربانی ہمیشہ کے لیے شعائر دین میں شامل ہو گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک بندۂ مومن سے مطلوب ہے۔''(۴)

الغرض ڈاکٹر صاحب نے سادہ و سہل اُسلوب نگارش میں عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی کو بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔

(۵) مروّجہ تصوف یا سلوکِ محمدیؐ؟ یعنی احسانِ اسلام

۴۴ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا جو ڈاکٹر صاحب کی تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کی ایک خصوصی تربیت گاہ میں کی گئی تقریر پر مبنی ہے۔ ۲۰۰۶ء تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے لفظ تصوف کو ''مجہول الاصل'' قرار دے کر احسان جیسی قرآنی اصطلاح سے محجوبیت کو پہاڑ جیسی غلطی اور امت کے لیے ایک بہت بڑی محرومی قرار دیا ہے۔

اسلام کے بعد ایمان اور ایمان کے بعد احسان کا درجہ ہے اس کے برعکس یونانی فلسفہ کے زیر اثر تصوف کے لفظ نے احسان کی خالص دینی اصطلاح کی جگہ لے لی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے تصوف میں یونانی و دیگر فلسفوں کی آمیزش کو اختیار کرنے کی بجائے ''طریق محمدی ﷺ'' کو اختیار کرنے کا درس دیا ہے یعنی روحانی عنصر کی تقویت وتغذیہ کا سامان کیا جائے اور دوسری طرف حیوانی عنصر کی تہذیب وتزکیہ کا بندوبست کیا جائے۔(۵)

ڈاکٹر صاحب روح کی تقویت کے ذرائع ذکر الٰہی' صاحب یقین کی صحبت' ذکر قرآن' نماز' صوم' انفاق' تہجد' حج' دعوت دین اور اقامت دین کی جدوجہد کو قرار دیتے ہیں۔ سلوک محمدی سے انحراف کے اسباب میں قرآن سے بعد' غیر مسنون اذکار و وظائف' دعوت و اقامت دین کی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ سے دوری' راہبانہ طور طریقے' تقرب بالفرائض کی بجائے تقرب بالنوافل' کے معاملے کا بڑھنا ہے۔ مروجہ تصوف کا علاج رجوع إلی القرآن' تقرب بالفرائض' اور دعوت اقامت دین کی جدوجہد سے ممکن ہے۔

بہر حال عالمانہ انداز میں قرآن وسنت کے حوالوں سے مزین یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے وسعت مطالعہ کا پتہ دیتی ہے۔

(۶) جہاد فی سبیل اللہ: اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

۷۲ صفحات پر مبنی اس کتاب کو ۲۰۰۰ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا اور مئی ۲۰۰۸ء تک اس کتاب کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

زیر نظر تحریر ڈاکٹر صاحبؒ کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جسے اولاً نومبر ۱۹۹۹ء میں میثاق کے شمارے میں شائع کیا گیا بعدازاں اسے افادۂ عام کے لیے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس کتاب میں جہاں جہاد کی مختلف اقسام کا تذکرہ کیا ہے وہیں پر جہاد اور قتال کے فرق کو بھی مدلل انداز مین واضح کر دیا ہے اور جہاد کے حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جہاد کی بلند ترین منزل اقامت دین کو قرار دیتے ہیں اور اقامت دین کی شرائط ومراحل کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ حالات میں مسلح تصادم (قتال) کا متبادل تحریک مزاحمت اور عدم تشدد پر مبنی عدم تعاون اور سول نافرمانی کو قرار دیتے ہیں۔ تاہم یہ بھی نوٹ کرا دیتے ہیں کہ جہاں بھی اس کے قابل عمل ہونے کا امکان ہو وہاں فاسق وفاجر حکمرانوں سے قتال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قتال فی سبیل

اللہ کے مقام ومرتبہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح بھی کرتے ہیں۔

الغرض اس کتاب میں دعوت وتحریک یعنی فریضہ اقامت دین (جس کا دوسرا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے) کا کام کرنے والوں کے لیے غور وفکر اور عمل کا بہت سا سامان موجود ہے۔ آخر میں تخریج احادیث سے کتاب کی معقولیت میں اور اسے علمی اور عالمانہ اُسلوب میں حوالہ جات کے ساتھ پیش کرنا' کتاب کی وقعت میں اضافے کا باعث بنا ہے۔

(۷) زندگی' موت اور انسان: آئینہ قرآنی میں

۲۰ صفحات پر مبنی فروری ۱۹۸۸ء میں شائع ہونے والا یہ کتابچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قلم سے صادر ہونے والی دو تحریروں ''حقیقت زندگی'' اور ''حقیقت انسان'' پر مشتمل ہے جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ اسی لیے یہ کتابچہ آپ کی تحریری خوبیوں سے مالا مال ہے۔ اس کتابچہ کا انداز بیان انتہائی عالمانہ ہے۔ موقع کی مناسبت سے قرآنی آیات و احادیث اور اشعار کے استعمال نے اس تحریر کو دوچند کر دیا ہے۔ جملوں کا باہمی ربط و تسلسل اول تا آخر قائم رہتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اس کتاب میں اپنے منفرد انداز میں زندگی' موت اور انسان کی حقیقتوں سے پردے اٹھاتے نظر آتے ہیں اور انسان کو زندگی کی بے ثباتی سمجھاتے ہوئے آئندہ آنے والی ابدی و غیر فانی زندگی کے لیے اعمال صالحہ سے اپنی زندگیوں کو آراستہ و پیراستہ کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔

(۸) عظمتِ صوم : حدیث قدسی فانه لی وانا اجزی به کی روشنی میں

۱۹ صفحات پر مشتمل زیر نظر کتابچہ کو پہلی بار ۱۹۷۷ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا اور ۲۰۰۴ء تک اس کتابچہ کے بارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں ڈاکٹر صاحبؒ نے حدیث قدسی الصوم لی وانا اجزی به (۶) ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا'' کی روشنی میں عظمت صوم بیان کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''اس حدیث قدسی کی واحد اور ممکن توجیہہ یہ ہے کہ روزہ روح کے تغذیہ وتقویت کا ذریعہ ہے جسے ایک تعلق خاص اور نسبت خصوصی حاصل ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ۔ لہٰذا یہ گویا خاص اللہ کے لیے ہے جس کی جزا وہ بطور خاص دے گا یا یوں کہہ لیں

کہ چونکہ اس کا حاصل ہے تقرب الی اللہ تو گویا اللہ خود ہی بنفس نفیس اس کی جزاء ہے۔"(۷)

آغاز میں روح اور جسم خاکی کی دقیق اور عالمانہ بحث ہے اور حاصل کلام تمام بحث کا یہ ہے:

"الغرض! صیام وقیامِ رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ روحِ انسانی بہیمیت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیات تازہ حاصل کرے اور پوری شدت وقوت اور کمال ذوق وشوق کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہو جائے۔" (۸)

کتاب کا انداز فلسفیانہ ہے اور اُسلوب بیان مشکل اور دقیق ہے۔

(۹) عظمت صیام وقیام رمضانِ مبارک

مارچ ۱۹۹۱ء میں شائع ہونے والا یہ کتابچہ ۴۸ صفحات پر مبنی ہے جو ۱۹۸۶ء میں کراچی میں ۳۰ شعبان کی شب کو استقبال رمضان المبارک کے حوالے سے دیا گیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کا ایک نہایت مبسوط' جامع اور پر تاثیر خطاب ہے جو آپ نے نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث اور سورۃ البقرۃ کے ۲۳ ویں رکوع کی چھ آیات کی روشنی میں فرمایا۔ مزید برآں اس خطاب میں آپ نے اپنے دورہ ترجمۃ القرآن کا ذکر کیا ہے اور بقول ڈاکٹر صاحب "برصغیر پاک و ہند میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا۔"(۹)

پیش نظر کتابچہ میں جہاں استقبال رمضان اور اس کی برکتوں کا ذکر کرتے ہیں وہاں روزہ کی حکمت اور احکام' روزہ کے ابتدائی احکام' صوم کا مفہوم' مقصد صوم' رمضان اور نزول قرآن' روزہ اور قرآن کی شفاعت' صیام وقیام لازم وملزوم' رمضان میں فرضیت روزہ' روح کی غذا قرآن' روزہ اور دعا کے باہمی تعلق کو بھی بیان کرتے ہیں۔

اس کتاب میں آپ نے اس بات کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی ہے کہ ماہ مبارک کی برکتوں اور عظمتوں سے صحیح استفادہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ دن کا روزہ ہو اور پوری رات قرآن کے ساتھ بسر ہو۔ (اللہ تعالیٰ نے نرمی کے لیے قیام اللیل نفلی کر دیا) اب رمضان وقرآن اور صیام وقیام ان سب کا جو مشترک نتیجہ نکلے گا وہ یہ ہے کہ تمہاری روح بیدار ہوگی' تقویت پائے گی اور اللہ کی طرف متوجہ ہوگی۔ انسان کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ اللہ کہیں دور نہیں یہ تمہارے بالکل قریب ہے اور وہ ہمیشہ ہی قریب رہتا ہے لیکن رمضان میں تو اس عموم میں قیام وصیام کی برکت سے خصوص پیدا ہو جاتا ہے۔

الغرض ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں انتہائی موثر اور دلنشین انداز میں رمضان المبارک کے گزارنے اور اس کا گوہر مقصود تقویٰ حاصل کرنے کے طریقے اور لائحہ عمل کو قرآن وحدیث کے حوالوں سے آشکارا کیا ہے۔

(۱۰) اطاعت کا قرآنی تصور

سورۃ التغابن کی آیت نمبر۱۲ کی روشنی میں دیے گئے درس پر مبنی یہ کتابچہ ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جسے اکتوبر ۱۹۹۵ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس میں اطاعت کے قرآنی تصور کو مفصلاً بیان کیا ہے۔ اطاعت کا وسیع مفہوم اور اس کا دائرہ کار سمجھانے کے ساتھ' ایمان کا لازمی تقاضا مکمل اطاعت کو قرار دیتے ہیں۔ اطاعت الٰہی' اطاعت رسول اور اولی الامر کی اطاعت' سمع وطاعت کا مفہوم اور اس کے لازمی تقاضے کے طور پر بیعت اس کتاب کے بنیادی موضوعات ہیں۔ جنہیں قرآن وحدیث اور تاریخی حوالوں کے ذریعے بڑی عمدگی اور سادہ اُسلوب میں واضح کیا ہے نیز یہ کہ یہی اطاعت ہمارے ایمان کی بنیاد اور عمل صالح کی اساس ہے۔ اور معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں بلکہ ہر انسان کی اطاعت معروف سے جڑی ہوئی ہے۔ الغرض یہ کتاب اطاعت کا صحیح اسلامی تصور آشکارا کرتی ہے۔

(۱۱) ایجاد وابداعِ عالم سے عالمی نظام خلافت تک: تنزل اور ارتقاء کے مراحل

۵۹ صفحات پر مبنی یہ کتاب مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے اگست ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی جو ڈاکٹر صاحب کے عمیق غور وفکر' سائنسی طرز فکر اور ان کے خوبصورت انداز میں صغریٰ کبریٰ ملانے کا پتا دیتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ (جو خود ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں) نے سائنس کے اہم موضوع کو قرآنی حوالوں سے مزین کر کے اسلام کی حقانیت کو واضح کیا ہے۔

کتاب کا موضوع کائنات کی ابتدا' انسان و دیگر کی تخلیق اور حیات ارضی کا ارتقاء ہے۔ قرآن نے اس حوالے سے جو آیات بینات اُتاری ہیں' ڈاکٹر صاحب سائنس کے پیش کردہ نظریات کو موازنہ کے طور پر پیش کر کے علیم وخبیر ہستی کی حقانیت وصداقت کو مبرہن کرتے ہیں۔ تخلیق آدم اور اس کو عطا کی گئی خلعت خلافت کے ساتھ ابلیس اور انسان کے درمیان خیر وشر کے معرکے کا ذکر بھی اس کتاب میں ملتا ہے۔ رحم مادر میں تخلیق آدم کے مراحل اور سائنس کا ان کی تصدیق کرنا اس کو بھی ڈاکٹر صاحبؒ نے نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نوع انسانی کے

ذہنی اور عمرانی ارتقاء کو (جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا) نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ذریعے قافلہ انسانیت اور انبیاء و رسل کے سلسلے کو اپنی آخری معراج تک پہنچ جانے کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے عالمگیر غلبے کی نوید کے ساتھ اس کے لیے جہد و عمل کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ مشکل تراکیب، فلسفیانہ موضوع بحث کے باوجود یہ ایک اچھی علمی و فکری کاوش ہے۔

(۱۲) مطالباتِ دین

۱۱۲ صفحات پر مبنی یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے تین خطبات پر مشتمل ہے جس کی ترتیب و تسوید شیخ جمیل الرحمٰن نے کی جسے مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۷۵ء میں پہلی بار شائع کیا۔ ۲۰۰۰ء تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

پہلے خطاب کا عنوان ''عبادت رب'' ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے جامع اور دلنشین انداز میں عبادت کا مفہوم، قرآنی حوالوں سے اور بالخصوص سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ عبادت کی روح محبت الٰہی اور خلوص کو قرار دے کر تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ دوسرا خطاب ''شہادت علی الناس'' کے موضوع پر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ کی روشنی میں ہے۔ اس میں آپ نے شہادت علی الناس کو امت مسلمہ کی غرض تاسیس اور نصب العین قرار دیا ہے کہ خاتم النبیین کی امت ہونے کی حیثیت سے اس فریضہ کی ادائیگی امت کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ تیسرے خطاب کا موضوع اقامت دین ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسے شہادت علی الناس کی بلندترین منزل قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول یہ تینوں چیزیں فرائض دینی میں شامل ہیں اور فلاح دنیوی اور نجات اُخروی کے لیے ناگزیر ہیں۔ (۱۰)

ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ان تین بنیادی فرائض کے علمبردار ہیں لیکن بدقسمتی سے ڈاکٹر صاحب کو تاحال اس دعوتِ فکر سے ہم آہنگ اتنی وافر مقدار میں رجالِ کار میسر نہیں آسکے کہ وہ باطل کو اپنی موجودگی کا احساس دلا سکیں۔ ڈاکٹر صاحب کی بنائی ہوئی تنظیم میں اگرچہ ان کی شخصیت کا متبادل تو کوئی نہیں لیکن اس جماعت نے ذہن اور کردار کے لحاظ سے نسبتاً بہتر لوگ پیدا کیے ہیں۔ یہاں ایک سنجیدہ دینی انقلابی فکر کو عام کرنے کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے۔ بے شمار لوگ ہیں جنہوں نے تنظیم سے اتفاق یا اختلاف کی بنیاد پر اپنے لیے کوئی نہ کوئی راہِ عمل متعین کی ہے۔ دیکھا جائے تو یہ بہت بڑی پیش رفت ہے۔ خاص کر ان حالات میں کہ جب دعوتِ دین کے لیے خارج میں مسائل کا زور ہر چڑھتے دن کے ساتھ بڑھتا چلا جا رہا ہے

اور جماعتوں کے اندر یہ باور کروانا مشکل ہو گیا ہے کہ کچلے پھل کا بیج کبھی نہیں اُگتا۔

بہر حال کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی عمدہ ہے اور سادہ و سلیس انداز میں ایک مسلمان کی ذمہ داریوں کو بہت بہترین انداز میں بیان کیا ہے۔

(۱۳) ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے

۴۸ صفحات پر مبنی اس کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۲۰۰۲ء میں پہلی بار شائع کیا جو دراصل ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب پر مبنی ہے۔

زیر نظر کتابچہ میں ڈاکٹر اسرار احمد نے نہایت اہم موضوع یعنی ''ختم نبوت'' پر قلم اٹھایا ہے۔ پیش نظر کتابچہ میں ختم نبوت کے دو مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ نبوت کا آپؐ پر ختم ہو جانا یعنی آپ کا آخری نبی ہونا اور نبوت کا آپؐ پر مکمل ہو جانا اس لیے ہے کہ ہدایتِ ربانی قرآن میں مکمل ہوئی اور اس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لے لی اور دین حق کا اتمام و اکمال ہو گیا۔ آپ نے دین حق کو قائم کر کے نمونہ و مثال قائم کی اور آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق آخری زمانے میں دین حق پوری دنیا پر غالب ہو کر رہے گا۔ اس لیے ہماری ذمہ داری رسولؐ کو آخری نبی و رسول ماننے کے واسطے سے یہ ہے کہ ہم اس کے غلبے اور اقامت کے لیے اپنا فرض ادا کریں۔ قصہ مختصر ڈاکٹر صاحب اس کتاب میں اقامت دین کی ذمہ داری کا احساس و شعور اجاگر کرتے اور عملی جدوجہد کے لیے مسلمانوں کو کمربستہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

نیز ختم نبوت کے حوالے سے قادیانی فتنے کے استیصال کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ایک بڑی ہی قیمتی بات ارشاد فرمائی ہے:

> ''ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس روز بھی یہ فیصلہ ہوا' ساتھ ہی واضح کر دیا جاتا کہ آج کی اس تاریخ سے پہلے پہلے جو قادیانی ہیں وہ تو اقلیت قرار پائیں گے لیکن اس فیصلے کے نفاذ کے بعد جو شخص بھی قادیانیت اختیار کرے گا اس پر قتل مرتد کی حد جاری کی جائے گی۔''(۱۱)

قرآنی آیات' احادیث مبارکہ اور موقع و محل کی مناسبت سے اشعار کے استعمال نے کتاب کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

(۱۴) دعوت الی اللہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اصول و مبادی

۲۴ صفحات پر مبنی یہ کتابچہ ڈاکٹر صاحب کی جامعہ محمدیہ ملتان کے سالانہ اجتماع میں یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء کو کی گئی ایک تقریر ہے جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۷۵ء

میں کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ ۲۰۰۹ء تک اس کے گیارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ اس کتابچہ میں امت کا مقصد وجود دعوت الی اللہ کو قرار دیتے ہیں' اس کے لیے نبویؐ طریق کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور سیرتِ مطہرہ کو رہنمائی اور روشنی کا منبع قرار دیتے ہیں۔ اس بات کی جانب توجہ مبذول کراتے ہیں کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر کامل یقین کے نتیجے میں اعمالِ صالحہ وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اللہ ہی سے محبت انسان کو اللہ کی طرف دعوت دینے کا باعث بنتی ہے۔ مختصراً لیکن افادیت سے بھرپور یہ کتابچہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کے جذبہ کو اجاگر کرنے اور دعوت دین کو پھیلانے کی تڑپ اور لگن پیدا کرتا ہے۔

(۱۵) قربِ الٰہی کے دو مراتب: کتاب و سنت کی روشنی میں

۲۷ صفحات پر مبنی یہ کتاب قرآن و حدیث کی روشنی میں فریضہ اقامت دین کا شعور اُجاگر کرنے کے لیے بہترین کتاب ہے جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا اور ۲۰۰۹ء تک اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں ڈاکٹر اسرار احمد قرآنِ کریم کو مظلوم کتاب قرار دیتے ہوئے اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے نظر آتے ہیں۔ قرآن کا مطلوب انسان کن خوبیوں اور اوصاف کا مالک ہو گا؟ قرآن ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟ اور ان فرائض کی ادائیگی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں ہم کس طرح انجام دے سکتے ہیں؟ اور اجتماعی زندگی کس چیز کا تقاضا کرتی ہے' اس کے لیے حقیقی اور عملی رہنمائی اسوہ کاملؐ سے ملتی ہے۔ کیونکہ کتاب ہدایت قرآن کی عملی' جامع اور کامل تصویر رسول کی ذات اقدس میں مکمل طور پر نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب سنت کو دو حصوں یعنی عبدیت اور رسالت کے مقصد و تقاضوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ساتھ ہی ولی کے لیے حمیت دینی کی شرط لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ تقرب الی اللہ کے دو ذرائع تقرب بالفرائض اور تقرب بالنوافل کو قرار دیتے ہیں اور یہ تقرب انسان کو اس رتبہ پر پہنچا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا عبادتِ ربّ کو فرض' دعا کو اس کا لازمی جزو اور اقامت دین کو اس کا لازمی تقاضا قرار دیتے ہیں۔ اُمت کی اجتماعی ذمہ داری اور اقامت دین کی ذمہ داری کے لیے جماعت کے التزام کو قرآن و حدیث سے واضح کرتے ہیں اور اس کے لیے جماعت سے وابستگی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

(۱۶) حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

ڈاکٹر صاحب نے ۱۴ نومبر ۱۹۸۷ء میں اسلامی جمعیت طلبہ علامہ اقبال میڈیکل کالج میں خطاب فرمایا۔ جس کی ترتیب وتسوید شیخ جمیل الرحمٰن نے کی۔ ۱۹۹۱ء میں انجمن خدام القرآن لاہور نے اسے ۳۱ صفحات پر مبنی کتابچہ کی صورت میں شائع کر دیا۔ ۲۰۰۶ء تک اس کتابچہ کے آٹھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

حب رسولؐ کا لازمی تقاضا اطاعت رسول ہے اور نبی ﷺ کو سب سے زیادہ جو فکر دامن گیر تھی وہ اعلائے کلمۃ الحق اور غلبہ دین کی فکر تھی۔ اس لیے لازمی طور پر محبت کا دعویٰ کرنے والوں کو بھی اپنی توانائیاں غلبہ دین کے لیے کھپانا اور لگانا ہوں گی۔ طریقہ کار بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنانا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحبؒ اس انقلابی جدوجہد کو چھ مراحل میں تقسیم کرتے ہیں یعنی دعوت وتبلیغ، تنظیم، تربیت وتزکیہ، صبر، اقدام اور مسلح تصادم۔ آپؒ چار مراحل کو دور حاضر میں بھی اسی طرح طریقہ کار کے طور پر لیتے ہیں البتہ پانچویں اور چھٹے مرحلہ کے لیے دھرنا و احتجاج اور قربانی کو قرار دیتے ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے حب رسولؐ کے علمبرداروں کو صاف اور واضح الفاظ میں یہ پیغام دیا ہے کہ حب رسولؐ کا دعویٰ ہے تو نبی ﷺ کے مشن کا پرچم تھام لو اور سیرت مطہرہ کی روشنی میں اپنے لیے لائحہ عمل ترتیب دو۔ الغرض اس موضوع پر گراں قدر اور مفید کتاب ہے۔

(۱۷) تنظیم اسلامی کی دعوت

۵۲ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ یہ تحریر ڈاکٹر صاحب کے ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کو تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء سے خطاب پر مبنی ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے تنظیم اسلامی کے اغراض ومقاصد اور طریقہ کار سے شرکاء کو آگاہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے ذہنی وفکری پس منظر، تنظیم اسلامی کے قیام کے محرکات، ہمارے دینی فرائض (بندگی رب، دعوت وتبلیغ، اقامت دین اور اس کا طریقہ) موجود حالات میں اقدام کی صورت جیسے عنوانات بیان کیے ہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد کے نتائج کے طور پر فلاح آخرت کی قطعی وحتمی نوید کے ساتھ غلبہ اسلام کے امکان کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پاکستان کے حوالے سے یہ غالب گمان رکھتے ہیں کہ عالمی غلبہ کا نقطہ آغاز یہی خطہ بنے گا۔ آخر میں وہ حاضرین کو تنظیم اسلامی میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔

(۱۸) فرائض دینی کا جامع تصور

زیرِ نظر کتابچہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۹۸۳ء میں جامع مسجد کراچی میں دیے گئے' ایک خطبہ جمعہ پر مبنی ہے جس کی ترتیب وتسوید محترم جمیل الرحمٰن نے کی۔ جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا ۲۰۰۹ء تک اس کے ۱۶ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتابچہ میں ڈاکٹر صاحب نے مختصراً لیکن جامع' مؤثر اور عام فہم اُسلوب میں ایک مسلمان پر جو فرائض دینی عائد ہوتے ہیں' ان سے آگاہ فرمایا ہے کہ جن سے ناواقفیت کے سبب صرف چند عبادات و رسومات کی ادائیگی کو جملہ فرائض سمجھ لیا جاتا ہے۔ فرائض دینی کے ضمن میں آپ تین بنیادی باتوں' دین پر کاربند ہونا' دین کو دوسروں تک پہنچانا اور اقامت دین کو ضروری قرار دیتے ہیں اور فرائض دینی کی ان تین بنیادی باتوں کو سہ منزلہ عمارت سے تشبیہ دیتے ہیں جسے سر کرنے کے لیے تین لازمی تقاضوں جہاد (جہاد مع النفس' جہاد بالقرآن' قتال فی سبیل اللہ)' التزام جماعت اور بیعت کو پورا کرنا پڑتا ہے۔

دین کے مکمل نقشے یعنی ان چھ باتوں کے ذریعے ہی ہم صحیح طور پر اپنا جائزہ لے سکیں گے کہ ہم دین پر کتنا عمل پیرا ہیں اور کن چیزوں پر عمل نہیں کر رہے۔ الغرض اس کتاب کا مطالعہ دینی فرائض کے شعور کو اُجاگر کرنے اور ایک مسلمان کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے میں مفید ثابت ہوگا۔

(۱۹) اُمت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل

۱۴۸ صفحات پر مبنی یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی دو تقریروں پر مبنی ہے جسے انجمن خدام القرآن لاہور نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس کتاب میں امت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ پہلا نکتہ انفرادی لائحہ عمل میں فرد کی اپنی اصلاح کرتے ہوئے اپنے آپ کو تقویٰ کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔ دوسرا نکتہ حیات ملی کا استحکام بتاتے ہیں اس کے لیے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور ہر طرح کے قومی' علاقائی' لسانی اور مسلکی تعصبات سے آزاد ہو کر وحدت امت کے لیے یکسو ہونے کا پیغام دیتے ہیں۔ تیسرا نکتہ اجتماعی لائحہ عمل امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ہے۔ امت کی یک جہتی اور اتحاد کے حوالے سے مولانا یوسف بنوریؒ کی خوبصورت تحریر ان

کے بڑے ہونے اور امت کا درد رکھنے کا پتا دیتی ہے۔ زیر نظر کتاب میں اس تحریر کی شمولیت نے کتاب کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

نہی عن المنکر کے طریق کار کی وضاحت کے ساتھ ساتھ دوسری تقریر میں شہادت علی الناس اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وضاحت کی گئی ہے۔ قرآن وحدیث کے حوالوں سے مزین اس تحریر میں ڈاکٹر صاحب امت مسلمہ کو اس کا فرض یاد دلاتے نظر آتے ہیں کہ اس امت کی کامیابی وکامرانی انہی دو کاموں کے کرنے سے وابستہ ہے۔ کتاب کی افادیت مسلم ہے۔

(۲۰) اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت

۳۱ صفحات پر مبنی یہ کتابچہ ڈاکٹر صاحبؒ کے ایک خطاب پر مبنی ہے جسے آپ نے ۱۹۹۵ء میں شکاگو (امریکہ) میں انگریزی زبان میں دیا۔ بعد میں ڈاکٹر احمد افضال نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اسے افادہ عام کے لیے ۱۹۹۶ء میں شائع کر دیا گیا۔ ۲۰۰۹ء تک اس کتاب کے چھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اس کتابچہ میں اسلام میں اجتماعیت کی اساس اور اس کے عملی طریقہ کی وضاحت احادیث مبارکہ کی روشنی میں فرماتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ہجرت و جہاد کا وسیع مفہوم واضح کرنے کے بعد ہجرت و جہاد کی شرطِ لازم التزام جماعت کو قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ہجرت و جہاد ایک منظم جماعت کے بغیر ناممکن ہے اور اقامت دین کا فریضہ ایک منظم جماعت کے بغیر انفرادی طور پر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ نیز دین میں اجتماعیت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اسلامی اجتماعیت کی دو بنیادی اصطلاحات ''امیر'' اور ''سمع و طاعت'' کی وضاحت بھی فرماتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے قائم کرنے کی کوشش اسی صورت میں ممکن بتاتے ہیں کہ جب ایک مضبوط اور منظم جماعت صرف بیعت کے اصول کو اختیار کر کے وجود میں لائی جا سکے۔

آخر میں آپ بتاتے ہیں کہ تنظیم اسلامی کے لیے جماعت سازی کا جو طریقہ بیعت سمع و طاعت فی المعروف پر استوار کیا ہے وہ امت مسلمہ کی تیرہ سو سالہ تاریخ کی مثالوں سے اخذ شدہ ہے۔ الغرض کتاب کا انداز سادہ اور ترغیبانہ ہے۔

(۲۱) اسلام کا معاشی نظام

یہ کتابچہ ڈاکٹر صاحبؒ کی دو تقریروں پر مبنی ہے، ایک زرعی یونیورسٹی فیصل آباد اور دوسری

محکمہ محنت پنجاب کے زیرِ اہتمام مل مالکان اور مزدور لیڈروں کے ایک مشترک اجتماع میں کی گئی تھی۔ یہ تقریر کتنی مؤثر تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ زرعی یونیورسٹی میں ڈاکٹر غلام رسول جو خود معاشیات میں پی ایچ ڈی ہیں اور ان کے علاوہ نصف درجن پی ایچ ڈی تھے ان سب حضرات نے متفقہ طور پر کہا:

''آج پہلی بار اسلام کا معاشی نظام کچھ سمجھ میں آیا ہے۔''(۱۲)

ڈاکٹر غلام رسول نے خود ان تقریروں کو ٹیپ سے منتقل کر کے ایک کتابچہ کی صورت میں دس ہزار کی تعداد میں مفت تقسیم کرایا۔ (۱۳)

۹۷ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ نے معاشیات کے میدان میں اسلام کی اصل تعلیمات اور اسلام کے روحانی اور قانونی نظام کا فرق واضح کر کے اس موضوع پر جملہ پیچیدگیوں کو حل کر دیا ہے۔ اس کتابچہ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے افادہ عام کے لیے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۵ء تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اسلام کا معاشی نظام ایک نہیں دو ہیں ایک اسلام کا روحانی نظام اور دوسرے قانونی وفقہی نظام۔ روحانی نظام ایثار وقربانی' خیر خواہی' ہمدردی اور خدا ترسی کا تقاضا کرتا ہے جبکہ قانونی نظام فرائض واحکام کا پابند ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلام کے معاشی نظام کا دورِ حاضر کے نظاموں' سرمایہ داری اور اشتراکیت سے موازنہ کر کے ثابت کیا ہے کہ دینِ رحمت اور حق کا نظام اسلام ہی ہے۔ اس کتابچہ میں انہوں نے جاگیرداری نظام' سود اور اس کی مختلف شکلوں کی فتنہ سامانیوں کو بڑی خوبی سے اُجاگر کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک تحریر ''اسلام کے نظامِ محاصل'' کے عنوان سے اور پروفیسر رفیع اللہ شہاب صاحب کا ایک مختصر مراسلہ پاکستان کے نظامِ محاصل کے اس اہم ترین مسئلے پر کہ ''آیا یہاں کی زمین عشری ہے یا خراجی'' بھی اس کتاب کی زینت بنا ہوا ہے جن میں اسلام کے نظامِ محاصل پر نہایت اہم حوالے موجود ہیں۔

(۲۲) اسلام میں عورت کا مقام

۱۹۸۴ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے اسے شائع کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ایک انٹرویو جسے ارشاد احمد حقانی نے لیا تھا' جو ۱۲ تا ۱۸ مارچ ۱۹۸۲ء کو روزنامہ جنگ کے آل پاکستان جمعہ میگزین میں شائع ہوا۔ اس گفتگو کے دوران خواتین بالخصوص ملازمت پیشہ خواتین سے

متعلق ضمنی نوعیت کے سوالات کے جوابات میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا فکر ونظر مختصراً بیان کیا۔ (۱۴)

لیکن جنگ میگزین میں ان ضمنی سوالات کو جلی سرخیوں میں شائع کیا گیا۔ جس پر روشن خیال اور مغرب زدہ خواتین نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف مضامین' مراسلات' بیانات اور تقاریر کا ایک طوفان کھڑا کر دیا حتیٰ کہ آپ کا معروف پی ٹی وی پروگرام ''الہدیٰ'' کو بند کرنے کے مطالبہ کے لیے مظاہرے ہوئے۔

اس پس منظر میں ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۸۲ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر اور ۲۶ مارچ ۱۹۸۲ء کو مسجد دار السلام کے خطاب جمعہ میں ''اسلام میں عورت کا مقام'' کے موضوع پر تقریریں کیں' جسے بعد میں جناب شیخ جمیل الرحمٰن نے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ماہنامہ میثاق ۱۹۸۲ء میں اور بعد میں افادہ عام کے لیے اسے کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ اس کتاب کی مقبولیت کے پیش نظر اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

''اسلام میں عورت کا مقام'' ڈاکٹر صاحب کا فکر انگیز خطاب ہے جسے آپ نے قرآن و حدیث کے حوالے کے ساتھ سلیس و رواں انداز میں بیان کیا ہے۔ اس میں آپ ذیلی عنوانات کے تحت معاشرتی بے راہ روی کا تجزیہ اور تشخیص پیش کرتے ہوئے اسلام میں عورت کے حقیقی مقام کی نشان دہی کرتے ہیں بالخصوص عورت کی مرد کے ساتھ مساوات یا عدم مساوات کی ہمارے دین میں کیا کیفیات ہیں' صحیح صورت کیا ہے' وضاحت کرتے ہیں کہ دینی و اخلاقی معاملات میں اسلام مرد و زن کی مساوات کو تسلیم کرتا ہے جبکہ عورت کے قانونی تشخص (وراثت و شہادت) میں مساوات کو تسلیم نہیں کرتا۔

بعد ازاں عورت کی اہم حیثیتوں' مرد کی قوامیت کی اساس اور عورت کا اصل دائرہ کار کی توضیح مدلل طریقے سے کرتے ہوئے ستر وحجاب سے متعلق روشن خیال خواتین وحضرات کے نظریات وافکار کی تردید قرآن وسنت کی روشنی میں اس طرح کرتے ہیں کہ ستر وحجاب سے متعلق اسلامی اور قرآنی احکام کے ایک ایک پہلو کی وضاحت ہو جائے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''قرآن وسنت کے اپنے حقیر مطالعے کی بنیاد پر پورے وثوق' اعتماد اور دعوے سے عرض کروں گا کہ ستر وحجاب کے مکمل قوانین وضوابط قرآن وسنت نے مقرر کیے ہیں' اس مسئلے سے متعلق احکام بڑی تفصیل سے دیے ہیں۔ بہت واضح طور پر دیے ہیں' ان میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ پھر یہ کہ قرآن وحدیث نے عورت کا اصل مقام اس کا گھر قرار دیا ہے۔ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ جو شخص کسی درجے میں بھی کتاب وسنت سے

تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہو وہ میرے اس دعویٰ کو چیلنج نہیں کر سکتا۔''(۱۵)

مزید برآں کتاب کے آخر میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب میں جن نکات کا اجمالاً یا کنایتاً تذکرہ ہوا ہے اسے شیخ جمیل الرحمٰن نے اسلام اور عورت کے عنوان سے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک تحریر ''عورت: اقبال کے کلام میں'' اور ڈاکٹر صاحبؒ کے خواتین کے کردار کے حوالے سے دو انٹرویوز بھی شامل ہیں جس نے کتاب کی وقعت اور افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

بلاشبہ عورتوں کے اصل مقام، دائرہ کار اور ستر وحجاب کے حوالے سے معاشرے میں رائج غلط نظریات کی تردید کرنے اور اس ضمن میں صحیح اسلامی تعلیمات فراہم کرنے میں کتاب ایک بہترین رہبر کا کردار ادا کرتی ہے۔ اس کتاب کی افادیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ۲۰۰۹ء تک اس کے تیرہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۲۳) شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں اتباع نبویؐ پر مبنی ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح کا ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق

مارچ ۱۹۸۵ء میں ۵۰ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ کی طباعت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام ہوئی۔ بعدازاں اس کے آج تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک مختصر سا کتابچہ ہے لیکن اصلاحی تحریک کے حوالے سے گراں قیمت ہے اور اس کی افادیت مسلم ہے۔

زیر نظر کتابچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ان خطابات پر مشتمل ہے جو آپ نے خطبہ نکاح کے ساتھ تذکیر وتلقین کی غرض سے اردو میں دینے شروع کیے جن کے اہم نکات کی ترتیب وتسوید کر کے ۱۹۷۹ء میں شیخ جمیل الرحمٰن نے کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ بعد میں اس میں ڈاکٹر صاحبؒ کی ایک تحریر بعنوان ''شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک'' بھی شامل کر دی گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے اس میں شادی بیاہ کے موقع پر غیر ضروری رسومات ترک کرنے اور سنت کے مطابق عمل کے لیے تین حوالوں سے زور دیا ہے۔

(۱) بارات کا تصور ختم کرنا۔

(۲) نکاح کی تقریب کا مساجد میں انعقاد

(۳) نکاح کے موقع پر دعوت طعام سے احتراز

نیز خطبہ نکاح کے ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق کی وضاحت' خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن کی جن آیات کی قراءت کی جاتی ہے اس کی تشریح کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''مجلس نکاح میں ان آیات کی قراءت سے دراصل وہ تذکیر و نصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لیے نشان منزل اور موجب رہنمائی ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہے۔''(۱۶)

الغرض سماجی اصلاح کے حوالے سے ایک عمدہ کتابچہ ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے مدلل' جامع اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

(۲۴) مسلمان خواتین کے دینی فرائض

۳۵ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب پر مبنی ہے جو آپ نے ۱۹۹۱ء میں حلقہ خواتین تنظیم اسلامی کے اجتماع عام میں کیا' جسے مقبولیت اور افادہ عامہ کے پیش نظر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۸ء تک اس کتاب کے دس (۱۰) ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں ڈاکٹر اسرار احمد نے خواتین کو دینی ذمہ داریوں سے آگاہی فراہم کی ہے اور آج کے حالات و معاشرے میں ان کے لیے دائرہ کار اور طریقہ کار کا تعین قرآن و سنتؐ اور سیرت طیبہؐ کی روشنی میں کیا ہے اور اس کے لیے ڈاکٹر صاحب نے دلچسپ تمثیل اور صحابیات کی زندگیوں سے نبی ﷺ کی رہنمائی میں ملنے والے نمونے اور واقعات کو خوبصورت انداز سے پیش کیا ہے۔ جن باتوں کے لیے خواتین روزِ قیامت جوابدہ ہوں گی ان کا ذکر بھی موجود ہے اور جن کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ان کا ذکر بھی ڈاکٹر صاحبؒ نے کر دیا ہے تاکہ خواتین کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں آسانی رہے اور وہ کسی افراط و تفریط کا شکار نہ ہوں۔

(۲۵) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام

۱۹۹۶ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے پہلی بار اسے شائع کیا۔ ۲۰۰۵ء تک اس کتاب کے چار (۴) ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے قرآن و حدیث اور تاریخ کے حوالوں سے اسلام کے عالمی غلبے کی نوید سنائی ہے اور اسے بعثت نبوی ﷺ کی تکمیل کا مظہر بتایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب حالات اور واقعات کی کڑیاں جوڑتے یقین کے ساتھ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ

پاکستان عالمی غلبہ اسلام کا ایک اہم مرکز ہوگا۔اس میں وہ عہد حاضر میں نظام خلافت کا سیاسی ڈھانچہ اور معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ کے خدوخال نمایاں کرتے ہوئے اس طریقہ کار کی بھی وضاحت کرتے ہیں جسے وہ نبوی طریقؐ سے موسوم کرتے ہیں۔آپ کی خوبی یہ ہے کہ صرف ماضی کی خوبصورت تصویر اور حالات ہی پیش نہیں کرتے بلکہ حال اور مستقبل کا نقشہ کھینچنے میں بھی آپ مہارت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب انتخابی جدوجہد اور الیکشن کے ذریعے تبدیلی کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اس (الیکشن) کے ذریعے چہرے تبدیل کیے جاسکتے ہیں'نظام ہرگز بدلا نہیں جاسکتا۔(۱۷)

ڈاکٹر صاحبؒ نظام خلافت قائم کرنے کی جدوجہد کو فرض عین قرار دیتے ہیں۔اس کتاب میں آپ نے اس بات کی طرف بھی نشاندہی کی ہے کہ جماعت اسلامی سات آٹھ سال تو اصولی انقلابی طریقہ کار پر قائم رہی اور اب اس کا انقلابی کردار انتخابی سیاست کی دلدل میں پھنس کر ختم ہو چکا ہے اور ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ کہ مولانا مودودی نے جہاں کام چھوڑا تھا ''وہاں سے میں نے اس کا آغاز کیا ہے۔''(۱۸)

الغرض ڈاکٹر صاحبؒ اپنی تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کو واحد ایسی جماعت سمجھتے ہیں جو صحیح خطوط پر دعوت دین کا کام کر رہی ہے۔آخر میں آپ خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کے لیے تنظیم اسلامی میں شامل ہو کر قارئین کو اپنا اعوان وانصار بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ بہر حال عصر حاضر میں خلافت کے نظام کے بارے میں رہنمائی کے لیے ایک اچھی کاوش ہے۔

(۲۶) عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل

۹۶ صفحات پر مبنی زیر نظر کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔اس کتاب میں دور حاضر کے اہم ترین مسئلے معاش کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور کتاب کے آغاز میں جدید اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی' مسئلہ قومیت' اسلام کے عادلانہ نظام' ملکیت زمین' خلافت' ملوکیت اور جاگیرداری کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحبؒ اسلام کے عطا کردہ سیاسی نظام کے اصولوں کو ہر لحاظ سے بالاتر قرار دیتے ہیں نیز اس بات کی طرف بھی رہنمائی فرماتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے سیاسی ڈھانچے کی تشکیل میں ان اصولوں کے تابع رہتے ہوئے عصر حاضر کے مروجہ سیاسی نظام سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔مزید برآں اسلام کے معاشی نظام کو دو حصوں روحانی

معاشی نظام اور قانونی معاشی نظام میں تقسیم کرتے ہیں گویا قانونی معاشی نظام عدل پر مبنی ہے اور روحانی نظام کی اساس احسان پر ہے۔سود اور جوئے کی حرمت کو بھی ڈاکٹر صاحب نے بڑے واضح اور ناصحانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

اسلامی ریاست اور اسلامی معیشت کے لیے کوشاں رہنے والوں کے لیے اس میں غور وفکر اور عملی اقدام کا وافر ذخیرہ موجود ہے جسے ایک اچھی علمی کاوش قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۲۷) اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے خاتمے کی صورت

یہ کتابچہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ۲۰۰۱ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔اس کتاب میں ڈاکٹر صاحبؒ قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام میں سوشل جسٹس کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔وہ انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد اللہ کے دین یعنی اسلام کے عدل اجتماعی کے نظام کے قیام کو قرار دیتے ہیں۔اسلام جہاں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالنے کا علمبردار ہے وہیں ان کے درمیان عدل ومساوات کو بھی لازمی قرار دیتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ عالمی معیشت کے سودی نظام کے ذریعہ پنجہ یہود میں پھنس جانے اور سود کی حرمت کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا ہے۔اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں مفتوحہ اراضی کے حوالے سے ہونے والے اجماع کو بنیاد بنا کر پاکستان میں اسے لاگو کرنے کے خواہاں ہیں‘ لکھتے ہیں:

> ’’بہر حال‘ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے ظالمانہ اور استحصالی نظام سے نجات کی واحد شرعی راہ یہ ہے کہ شمشیر فاروقی کو بے نیام کیا جائے۔‘‘(۱۹)

ڈاکٹر صاحبؒ اسے زمین کے سود کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔مختصر لیکن مدلل و جامعیت سے بھرپور یہ کتابچہ اہل فکر ودانش کے لیے غور وفکر کا وسیع سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔

فصل چہارم :

احیائے اسلام اور اسلامی تحریکیں

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت جہد مسلسل اور عمل پیہم کی آئینہ دار ہے اور ان کی یہ جدوجہد اللہ کے کلمے کی سربلندی اور اس کے عالمگیر غلبے کے لیے ہے' اس لیے انہیں احیائے اسلام کے لیے جدوجہد کرنے والی شخصیات' ان کی تحریکات اور ان کے اثرات ونتائج سے خاص دلچسپی ہے۔ اس لیے وہ مجددین ملت کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ نوجوان نسل بالخصوص اور دیگر افراد بھی اس سے حرارت دینی پائیں۔ ان کے فکروعمل اور جذبے کے لیے ان کا کام مہمیز کا کام دے۔ ڈاکٹر صاحب اگرچہ خود مجدد ہونے کے دعویدار تو نہیں البتہ وہ تنظیم اسلامی کو ایک ایسی احیائی اور اسلامی تحریک خیال کرتے ہیں جو اس مقصد کے لیے مصروف عمل ہے۔

ذیل میں آپ کی ان تصانیف کا جائزہ لیا جا رہا ہے جو احیائے اسلام کے لیے کی گئی کاوشوں کی تاریخ اور کارہائے نمایاں کو بیان کرتی ہیں۔

(ا) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر

۲۷۰ صفحات پر مبنی اس کتاب کو مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔

زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے رجوع الی القرآن کی دعوت کا منظر و پس منظر پیش کیا ہے۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی اس حقیقت پسندانہ رائے —— ''پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا اور دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی''(۱) —— سے سو فیصد متفق نظر آتے ہیں۔ نیز اس تحریر میں بھی انہوں نے تحریک رجوع الی القرآن کے ماضی کی تاریخ کے چند گوشے نمایاں کیے اور علمی کاوشوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ قرآن سے اپنے تعلق اور علمی استفادوں کے ذکر کے ساتھ اس ضمن میں اپنی کی گئی کوششوں کی بھی ایک تاریخ بیان کردی ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر صاحب اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ کتاب انقلاب سے تعلق قائم کیے بغیر یہ امت کبھی کامیاب وکامران نہیں ہوسکتی اسی لیے انہوں نے اپنی زندگی کے شب وروز

قرآن کو پھیلانے اور اس کی دعوت کو عام کرنے میں لگا دیے اور رفقاء کار کو بھی اسے مشن اور مقصدِ حیات سمجھ کر اپنانے کی نصیحت کرتے رہے۔ کتاب کا مطالعہ قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنے کی تحریک پیدا کرتا ہے۔

(۲) حساب کم و بیش اور گزارش احوال واقعی

زیر نظر کتاب ۱۰۴ صفحات پر مبنی ہے جسے ۱۹۹۴ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے اور اپنے خاندان کے تحریکی پس منظر کے ساتھ اپنی معاشی جدوجہد اور مالی معاملات کی تفصیلات سے آگاہ کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے سادہ طرزِ زندگی اور اللہ پر توکل کے ساتھ تحریک کو مالی آلائشوں سے پاک رکھا اور اپنی تحریر کردہ کتابوں کی رائلٹی سے اپنے اور اپنے خاندان کو محروم کر کے تحریک کے لیے وقف کر دیا۔ حافظ عاکف سعید کی جانشینی کے معاملات کو بھی ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۳) اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام

۲۷ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ اپنی ضخامت کے لحاظ سے مختصر ہے، لیکن اپنے مواد اور اپنی جامعیت کے اعتبار سے قابل قدر ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے مغربی فکر و فلسفہ کے عالم اسلام پر اثرات، نتائج اور عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش سے نبرد آزما ہونے کے لیے امت مسلمہ کی کاوشوں کا جائزہ لیا ہے۔ نیز اس وقت مسلمان جس مقام پر ہیں اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور امت مسلمہ کی تعمیر نو کے لیے اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اور فی الوقت جو ہو رہا ہے، اس کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے آخر میں اصل کام کی طرف توجہ دلاتے ہیں:

> ''بنابریں وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ایک زبردست علمی تحریک ایسی اٹھے جو سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات اور معاشرے کے ذہین ترین عناصر کے فکر و نظر میں انقلاب برپا کر دے۔ اور انہیں مادیت والحاد کے اندھیروں سے نکال کر ایمان و یقین کی روشنی میں لے آئے اور خدا پرستی و خود شناسی کی دولت سے مالا مال کر دے۔ خالص علمی سطح پر اسلامی اعتقادات کے مدلل اثبات اور الحاد و مادہ پرستی کے پرزور ابطال کے بغیر اس مہم کا سر ہونا محال ہے۔''(۲)

مزید براں آپ اس علمی تحریک کے اجراء کے لیے اساسی لائحہ عمل کے طور پر دو عملی

اقدامات' ایک دعوت وتبلیغ کے ادارے اور دوسرے علوم قرآنی کی عمومی نشر واشاعت کے لیے قرآن اکیڈمی کے قیام کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ بعد میں آپ نے اس لائحہ عمل کو پیش کرنے کے چند سال بعد عملی جدوجہد کا آغاز بھی کر دیا۔ اسی لیے ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس تحریر کی حیثیت ایک تاریخی دستاویز کی ہے۔(۳) جو اولاً ماہنامہ میثاق لاہور' جون ۱۹۶۷ء کے ادارتی صفحات پر شائع ہوئی لیکن اپنی مقبولیت عامہ کی وجہ سے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کی طباعت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام جاری ہے۔

(۴) برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں

۱۰۴ صفحات پر مشتمل زیر نظر کتاب ڈاکٹر صاحب کے اگست ۱۹۹۲ء سے نومبر ۱۹۹۲ء کے دوران نوائے وقت میں شائع ہونے والے ہفتہ وار کالموں پر مبنی ہے جسے ۱۹۹۴ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے شائع کیا جس میں انہوں نے برصغیر میں اسلامی انقلابی فکر کی تجدید کا کام کرنے والوں کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں بیسویں صدی عیسوی کی جملہ مساعی کی بنیاد میں علامہ اقبال کی فکر کارفرما ہے۔(۴) نیز برصغیر کی پوری اسلامی تحریک کو فی الحقیقت اسی کی مرہون منت قرار دیتے ہیں۔(۵)

مزید برآں کتاب میں مولانا آزاد کی احیائی مساعی کا مختصراً اور مولانا مودودی کی مساعی کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔ اور جماعت اسلامی کا انحراف کی راہوں میں سیاسی جماعت بن جانا' روحانیت کی کمی' جاگیرداری کے معاملات کو نہ سمجھ پانا' بیعت سے گریز اور قومی سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر کے اصل مقصد سے دور ہوتے جانا اور داعیانہ کردار کے اوصاف حمیدہ سے محروم ہوتے چلے جانا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نبی مکرم ﷺ کے اس فرمان کہ ''اسلام پوری دنیا پر غالب ہو کر رہے گا''(۶) اہل حق کو اس کے لیے آمادہ وتیار کرتے نظر آتے ہیں اور اسے تکمیل رسالت اور ختم نبوت کا لازمی نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ بہر حال یہ ناقدانہ جائزہ دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کے لیے اپنے اندر غور وفکر کا ایک وسیع سامان رکھتا ہے۔

(۵) حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق

۲۳۶ صفحات پر مبنی یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے دروس پر مبنی ہے جنہیں حافظ خالد محمود خضر

نے مرتب کیا اور مکتبہ خدام القرآن نے اسے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ ۲۰۱۰ء تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کو قرآن وسنت کے حوالوں سے مزین کر کے فریضہ اقامت دین کی اہمیت' اقامت دین کا کام کرنے والوں کے اوصاف 'حزب اللہ کے قیام' اس کی تنظیمی ترکیب' بگاڑ کا شکار معاشرے میں نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے' اطاعت امیر' نجویٰ کی ہلاکت خیزیاں' پابندی نظم اور ذمہ داران کا رفقاء کار سے تعلق سیرت نبویؐ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے داعی اعظمؐ اور رسول برحقؐ کی حیات طیبہ سے روشنی کی وہ کرنیں آشکارا کی ہیں جو دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لیے آئینے کا کام کرتی ہیں۔ کیونکہ معیار حق کے اسوہ کامل کی روشنی میں آج بھی حزب اللہ کی قیادت اپنے اور اپنے رفقاء کار کے لیے عمل کی راہیں متعین کر سکتی ہے کیونکہ یہ سب کچھ روز روشن کی طرح آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ سرانجام دے کر اپنی آنے والی نسلوں کے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔

(٦) تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ

یہ ڈاکٹر اسرار احمد کی اپریل ۱۹۶۶ء کی تصنیف ہے جو ۲۳۰ صفحات پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی سے وابستہ رہے اور ۱۹۵۷ء میں جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے۔ یہ تحریر دراصل وہ بیان ہے جو ڈاکٹر صاحب نے بحیثیت رکن جماعت اسلامی اکتوبر ۱۹۵۶ء میں جائزہ کمیٹی کے سامنے پیش کیا تھا۔ جسے آپ کے ذاتی اشاعتی ادارے دارالاشاعت الاسلامیہ نے اپریل ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔ بعد میں اس کی اشاعت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت عمل میں آئی۔

زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کی تاریخ کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے پہلا دور اس کے قیام ۱۹۴۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ اور دوسرا دور تقسیم ہند سے شروع ہوتا ہے۔ اور بقول ڈاکٹر صاحب تا حال جاری ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب تک جاری رہے۔ [٧] جماعت اسلامی کے دور اوّل کی کارگردگی سے ڈاکٹر صاحب بہت متاثر نظر آتے ہیں اور اسے ایک اصولی اسلامی جماعت کا طرز عمل قرار دیتے ہیں۔ دور اوّل کی خصوصیات کا ذکر ایک انقلابی اسلامی تحریک کے طور پر کرتے ہیں۔ جو درست خطوط پر استوار اور کاربند تھی۔

دورِ ثانی میں ڈاکٹر صاحب کو جماعت اسلامی بتدریج اور مسلسل اپنے اصولی موقف سے ہٹتی اور انحراف کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اسی لیے بقول ڈاکٹر صاحب ''دینی'' سے زیادہ ''دنیوی'' بن کر رہ گئی ہے۔ (۸) وہ جماعت اسلامی کو ایک ایسی بے جان نعش قرار دیتے ہیں' جس کی روح پرواز کر چکی ہے۔ (۹) اور وہ اس دور کی خرابیاں' خامیاں' نقائص اور انحرافات کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات حیران کن ہے خود ڈاکٹر صاحب کی جمعیت اور جماعت اسلامی میں رکنیت اسی دورِ ثانی میں ہوئی جب ڈاکٹر صاحب کے بقول جماعتِ اسلامی اپنے مقصد اور منزل سے دور ہٹتی جا رہی تھی۔ ☆

بہر حال یہ کتاب جہاں جماعت اسلامی سے وابستہ اربابِ فکر و نظر کو غور و فکر کی راہیں سجھاتی ہے کہ وہ اس تحریر کی روشنی میں جائزہ لیں کہ آیا واقعی جماعت اسلامی جادہ حق سے ہٹ چکی ہے اور جن خرابیوں کا ذکر ڈاکٹر صاحب کرتے ہیں' اگر ان کی جماعت میں موجود ہیں تو ان

☆ (ادارے کی طرف سے جواب): جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جمعیت اور جماعت سے ڈاکٹر صاحب کا تعلق اسی ''دورِ ثانی'' میں ہوا ہے جب ڈاکٹر صاحب کے بقول جماعت اپنے اصولی موقف سے ہٹ چکی تھی تو یہاں کچھ باتوں کو مدنظر رکھنے سے یہ الجھن دور ہو سکتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ سونے والا یہ نہیں بتا سکتا کہ کس لمحے وہ زندگی کے ہنگامے سے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے زوال کی کوئی حتمی تاریخ بتانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جماعت نے جس دن انتخابی سیاست کا رخ کیا اسی دن وہ بھانپ گئے تھے کہ آج زوال شروع ہو گیا ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ زوال کی دلدل میں گھسنے کے بعد ہی اس حادثے کے اسباب پر گفتگو ہو سکتی ہے اور پھر ہی یہ سوچا جا سکتا ہے کہ یہاں سے نکلنے کی کیا تدبیر ہو۔ ہر گروہ کے اندر احتساب کا ایک فطری عمل چلتا رہتا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۷ء میں جب جماعت نے ''نیچے سے اوپر'' کے طریقے کو چھوڑ کر ''اوپر سے نیچے'' انقلاب لانے کا خواب دیکھا اور اس پر اپنی پالیسی مرتب کی تو جماعت اس غلط رخ پر بڑھنا شروع ہو گئی لیکن ابتدا میں اس غلطی کا کوئی واضح تصور ذہنوں میں نہیں تھا۔ ۱۹۵۵ء تک آتے آتے جماعت کے اندر جماعت کی پالیسی کے حوالے سے دو واضح طور پر متضاد موقف وجود میں آ چکے تھے' لہٰذا کراچی میں نومبر ۱۹۵۵ء کے جماعت اسلامی کے کل پاکستان اجتماع میں اس اختلاف پر غور کرنے کے لیے ایک جائزہ کمیٹی بنانے کا فیصلہ ہوا جس نے ایک سال کی مشقت کے بعد اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ رپورٹ نومبر ۱۹۵۶ء میں پیش کی گئی اور فروری ۱۹۵۷ء کے ماچھی گوٹھ کے اجتماع تک جماعت اسلامی اپنی تاریخ کے بدترین بحران کا شکار ہو چکی تھی۔ تمام جذباتی وابستگی کے باوجود جس طرح دیگر اراکین جماعت ۹'۸ سال کی مدت میں کسی واضح موقف تک پہنچے بعینہٖ یہی صورتِ حال ڈاکٹر صاحب کو بھی درپیش رہی۔

کے تدارک کی فکر کریں۔ وہیں اس کتاب میں خود تنظیم اسلامی اور دیگر دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لیے بھی غور وفکر کا بہت سامان ہے۔ خصوصاً تنظیم اسلامی کے لوگوں کو اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب نے جو خرابیاں اور خامیاں جماعت اسلامی میں بیان کی ہیں' وہ انحرافات اور نقائص خود تنظیم اسلامی میں نہ پیدا ہو جائیں۔

مختصراً یہ کتاب اسلامی نظام کے غلبے کے لیے کام کرنے والوں کے لیے احتساب اور غور وفکر کا وسیع ذخیرہ اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہے۔

(۷) تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب

اکتوبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب دراصل ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ کا دوسرا حصہ ہے۔[۱۰] جو جماعت اسلامی کے ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۸ء کے واقعات پر مشتمل ہے۔ جس میں جماعت اسلامی کے معاملات کے حوالے سے جائزہ کمیٹی کی رپورٹ' خود ڈاکٹر صاحب کا طویل بیان' اس پر شوریٰ کا تبصرہ' مولانا مودودی کا جائزہ کمیٹی کے کیے گئے کام پر عدم اعتماد' اجتماع ماچھی گوٹھ ۱۹۵۷ء اور اس کے بعد ہونے والے واقعات' مولانا اصلاحیؒ اور مولانا مودودیؒ کے اختلافات اور جماعت سے الگ ہونے والے لوگوں کے واقعات پر مبنی ہے۔

یہ تحریر دراصل مولانا مودودی اور ان کی سوچ سے مطابقت رکھنے والے رفقاء کے خلاف ایک چارج شیٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ چارج شیٹ اس وقت بے وقعت ہو جاتی ہے جب یہ حقائق سامنے آئے ہیں کہ جماعت کے حوالے سے جو قرارداد مولانا مودودی نے پیش کی' ۹۲۰ ارکان نے اس کے حق میں اور مخالفت میں ۱۵ ارکان نے ووٹ دیے[۱۱] اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے ذہن کے مطابق جس طریقہ کار کو درست سمجھ کر قرارداد پیش کی اور اس کے حق میں تین گھنٹے کی تقریر کی اس کے بعد ۴ ارکان کا ووٹ دینا۔[۱۲] اور ڈاکٹر صاحب کا زندگی بھر یہی اصرار کہ میرا موقف درست تھا۔ اسے ڈاکٹر صاحب کا اپنے آپ کو ہی درست سمجھنے کے علاوہ کسی چیز کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ چارج شیٹ اس وقت انتہائی اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے جب یہ حقائق سامنے آئیں کہ مولانا مودودی کی قرارداد کو چھ گھنٹے (تقریباً) کی تقریر کے بعد ۹۲۰ ووٹ حق میں ملے اور ۱۵ ووٹ مخالفت میں' جبکہ ڈاکٹر صاحب جو اس وقت شاید ابھی پورے ۲۵ سال کے بھی نہیں ہوئے تھے' انہیں اپنی متبادل قرارداد کے حق میں صرف ۴ ووٹ

ملے اور ڈاکٹر صاحب کو گفتگو کرنے کا جو وقت ملا وہ صرف آدھا گھنٹہ تھا جس میں بقول ڈاکٹر صاحب کے "ایک جانب مسلسل ہوٹنگ ہوتی رہی اور دل آزار اور اشتعال انگیز فقرے چست کیے جاتے رہے' دوسری جانب خالی الذہن پہلے ہی تھا' اب نصف گھنٹے کے شدید ہنگامے اور مسلسل ہوٹنگ سے میرے اعصاب بھی متاثر ہو چکے تھے—— اور تیسری جانب وقت کی پابندی کے باعث مجھے اپنے بیان کے بعض حصے چھوڑنے پڑ رہے تھے جس سے عبارت کا ربط اور تسلسل ٹوٹ رہا تھا اور مجھے بات ادھوری چھوڑ کر اسٹیج سے اتر آنا پڑا۔" (تاریخ جماعت اسلامی' ایک گمشدہ باب' ص ۱۳۶۔۱۳۷)

اس سب کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ جماعت چھوڑیں لیکن پھر لکھتے ہیں:

"ماچھی گوٹھ سے واپسی کے بعد کے دو ماہ راقم الحروف پر شدید ذہنی کشمکش اور روحانی کرب کے عالم میں گزرے۔" (تاریخ جماعت اسلامی کا گمشدہ باب' ص ۱۴۵)

"اب جماعت کی رکنیت سے میرے اندر نفاق کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے' ایک چیز کو غلط اور ناحق سمجھتے ہوئے بھی میں مجبور ہوں کہ پبلک میں جماعت کے رکن کی حیثیت سے اس کی حمایت کروں اور یہ چیز اب میرے لیے ناممکن بنتی چلی جا رہی ہے۔" (ص ۱۷۹)

اس کے علاوہ یہ بات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والوں میں کون لوگ شامل تھے۔ اسی کتاب کے دیباچے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا مودودی مرحوم نے اپنے بعض غلط اقدامات کی وجہ سے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ مولانا عبدالجبار غازی' مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا عبدالغفار حسن' مولانا عبدالرحیم اشرف' مولانا افتخار احمد بلخی' شیخ سلطان احمد' میاں فضل احمد' چودھری عبدالحمید اور جناب سعید ملک سمیت جماعت کی قیادت کی پوری صف دوم اور راقم الحروف ایسے بہت سے نوجوان کارکن جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔" (صفحہ ۷)

ڈاکٹر صاحب کا یہ اعلان کہ آپ پریشان نہ ہوں میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں گا۔ [۱۳] اور یہ اعلان سٹیج پر جا کر بھی کیا۔ [۱۴] کتاب کا انداز بیان خود ڈاکٹر صاحب کے بقول:

"لہجہ بالعموم تلخ اور درشت ہے۔" [۱۵]

اور مولانا مودودیؒ سے اختلاف کے بعد ان کے الفاظ میں:

"مولانا مودودی کے ساتھ طویل عرصے تک مایوسی ہی نہیں شدید بے زاری کی کیفیت

قلب وذہن پر طاری رہی۔''(۱۶)

الغرض اس کتاب کے حالات وواقعات اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب ڈاکٹر صاحب سید مودودیؒ سے بیزار نظر آتے ہیں۔

(۸) مولانا مودودی مرحوم اور میں

۶۴ صفحات پر مبنی یہ تحریر تین ابواب پر مشتمل ہے جسے مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ پہلا باب سید مودودیؒ کے امریکہ میں علاج کے دوران ڈاکٹر صاحب کی امریکہ آمد اور مولانا سے ملاقات کی خواہش اور کوششوں کے اظہار پر مبنی ہے جس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ البتہ مولانا کے آخری دیدار اور نماز جنازہ میں شرکت کو وہ اپنا اعزاز سمجھتے ہیں۔ دوسرا باب قیام پاکستان سے قبل مولانا کی تحریروں سے تعارف' جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستگی کے ادوار سے متعلق ہے جس میں وہ مولانا کی شخصیت سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جماعت سے علیحدگی کے دور میں مولانا کی شخصیت سے بیزاری اور تلخی کا عنصر ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں شامل ہوا جو کئی سالوں پر محیط رہا۔ بہر حال وقت کے مرہم نے اسے مندمل کیا اور رنجش کی جگہ عقیدت اور تلخی کی جگہ ممنونیت نے لے لی۔ کچھ تلخ باتوں کے باوجود بہر حال کتاب ایک اچھی کاوش ہے۔

(۹) جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار کی ۶۵۶ صفحات پر پھیلی یہ طویل تحریر ۱۹۸۷ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے شائع ہوئی جو آپ کی چند تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ ہے یہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۵ء کے دوران اکثر و بیشتر ماہنامہ ''میثاق'' اور بعض مجلّہ ''حکمت قرآن'' میں شائع ہوئیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب نپے تلے الفاظ میں بات نہ کہنے اور اپنے موضوع سے ہٹ کر ادھر ادھر کے واقعات کو بیان کرنے کی چغلی کھاتی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تحریر میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی شخصیت اور ان کے کام کو عامۃ الناس میں متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں چودہویں صدی ہجری کا مجدد اعظم قرار دیا ہے۔(۱۷) پھر اس ضمن میں ابوالکلام آزاد کو شیخ الہند کا خلیفہ قرار دیا۔(۱۸)

اور ان کی جماعت حزب اللہ اور اس کے بیس سال بعد جماعت اسلامی کا معرض وجود میں آنا' پھر ڈاکٹر صاحب کے بقول جماعت کا اصل کام اور پروگرام سے ہٹ جانا اور اس کتاب

کے دیگر موضوعات میں محاضرات قرآنی میں سعید اکبر آبادی اوران کی بعض آراء، قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات، جماعت شیخ الہند، مولانا آزاد اور ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اخلاق حسین قاسمی کے فرمودات، جماعت شیخ الہند سے ڈاکٹر صاحب کا تعلق، مولانا یوسف بنوریؒ سے روابط اور علماء کرام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا طرز عمل اہم موضوعات ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب تنظیم اسلامی کا تعلق جماعت شیخ الہند سے جوڑتے ہیں اور اپنی تنظیم کے طریقے کار اور پروگرام کو جماعت شیخ الہند کا طریقہ کار اور پروگرام بتاتے ہیں۔

الغرض کتاب معلومات کا ایک خزانہ ہے لیکن کتاب کی طوالت اور اس کے مضامین کا بے ربط ہونا قاری کی دلچسپی کتاب میں کم کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

(۱۰) مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی اور ان کے تاریخی اور نظریاتی پس منظر کے حوالے سے ایک عملی تجویز اور جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کے ساتھ وفاق کے قیام کی پیش کش

۵۶ صفحات پر مبنی اس کتابچہ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا اور ۲۰۰۷ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اتحاد امت کے داعی تھے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے پلیٹ فارم سے ہر مکتبہ فکر کے علماء کو خطاب کا موقع محاضرات قرآنی اور قرآن کانفرنس میں فراہم کیا۔ اپنے فرائض دینی میں کمی یا خامی کے لیے اہل سنت کے علماء کو تقریر و تحریر کے ذریعے راہنمائی کی دعوت دی۔ زیر نظر کتاب میں آپ نے ایک ہی مقصد کے لیے قائم مختلف جماعتوں کو اتحاد کی دعوت دی ہے۔ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، تبلیغی، دعوتی جماعتوں کی الگ الگ جماعتوں کو پہلے مرحلے میں اپنی گروہ بندی ختم کر کے اور پھر مختلف مسالک کو باہم متحد ہونے کی دعوت دی ہے۔ اس ضمن میں وہ جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کو تنظیم اسلامی کے ساتھ وفاق کے قیام کی تجویز اس بنیادی شرط کے ساتھ دیتے ہیں کہ کم از کم بیس پچیس سال تک یہ سیاست میں حصہ نہ لیں گے گویا مشروط اتحاد کی دعوت ہے۔ بلاشبہ انتشار و افتراق کے اس دور میں اتحاد کے قیام کے لیے ایک اچھی علمی کاوش ہے۔

(۱۱) تعارف تنظیم اسلامی، پس منظر اور اساسی نظریات

۸۷ صفحات پر مبنی یہ کتابچہ جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا اور ۲۰۰۹ء تک اس کے نو ایڈیشن کی طباعت ہو چکی ہے۔ زیر نظر کتاب میں تنظیم اسلامی کے قیام کے پس منظر، اس کے قیام کے اغراض و مقاصد، اس کی ہیئتِ تنظیمی اور قرارداد تاسیس کی توضیح کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کی دعوت یعنی فرائض دینی کے جامع تصور کو پیش کیا گیا ہے۔

(۱۲) عزم تنظیم

۷۲ صفحات پر مبنی کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔ یہ کتابچہ دراصل ڈاکٹر اسرار احمد کی اس تقریر پر مبنی ہے جس میں تنظیم اسلامی کے قیام کے فیصلے کا اعلان کیا گیا۔

زیر نظر کتابچہ میں ڈاکٹر صاحب اپنے حالاتِ زندگی اور اپنی دعوتی مساعی اور جدوجہد کا ذکر کرتے ہیں نیز اس کتاب میں اپنی جماعت اسلامی سے وابستگی اور پھر اس سے علیحدہ ہو کر ایک نئی جماعت کے قیام کے لیے کوششوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ ہر حال میں دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے اپنے بہتر اور بیشتر اوقات اور اپنی بہتر اور بیشتر قوتوں اور صلاحیتوں کو فریضہ شہادت حق کی ادائیگی اور اعلاء کلمۃ اللہ اور غلبہ دین حق کی سعی و جہد کے لیے وقف کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

فصل پنجم :

ملت وسیاست

اُمت مسلمہ اور اس کو درپیش مسائل ڈاکٹر اسرار احمد کا موضوع خاص رہے ہیں۔ ان کا دل اُمت مسلمہ کی زبوں حالی پر تڑپتا اور بے چین ہوتا ہے اور اس کی تعمیر وترقی اور عالمگیر غلبے کے تانے بانے بنتا نظر آتا ہے۔ وہ صرف مسائل اور ناکامی ونامرادی کا رونا ہی نہیں روتے بلکہ دردمند مسیحا کی طرح اس کا حل اور علاج بھی پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی عالمی حالات وسیاست پر گہری نظر ہے اور مطالعہ وسیع ہے اسی لیے وہ اپنی تحریروں میں غیروں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرتے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی ان تصانیف کا جائزہ لیا جارہا ہے جو آپ نے ملی وسیاسی موضوعات پر تحریر کیں۔

(۱) اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر

۹۷ صفحات پر مشتمل زیر نظر کتاب کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے پہلی بار ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔

پیش نظر کتاب ڈاکٹر صاحبؒ کی ان تحریروں پر مشتمل ہے جو ۱۹۶۷ء،۱۹۷۸ء میں ماہنامہ میثاق لاہور میں ''تذکرہ وتبصرہ'' کے عنوان سے شائع ہوئی تھیں اور جب ان تحریروں نے ایک جامع اور مربوط دستاویز کی صورت اختیار کرلی تو اسے کتابی صورت میں شائع کردیا گیا۔[1]

زیر نظر کتاب دوحصوں میں منقسم ہے، حصہ اوّل میں ڈاکٹر صاحبؒ نے ''تحریک پاکستان کا تاریخی پس منظر اور اس میں قومی ومذہبی عوامل کے تناسب'' پر اظہار خیال کیا ہے۔ تاریخی حقائق کے تناظر میں تحریک پاکستان کے اصل محرک کی نشاندہی کی ہے کہ وہ قومی جذبہ تھا جو ہندوؤں کے معاندانہ رویے کی وجہ سے مسلم قوم میں پیدا ہوا لیکن اس قومی جذبہ نے مسلم قوم کی اکثریت کو مذہبی طبقہ سے دور کردیا کیونکہ مذہبی طبقہ کی سوچ یہ تھی کہ مسلمانوں کی قیادت و رہنمائی ایسے گروہ کے ہاتھ میں چلی گئی ہے جو دین کے علم سے بے بہرہ ہے اور محض قوم پرستانہ جذبہ کے تحت اپنی قوم کے دنیوی مفاد کے لیے کام کررہا ہے۔ اسلامیانِ ہند کی سوا سو سالہ تاریخ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد مذہبی طبقات کا

طرزِ عمل ہونا کیا چاہیے تھا اور ہو کیا رہا ہے؟ آپ لکھتے ہیں:

''مذہبی اور نیم مذہبی طبقات کو...... لازم تھا کہ وہ قیامِ پاکستان کو قدرت کا اشارہ سمجھ کر آئندہ کے لیے اپنے نکتۂ نظر کو بالکل تبدیل کر لیتے اور اسے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا گہوارا بنانے کے لیے مثبت تعمیری جدوجہد میں بہ دل و جان مصروف ہو جاتے۔ اس کے لیے ایک طرف یہ ضروری تھا کہ ہر گروہ اپنے مزاج کی مناسبت اور اپنی اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کے تناسب سے اس عظیم جدوجہد کے کسی ایک شعبہ کو سنبھال لیں اور دوسری طرف یہ لازم تھا کہ انتشار و افتراق کے تمام رخنوں کو قطعی طور پر بند کر دیا جاتا اور قومی قیادت کے ساتھ حتی الامکان تعاون کی روش اختیار کی جاتی۔ وہ مذہبی حلقے جو جمعہ و جماعت اور درس و خطابت کے ذریعے عوام سے قریب ترین تعلق رکھتے تھے...... مذہبی اخلاقی اور روحانی اقدار کے احیاء کے لیے انتہائی موثر کام کر سکتے تھے اور جماعت اسلامی علمی و فکری سطح پر اسلامی انقلاب اور تہذیبی و ثقافتی میدان میں دینی اقدار کے احیاء کے لیے قیمتی خدمات سرانجام دے سکتی تھی...... لیکن افسوس ایسا نہ ہوا۔''(۲)

بلکہ سیاسی افراتفری سے ایوبی آمریت قائم ہونے اور علماء کے معاندانہ طرزِ عمل سے اس ملک میں اسلام کا مستقبل مخدوش ہوتا چلا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب ''کچھ سنگین حقائق اور ان سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا ذکر کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ واقعات کا صحیح اندازہ لگایا جائے کہ یہ ملک اسلام سے دور کیوں ہوتا چلا گیا تو یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان مسلمانوں کی قومی جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہوا جس کی اساس اسلام تھی لیکن اسلام سے اکثریت کا رشتہ صرف وراثت میں ملنے والے مذہب سے کچھ زیادہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ اسلام سے سطحی محبت کے علاوہ اس کے ساتھ نہ ذہنی مناسبت قائم ہوئی اور نہ عملی، جس کے نتیجے میں ذاتی و گروہی مفاد پرستی، مغرب کے مادہ پرستانہ الحادی نظریات و افکار پر ایمان اور ان کی ملحدانہ تہذیب پاکستان کی پوری ثقافت پر حاوی ہے۔ دوسری طرف مذہبی طاقتیں تا حال اس پر کسی قسم کا اثر ڈالنے میں ناکام رہی ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ مذہبی حلقے نری سیاسی نعرہ بازی اور محض منفی مدافعت و مخالفت کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ (۳)

یہ ہیں وہ عظیم غلطیاں، جن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''ان عظیم غلطیوں کے باعث ہم اس حد درجہ افسوس ناک صورتِ حال سے دوچار ہیں کہ جو ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس میں ثلث صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے

کے باوجود اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں تا حال کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔‘‘(۴)

کتاب کے دوسرے حصہ میں پاک و ہند کے مسلم معاشرے میں مذہبی فکر کے جو حلقے پائے جاتے ہیں ان کے پس منظر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کتاب میں حالات کا جائزہ ناقدانہ انداز میں لیا ہے اور اس ضمن میں بعض شخصیات اور جماعتوں کے کردار پر بھی تنقید کی ہے کیونکہ ان سے اقامت دین کے سلسلے میں بہت اُمیدیں تھیں لیکن ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس تنقید سے ان کی توہین و تنقیص نہ آج مطلوب ہے نہ اس وقت مقصود تھی۔

الغرض یہ کتاب پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہ ہونے کی وجوہات کے بیان میں ایک بہترین کتاب ہے۔

(۲) استحکام پاکستان

زیرِ نظر کتاب ۱۸۸ صفحات پر مبنی ہے جسے ۱۹۸۶ء میں مکتبہ خدام القرآن لاہور نے شائع کیا۔ ۲۰۰۶ء تک اس کتاب کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

یہ کتاب ڈاکٹر صاحبؒ کی تقاریر و خطابات پر مشتمل ہے‘ بعد میں آپ نے اسے مسلمانان پاکستان اور بالخصوص نوجوان نسل کے لیے تحریری صورت میں پیش کیا جو قیام پاکستان کے پس منظر اور قافلہ ملی کی اصل منزل مقصود کے بارے میں شدید ذہنی انتشار سے دوچار ہے۔ یہ کتاب دراصل ڈاکٹر صاحبؒ کی رجائیت پسندی کی مظہر ہے اور ان خاص ذہنی‘ قلبی اور جذباتی کیفیات کی ترجمان ہے جو ۱۹۸۵ء میں قمری تقویم کے حساب سے پاکستان کی عمر کے چالیس سال مکمل ہونے پر پیدا ہوئیں۔(۵)

آپ نے اس کتاب کا طویل مقدمہ ’’پاکستان کی عمر کا چالیسواں سال اور اس کی دینی و تاریخی اہمیت‘‘ کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ اس میں آپ نے قرآن و سنت سے اخذ شدہ معلومات کی بنا پر لکھا ہے کہ انسان کی ذہنی‘ نفسیاتی اور جذباتی بلوغ کی عمر چالیس سال ہے اور سابقہ امت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کی بھی‘ مصر میں غلامی سے نجات پانے کے بعد اور چالیس برس صحرائے تیہہ میں بھٹکنے کے بعد نشاۃ ثانیہ ہوئی تھی۔ آپ لکھتے ہیں:

> ’’لہٰذا کیا عجب کہ اب پاکستان بھی چالیس سال تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد اپنے اصل مقصد قیام کی طرف رجوع کرے۔‘‘(۶)

ڈاکٹر صاحب ؒ کتاب کے پہلے حصے میں ان سنگین حقائق کو بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے قوم میں استحکام پاکستان سے متعلق نا اُمیدی پھیل رہی ہے۔ چنانچہ آپ پاکستان کے عدم استحکام کے ظاہری عوامل سانحہ مشرقی پاکستان' بے آئین سرزمین' ملکی سیاسی رہنماؤں کا کنفیڈریشن کا مطالبہ اور بھارتی استحکام کو قرار دیتے ہوئے عدم استحکام کا اصل سبب بیان کرتے ہیں:

''پاکستان ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے عالم وجود میں آیا تھا لیکن افسوس ہے کہ اس میں بسنے والوں نے اس کے وجود میں آنے کے فوراً بعد ہی اس نظریے کو فراموش کر دیا۔''(۷)

اس کے بعد پاکستان کی اصل اساس بیان کرتے ہوئے ان عوامل کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی مملکت کے استحکام کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''پاکستان پوری دنیا کا وہ واحد ملک ہے جس کی ولدیت صرف اور صرف اسلام ہے۔ چنانچہ یہ قائم بھی دین و مذہب کے نام پر ہوا اور اس کے بقاو دوام اور ترقی و استحکام کے لیے بھی نہ تاریخی تقدس کا عامل موجود ہے نہ فطری جغرافیائی حدود کا حفاظتی ذریعہ اور نہ ہی دنیا کے معروف اور مروجہ معیارات کے مطابق کوئی قوم پرستانہ جذبہ بلکہ اسے مضبوط اور مستحکم اور نا قابل تسخیر بنا سکتا ہے تو صرف اور صرف مذہبی جذبہ۔''(۸)

چنانچہ ڈاکٹر صاحب ؒ ایک تجزیہ نگار کے طور پر اس جذبہ کی نوعیت' جو پاکستان کی ترقی و استحکام کا ذریعہ بن سکتا ہے' ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اس کا دوام و استحکام صرف ایک ایسے جاندار مذہبی جذبے کے ذریعہ ممکن ہے جو عوامی سطح پر اسلام کے ساتھ حقیقی و عملی تعلق کی بنیاد پر ابھرے اور ایک انقلابی تحریک کی صورت اختیار کر لے۔''(۹)

لیکن دوسری طرف جو چیز مایوسی اور بد دلی پیدا کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی پاکستان کے موجودہ مسلم معاشرے کا دین و مذہب کے ساتھ حقیقی تعلق نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ لادینی طرزِ فکر اور مادہ پرستانہ اقدار کا تناسب بہت بڑھ گیا ہے۔ متذکرہ بالا تاریک رُخ کے منفی نتائج اپنی منطقی انتہا کو پہنچ چکے ہیں' تاہم ڈاکٹر صاحب ؒ کتاب کے اگلے حصے میں رجائیت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کے استحکام سے متعلق تصویر کا روشن رُخ بیان کرتے ہیں:

''برعظیم پاک و ہند کی گزشتہ چار سو سالہ تاریخ کے اشاروں اور مستقبل سے متعلق

نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اسے خارج از بحث نہیں سمجھتا کہ اللہ کی مشیت خصوصی اور اختیار مطلق سے پاکستان کے قیام کی طرح اور اس کے اب تک قائم رہنے کی خاص معجزانہ صورت دوبارہ وجود میں آجائے اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور دین حق کے موجودہ عالمی غلبہ کے عمل کا آغاز اسی سرزمین سے ہو۔''(۱۰)

لہٰذا ڈاکٹر صاحبؒ نے کتاب کے اختتام پر ایک ایسی انقلابی قیادت کی ضرورت پر زور دیا ہے جو مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء اور تعلیم یافتہ لوگوں کو مطمئن اور عوام میں مقبولیت حاصل کر سکے۔ ایسی قیادت کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے بھروسا پر اسلامی انقلابی جدوجہد کا آغاز کر دیا جائے کیونکہ یہ وہ واحد صورت ہے جس میں شریک افراد کے لیے ناکامی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

الغرض نظریۂ پاکستان اور استحکام پاکستان کے حوالے سے ایک بہترین اور گراں قدر کتاب ہے جس کا مطالعہ نوجوان نسل اور ملک و ملت کا درد رکھنے والوں کے لیے انتہائی مفید ہے۔

(۳) پاکستان میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟

۹۴ صفحات پر مبنی زیر نظر کتاب کو مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۹ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۹۱ء میں تحریک خلافت پاکستان کا آغاز کیا جس کا مقصد پاکستان میں ''نظام خلافت علی منہاج النبوۃ'' کا قیام تھا۔ اس ضمن میں آپ نے ایک پریس کانفرنس میں ایک تحریری بیان پیش کیا جسے تحریک خلافت پاکستان کا نقطۂ آغاز کی حیثیت حاصل ہے۔ بعد ازاں اس تحریری بیان کو لاکھوں کی تعداد میں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ اخبارات کے کالموں میں بھی نظام خلافت سے متعلق نکات کی وضاحت کی۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحبؒ نے مختلف شہروں میں خطباتِ خلافت بھی ارشاد فرمائے۔ ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر صاحبؒ کی اس موضوع پر چار اہم تحریروں اور ایک مفصل تقریر کو بعنوان ''پاکستان میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟'' ایک کتابی صورت میں شائع کر دیا جسے اب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔(۱۱)

زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے عمیق مطالعہ کی روشنی میں پاکستان میں نظامِ خلافت' اس کے امکانات' خدوخال اور موجودہ دور میں خلافت کے قیام کے طریقہ کار کی وضاحت کی ہے۔ ان مباحث کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحبؒ نے سب سے پہلے تو ہماری کوتاہی کی نشاندہی

کی ہے کہ پاکستان کی اصل اساس اسلام ہے لیکن ہم نے آج تک پاکستان میں انگریز کا دیا ہوا سیاسی، معاشی اور سماجی نظام رائج کیا ہوا ہے جو ظلم واستبداد کی اصل بنیاد ہے۔ (۱۲)

آپ پاکستان کے استحکام کے لیے سامانِ حرب کے ساتھ جس چیز کو ضروری قرار دیتے ہیں وہ نظامِ خلافت کا اہتمام ہے۔ قرآن (۱۳) وحدیثِ رسول اللہ ﷺ (۱۴) کی رو سے آپ کو یقین کامل ہے کہ ''نظامِ خلافت پوری دنیا میں قائم ہوکر رہے گا''۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت کس خطۂ ارضی کے حصہ میں آئے گی۔ اگرچہ چار سو سال کی تاریخ کے حوالے سے امید واثق ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز سلطنت خداداد پاکستان ہی بنے گی۔ بہرحال ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کے لیے تن من دھن کے ساتھ سعی کریں۔'' (۱۵)

جہاں ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کتاب میں خلافت راشدہ کے اوصاف و کمالات کو بیان کیا ہے وہیں اس بابرکت نظام کے لیے اہل پاکستان کو خلافت کا نظام برپا کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ وہ نظامِ خلافت کا دستوری خاکہ بھی پیش کرتے ہیں اور ان اقدامات کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جو نظامِ خلافت برپا ہونے کے بعد اٹھائے جائیں گے۔ وہ صدارتی نظام کو خلافت کے نظام سے قریب قرار دیتے ہیں۔ نیز اس بات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں کہ خلافت کا نظام ایک عوامی تحریک اور مکمل انقلابی جدوجہد کے ذریعے ہی قائم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سیاسی اور انتخابی عمل کے ذریعے کسی قائم شدہ نظام کو بہتر طور پر چلایا جا سکتا ہے، تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

الغرض کتاب خلافت اور اسلامی نظام کے غلبے کے لیے کوشاں اور مصروفِ عمل رہنے والوں اور اس میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اچھی کاوش ہے۔

(۴) علامہ اقبال اور ہم

پیش نظر کتاب جسے ۱۹۷۷ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شائع کیا ہے، ۱۲۸ صفحات پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات ہیں جو انہوں نے مئی ۱۹۷۴ء میں ایچی سن کالج میں اور ۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء کو الحمراء ہال میں علامہ اقبال کی یاد میں منعقدہ تقریب میں پیش کیے۔

پہلی تقریر میں علامہ اقبال کے ملت اسلامیہ اور بالخصوص اہل پاکستان پر احسانات اور ان کی ملی اور فکری کاوشوں کا تذکرہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب علامہ اقبال کو رومی ثانی کے نام سے یاد

کرتے ہیں اور ان کی خدماتِ قرآنی کو آشکارا کرتے نظر آتے ہیں۔ دوسری تحریر میں ڈاکٹر صاحب نے فکر اقبال کی روشنی میں حالات حاضرہ اور ہماری قومی ذمہ داریوں کو اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔

مزید برآں اس کتاب میں شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی علامہ اقبال کی زندگی یعنی ۱۹۳۳ء میں ''حیات وسیرت اقبال' فلسفہ اقبال اور ملت اسلامیہ کے نام اقبال کا پیغام'' کے موضوع پر تحریر نے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس کتاب میں ایک اور تحریر سید نذیر نیازی کی ''اقبال اور قرآن'' کے موضوع پر ہے۔ الغرض یہ کتاب اہل علم کی خوبصورت تحریروں کا مرقع بن گئی ہے۔

(۵) سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داریاں

یہ کتاب ڈاکٹر اسرار احمد کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو اپریل ۱۹۹۳ء سے جولائی ۱۹۹۳ء کے دوران تفکر وتدبر کے زیرِ عنوان روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوئے جسے کتابی صورت میں مکتبہ خدام القرآن لاہور نے اکتوبر ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔

۱۸۰ صفحات پر مبنی اس کتاب کے پندرہ ابواب میں ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کی پستی و ذلت کا سبب' اللہ کا قانونِ عذاب' بنی اسرائیل اور امت مسلمہ کے عروج وزوال کے ادوار' بیسویں صدی میں مسلمان اور دیگر امتوں کا احوال پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب آنے والے دور کی جھلک بھی پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اُمت مسلمہ کے عالمی غلبہ کی پیشین گوئی' قرآن وحدیث اور آثار وقرائن سے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ گمان ہے کہ اس مرتبہ عالمی اسلامی غلبے کے لیے انصار کا کردار پاکستان وافغانستان کے لوگ کریں گے۔ علاوہ ازیں امام مہدیؒ کی خلافت' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور فتنہ دجال کے واقعات کو ڈاکٹر صاحب کمال خوبصورتی اور واقعاتی تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اہل پاکستان کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہیں اور اجتماعی توبہ کی طرف مائل کرتے ہیں بصورت دیگر عذاب الٰہی کا کوڑا برسنے کی وعید سے خبردار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس کتاب میں قرآن وحدیث کے حوالے ہیروں کی طرح جڑے نظر آتے ہیں جبکہ اشعار اقبال کا موقع کی مناسبت کے ساتھ استعمال یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے چمکتے

دمکتے موتی جڑ دیے ہوں اور آخر میں احادیث کی تخریج سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہے۔ اہل ہنود و یہود اور نصاریٰ کی سازشوں' چالوں اور مکروفریب کا پردہ بھی ڈاکٹر صاحب کا قلم آشکارا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ الغرض ماضی' حال اور مستقبل کا ڈاکٹر صاحبؒ نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔

(۶) موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل

یہ کتابچہ ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے جسے مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔ ۲۰۰۶ء تک اس کتابچہ کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ دراصل ڈاکٹر صاحبؒ کے ایک خطاب پر مبنی ہے جس میں انہوں نے جہانگیریت اور موجودہ عالمی حالات کا انتہائی اختصار اور باریک بینی سے تجزیہ کیا ہے اور ایک ماہر امراض کی طرح عالمی بیماری جہانگیریت کی تمام علامات کی نشاندہی کرتے ہوئے عالمی حالات کی درج ذیل تین سطحیں بیان کی ہیں۔

(۱) امریکہ سول سپریم پاور آف ارتھ ہے اور اسے عدل وانصاف کے مسلمہ اصولوں کی نہ کوئی فکر ہے نہ لحاظ اور اپنی حربی قوت کے لحاظ سے اسے دوسری عالمی قوتوں پر برتری حاصل ہے اس لیے وہ کسی بھی ملک کو کوئی وقعت نہیں دیتا تو عالم اسلام کا تو ذکر ہی کیا۔

(۲) پوری دنیا میں اللہ کی بغاوت پر مبنی عالمی نظام قائم ہے۔ ایک ایسا اجتماعی نظام (سیاسی' معاشی و معاشرتی نظام) قائم ہو گیا ہے جس کی لپیٹ میں پوری دنیا آ گئی ہے۔ سیاسی نظام سیکولرازم پر مبنی ہے کہ اس نے اجتماعی نظام سے اللہ کی حاکیت کو بے دخل کر دیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے طفیل پوری معیشت سود و جوئے کے تانے بانے پر مبنی ہے۔ شرم وحیا اور عفت وعصمت کے تصورات سے مبرا مخلوط معاشرت' خاندانی نظام کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔

(۳) عیسائیوں اور یہودیوں کا مشترکہ پروگرام کہ گریٹر اسرائیل کا قیام عمل میں آ جائے اور مسلمانوں کو اپنے پاس ایک نظام ہونے کا دعویٰ ہے۔ ان دشمنانِ اسلام کی خواہش ہے اسے ختم کر دینا۔ ان کی اب مسلمانوں سے جنگ ''اسلام بطور مذہب ہے'' سے نہیں ہے بلکہ انہیں ''اسلام بطورِ دین'' برداشت نہیں۔ (۱۶)

بین الاقوامی بیماری تشخیص کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ مسلمانوں کو اس کا واحد اور سادہ علاج قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قائم ہونے میں تجویز فرماتے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ مسلمانوں کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

۱۶۶ صفحات پر مبنی اس کتاب میں جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء کے دور کا سیاسی تجزیہ پیش کیا ہے۔ تاریخ و سیاست سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس میں دلچسپی کا وافر سامان موجود ہے کیونکہ اس کتاب کا تعلق اس دور سے ہے جس میں سانحہ مشرقی پاکستان ہوا۔اس حوالے سے یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ڈاکٹر صاحبؒ نے بے لاگ تجزیوں کے ذریعے ہمیں ان عوامل و محرکات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی جو پاکستان کے ٹوٹنے کا باعث ہیں تاکہ ہم ان سے نصیحت و عبرت پکڑ کر آئندہ اس روش کو نہ اپنائیں۔

(۱۲) پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر

۷۴ صفحات پر مشتمل زیر نظر کتابچہ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کتابچہ میں ایک اہم موضوع پاک و ہند کے عوام کی نئی جنگوں اور آج کل کشیدگی اور تنازع کا باعث جو باتیں بن رہی ہیں، انہیں موضوع بحث بنا کر مسئلہ کشمیر کا حل پیش کیا ہے۔

اس کتاب کا آغاز تقسیم ہند کے موضوع سے ہوتا ہے جس میں تقسیم ہند کے تناظر میں اس سوال سے بحث کی گئی ہے کہ آیا یہ برطانوی منصوبہ یا سازش تھا یا اللہ کی تدبیر تھی۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ پاک بھارت کشیدگی میں برطانوی ہاتھ رہا۔ مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ڈاکٹر صاحبؒ اسے اقوام متحدہ کے بجائے پاک بھارت قیادت کے درمیان شملہ معاہدے کے ذریعے حل کرنے کے خواہاں ہیں۔ آپ کی رائے میں آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو پاکستان میں ضم کر لیا جائے اور صوبوں کی حیثیت دے دی جائے۔ جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت اپنی ریاست بنا لے اور وادی کی حد تک بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ آزادی کا تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے۔

بہر حال ڈاکٹر صاحب جہاں ایک طرف اسے جنگ سے حل کرنے کے خلاف ہیں وہیں وہ اسے تقسیم ہند کے ادھورے ایجنڈے کے تحت حل کرنے کی بجائے اقوام متحدہ سے ہٹ کر باہمی طور پر حل کرنے اور وادی کشمیر کے عوام کو تھرڈ آپشن بھی دینے کو تیار نظر آتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل سرسری طور پر اگرچہ وحدتِ پاکستان کے لیے خطرناک نظر آتا ہے لیکن بنظر غائر دیکھیں تو ڈاکٹر صاحب کا وادیٔ کشمیر کے عوام کو تھرڈ آپشن کا جواز دینا ان کے اس مدلل خدشے

سے پیدا ہوا کہ (ڈاکٹر صاحب نے کتابچے کے کافی صفحات اس خدشے کے دلائل میں صرف کیے ہیں) ''اگر ایسا نہ کیا گیا تو بھارت اور پاکستان دونوں روایتی بلیوں کی طرح دیکھتے رہ جائیں گے......اور عظیم تر کشمیر کی پوری روٹی کو عالمی یہودی استعمار کا بندر ہڑپ کر جائے گا۔ اعاذ نا اللہ من ذلک!'' (پاکستان بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل، ص ۴۴)

(۱۳) علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریۂ پاکستان

ڈاکٹر صاحب نے یہ خطاب ۱۸ فروری ۲۰۰۷ء کو کنونشن سینٹر اسلام آباد میں کیا۔ بعدازاں مکتبہ خدام القرآن لاہور نے ۲۰۰۷ء میں اسے کتابی صورت میں شائع کیا جو ۶۲ صفحات پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں نظریۂ پاکستان کے تاریخی پس منظر کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اسے علامہ اقبال اور قائداعظم کے فرامین کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ نیز قائداعظم کے خلاف اس پروپیگنڈے کی تردید کرتے ہیں کہ آپ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔[۱۷] بلکہ اس بات کی طرف بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ قائداعظم کے ۱۱۵۰ ایسے بیانات ہیں جس میں انہوں نے پاکستان کے اسلامی ریاست ہونے کا ذکر کیا ہے۔[۱۸]

ڈاکٹر صاحب نے اس نظریے سے انحراف کی صورت میں ملنے والی سزا سانحہ مشرقی پاکستان کا بھی ذکر کیا ہے اور آج کے حالات میں ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا ہے کہ پاکستان اپنا جواز کھو رہا ہے۔[۱۹]

ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر صاحب اس خطے کے حوالے سے یہ گمان رکھتے ہیں کہ پاکستان سے نظام خلافت کا آغاز ہوگا۔ یہ کتاب نظریۂ پاکستان کے حوالے سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی ایک زبردست کاوش ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے علامہ اقبال کے اشعار اور قائداعظم کے فرامین کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ دونوں کا مطمح نظر پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانا تھا۔

حواشی، فصل اوّل

(۱) ڈاکٹر اسرار احمد، مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع سی ونہم ۲۰۱۰ء، ۷

(۲) عظمت قرآن بزبان قرآن وصاحب قرآن، ۱۰

(۳) دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآنِ حکیم' ۲۴
(۴) ایضاً' ۲۵
(۵) ڈاکٹر اسرار احمد' راہِ نجات : سورۃ والعصر کی روشنی میں' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع شش دہم' ۲۰۱۰ء' ۴
(۶) ایضاً' ص ۷
(۷) ایضاً ۵۹
(۸) ایضاً' ۲' ۴' ۷' ۸
(۹) ڈاکٹر اسرار احمد' قرآن اور امن عالم' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع نہم' ۲۰۰۴ء' ۱۶
(۱۰) ایضاً' ۱۲
(۱۱) ڈاکٹر اسرار احمد' انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لیے قرآن کا لائحہ عمل' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۷ء' ۵
(۱۲) جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ' ۴۳

فصل دوم' سنت وسیرت

(۱) ڈاکٹر اسرار احمد' اسوۂ رسول ﷺ' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ششم' ۱۹۹۶ء' ۹۵
(۲) التوبة ۹:۳۳' الفتح ۴۸: ۲۸؛ الصف ۶۱:۹
(۳) رسولِ انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب' ۴
(۴) ایضاً' ۵۵-۶۰
(۵) المسند لإمام احمد' رقم الحدیث ۱۳۸۰' ۲۵۸/۱
(۶) ڈاکٹر اسرار احمد' مثیل عیسیٰؑ : علی مرتضیٰؓ ' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' ۱۹۹۵ء' ۱۲

فصل سوم' حقیقت دین اور مطالباتِ دین

(۱) ڈاکٹر اسرار احمد' حقیقت واقسام شرک' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع پنجم' ۲۰۰۸ء' ۵
(۲) ڈاکٹر اسرار احمد' توحید عملی سورۂ زمر تا سورۂ شوریٰ کی روشنی میں' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع چہارم' ۲۰۰۸ء' ۸۰
(۳) ڈاکٹر اسرار احمد' عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہفتم' ۲۰۰۷ء' ۴۴' ۴۵
(۴) ایضاً' ۶
(۵) ڈاکٹر اسرار احمد' مروجہ تصوف یا سلوک محمدیؐ؟ یعنی احسان اسلام' مکتبہ مرکزی انجمن خدام

القرآن' طبع سوم' ۲۰۰۶ء' ۱۸
(٦) الصحيح لمسلم' كتاب الصيام' باب فضل الصيام' رقم الحديث ٢٧٠٤' ٤٦٩
(۷) ڈاکٹر اسرار احمد' عظمت صوم حدیث قدسی فانه لی وانا اجزی به کی روشنی میں' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع دوازدھم' ۲۰۰۴ء' ۵
(۸) ایضاً' ۱۷
(۹) ڈاکٹر اسرار احمد' عظمت صیام و قیام رمضان مبارک' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہشتم' ۲۰۰۴ء' ۸
(۱۰) ڈاکٹر اسرار احمد' مطالبات دین' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہفتم' ۲۰۰۰ء' ۴۳
(۱۱) ڈاکٹر اسرار احمد' ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع اول' ۲۰۰۲ء' ۱۵
(۱۲) ڈاکٹر اسرار احمد' اسلام کا معاشی نظام' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہفتم' ۲۰۰۵ء' ۲
(۱۳) ایضاً' ۲
(۱۴) اسلام میں عورت کا مقام' ۴
(۱۵) اسلام میں عورت کا مقام' ۵۷' ۵۸
(۱۶) شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک مع خطبۂ نکاح' ۲۱
(۱۷) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۹۶
(۱۸) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۲۰۲
(۱۹) اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت' ۴۶

فصل چہارم' احیائے اسلام اور اسلامی تحریکیں

(۱) دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر' ۳
(۲) اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام' ۲۰' ۲۱
(۳) ایضاً' ۴
(۴) ڈاکٹر اسرار احمد' برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع پنجم' ۲۰۰۶ء' ۵
(۵) ایضاً' ۴۰
(۶) ڈاکٹر اسرار احمد' برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں' ۱۷

(۷) تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ' ۱۰۹
(۸) ایضاً' ۱۰
(۹) ایضاً' ۱۹۹
(۱۰) تاریخ جماعت اسلامی ایک گمشدہ باب' ۱۱
(۱۱) تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب' ۱۲۶-۱۲۸
(۱۲) ایضاً' ۱۳۷
(۱۳) ایضاً' ۱۴۳
(۱۴) ایضاً' ۱۴۴
(۱۵) ایضاً' ۱۷
(۱۶) ایضاً' ۱۵
(۱۷) جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی' ۱۳
(۱۸) ایضاً' ۱۳

فصل پنجم' ملت و سیاست

(۱) اسلام اور پاکستان تاریخی' سیاسی' علمی اور ثقافتی پس منظر' ۳' ۶
(۲) اسلام اور پاکستان تاریخی' سیاسی' علمی اور ثقافتی پس منظر' ۲۴' ۲۵
(۳) ایضاً' ۴۰-۴۴
(۴) ایضاً' ۳
(۵) استحکام پاکستان' ۶
(۶) ایضاً' ۶
(۷) ایضاً' ۵۷
(۸) ایضاً' ۹۳
(۹) استحکام پاکستان' ۱۰۷
(۱۰) ایضاً' ۱۱۹'۸-۱۸۳
(۱۱) ڈاکٹر اسرار احمد' پاکستان میں نظامِ خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟ مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع چہارم' ۵' ۷
(۱۲) ایضاً' ۸
(۱۳) النور ۲۴:۵۵
(۱۴) ((ان اللّٰہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا))(الصحیح لمسلم' کتاب الفتن و اشراط الساعۃ' باب ھلاک ھذہ الأمۃ ببعض' رقم الحدیث ۷۲۵۸' ۱۲۵۰) ''اللہ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا' پس میں نے زمین کے سارے مشرق بھی دیکھ لیے اور سارے مغرب بھی' میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر دکھائے گئے۔''
(۱۵) پاکستان میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟ ۱۴
(۱۶) تفصیل کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر اسرار احمد' موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۶ء' ۷-۲۹

باب پنجم

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے
افکار اور عصر حاضر

فصل اوّل :

منہج انقلابِ نبوی ﷺ اور عصر حاضر

انقلاب' قلب سے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے:

قلب الشيء جعل اعلاهٔ اسفله او یمینه شماله او باطنه ظاهره۔(۱)

یعنی قلب الشئ سے مراد ہے کسی چیز کے اوپر والے حصے کو نیچے کردینا یا اسے دائیں سے بائیں کردینا یا اس کے باطن کو ظاہر کردینا۔

قلب سے لفظ انقلاب ہے یعنی باب انفعال سے انقلب' ینقلب' انقلاب

صاحب لسان العرب کے نزدیک انقلاب سے مراد ہے:

"الرجوع مطلقا۔"(۲)

مکمل طور پر پلٹ جانا۔

قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر انقلاب کا لفظ پلٹنے' پھرنے اور بدلنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ ......﴾ (۳)

''تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا......''

فیروز اللغات میں انقلاب کا مفہوم اس طرح بیان ہوا ہے:

''انقلاب تغیر وتبدل' گردش دور' زمانہ کا چکر کھانا' نیرنگ زمانہ' بنیادی تبدیلی' پرانے سیاسی یا معاشی نظام کی جگہ نئے نظام کا نفاذ۔''(۴)

فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا کے مطابق انقلاب کا اصطلاحی مفہوم ہے:

حکومت کی فوری تبدیلی جو طاقت کے زور سے عمل میں لائی گئی ہو۔ انقلاب کو انگریزی میں ریوولیوشن (Revolution) کہتے ہیں۔ کودتا (Coup Etat) اور ریوولیوشن میں یہ فرق ہے کہ ریوولیوشن عام لوگ برپا کرتے ہیں اور کودتا حکومت کے ارکان یا فوج کی طرف سے ہوتا ہے۔(۵)

Webster's Dictionary میں انقلاب کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"The over throw and replacement of a government or political system by those governed-An extensive or

drastic change in a condition, method, Idea etc." (۶)

یعنی کسی حکومت یا سیاسی نظام کا عوام کی طرف سے ہٹایا یا بدلا جانا۔ کسی حالت طریق یا تصور وغیرہ میں کوئی بڑی اور جامع تبدیلی۔

اردو لغت مقتدرہ قومی زبان کی بیان کردہ تعریف کے مطابق انقلاب کا اصطلاحی مفہوم ہے:

''کسی ملک کی حکومت یا اس کی سیاسی تنظیم میں اچانک اور پر تشدد تبدیلی' عموماً اندرونی تحریک سے؛ کسی بھی سائنسی' علمی' سماجی' معاشرتی یا صنعتی نظام سے انقلابی تبدیلی۔'' (۷)

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انقلاب کے معنی تبدیلی کے ہیں اور اصطلاح میں کسی بھی معاشرے کے سیاسی' معاشی یا سماجی نظام میں سے کسی ایک میں بنیادی تبدیلی کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ یعنی آج کی اصطلاح میں انقلاب اسی اجتماعی نظام میں کسی تبدیلی کو کہتے ہیں جبکہ مذہبی میدان ☆ میں کسی بڑی سے بڑی تبدیلی کو بھی انقلاب نہیں کہا جاتا کیونکہ اس مذہبی تبدیلی سے سیاسی' معاشی یا سماجی نظام میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اسی لیے انقلاب وہ تبدیلی کہلائے گی جو کسی ملک کے سیاسی نظام' معاشی نظام یا سماجی نظام سے متعلق ہو۔ (۸)

اگر دیکھا جائے تو دنیا کے دو بڑے مشہور انقلابات بھی اجتماعی نظام میں سے کسی ایک نظام میں تبدیلی کا باعث بنے۔ ان میں ایک انقلاب فرانس ہے جو ۱۷۸۹ء میں آیا۔ عام طور پر یہ خیال تھا کہ سیاسی اصلاح احوال سے سب کچھ درست ہو جائے گا۔ لہٰذا جب انقلاب آیا تو اس کے سماجی' اخلاقی' اور انسانی پہلو تو نظر سے اوجھل ہو گئے اور صرف سیاسی نظام میں تبدیلی واقع ہوئی۔ (۹)

دوسرا بڑا انقلاب جو معاشی نظام میں تبدیلی کا باعث بنا۔ روس کا بالشویک انقلاب ہے جو ۱۹۱۷ء میں آیا۔ اس معاشی نظام کے ذریعے نجی ملکیت کا خاتمہ ہو گیا۔ تمام پیداوار اور معاشی وسائل' ذاتی املاک اور خارجی تجارت اور کاروباری اداروں پر حکومت نے قبضہ کر لیا لیکن اس سے تہذیب و فکر اور عقائد و اخلاق میں کوئی انقلاب برپا نہیں ہوا۔ (۱۰)

ان دونوں انقلابات کے برعکس ایک انقلاب جس نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو یکسر بدل ڈالا جس سے نہ صرف لوگوں کے عقائد' نظریات اور اقدار میں تبدیلی آئی بلکہ سیاسی' معاشی اور سماجی نظام بھی تبدیل ہو گیا' یہ تھا نبی اکرم ﷺ کا برپا کردہ انقلاب جس کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ یہ آپ ؐ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں مکمل ہوا جبکہ دنیا کے دوسرے بڑے

☆ مذہبی میدان سے عرفِ عام میں مراد ہے' اعتقادات' بعض رسوم اور مراسم عبودیت کا مجموعہ۔

انقلاب کافی مدت میں جا کر پورے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد جب نظام کو بدلنے یعنی انقلاب کا نام لیتے ہیں تو اس انقلابی عمل کا واحد ذریعہ منہج انقلاب نبوی کو قرار دیتے ہیں۔ اور آپ سیرۃ النبیؐ سے اخذ کردہ مراحل انقلاب نہ صرف بیان کرتے ہیں بلکہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ عصر حاضر میں منہج انقلاب نبویؐ کی روشنی میں انقلاب کس طرح آ سکتا ہے۔ ذیل میں ہم ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار کی روشنی میں بیان کردہ منہج انقلاب نبویؐ اور عصر حاضر میں انقلاب کی صورت حال کی وضاحت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد سیرت النبیؐ سے اخذ کردہ مراحل انقلاب کو چھ مراحل میں تقسیم کرتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) دعوت یا انقلابی نظریہ

انقلابی عمل کا پہلا مرحلہ ایسا انقلابی نظریہ ہے جس کی دعوت دی جائے جب تک یہ فلسفہ یا نظریہ ذہن میں بیٹھ نہ جائے انقلاب کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک انقلاب محمدیؐ اور دوسرے انقلابات کے مابین اس اعتبار سے یہ فرق ہے کہ دنیا کے دونوں معروف انقلابات [۱۱] کے لیے نظریہ، فکر اور فلسفہ انسانی ذہنوں کی پیداوار تھا۔ جبکہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو وہ نظریہ، فکر اور فلسفہ وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے جو دعوت لے کر تشریف لائے وہ درحقیقت توحید ہے جس کی بنیاد قرآنِ مجید ہے اور یہی نظریہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا مرکز و محور تھا۔ یوں انقلابِ محمدی کا انقلابی نظریہ توحید ہے جو انسان کی سیرت و کردار کی تربیت اور صحیح تعمیر کی بنیاد بنتا ہے جس کا صحیح ادراک اور شعور ہی انسان کی اجتماعی زندگی میں انقلابی تبدیلی کا علمبردار ہے۔ یعنی انسانی حاکمیت کی بجائے اللہ کی حاکمیت مطلقہ کا اقرار، ملکیت کی بجائے امانت کا تصور اور کامل معاشرتی مساوات کا تصور، یہ اس نظریہ توحید کے انقلابی نتائج و مضمرات ہیں۔ [۱۲]

ڈاکٹر اسرار احمد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''انقلابی نظریہ توحید کی یہ تین Corollaries یعنی لوازم و نتائج ہیں۔ پس اسلامی انقلاب کے لیے اصل میں ان چیزوں کو Emphasize کرنا ہوگا۔ ان کی اہمیت کو واضح، نمایاں اور اجاگر کرنا ہوگا۔ اگر ان کو نظر انداز کر کے زور ہو جائے محض نماز اور روزے وغیرہ پر تو درحقیقت انقلابی عمل کا آغاز نہیں ہوگا۔ کچھ مذہبی اور اخلاقی اصلاح

کا کام ہو جائے گا' کچھ لوگ اچھے مسلمان بن جائیں گے اور ایسے دوسرے کچھ اچھے کام ہو جائیں گے...... لیکن انقلابی عمل کا آغاز نہیں ہو سکے گا۔"(۱۳)

(۲) تنظیم

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک انقلابی عمل کے مراحل میں سے دوسرا مرحلہ انقلابی جماعت کی تنظیم کا ہے۔ یعنی جو لوگ انقلابی دعوت کے اساسی نظریہ کو ذہناً تسلیم کر لیں اور اس دعوتِ ایمان کے نتیجے میں تزکیۂ نفوس کے مراحل سے گزر کر اپنی ذات پر اللہ کا دین قائم کر چکے ہیں' انہیں ایک جماعت کی صورت میں منظم کرنا ہے۔ اور یہ جماعتی تنظیم فوجی انداز کی ہو کہ افسر جو حکم دے اسے سنو اور مانو کیونکہ انہیں جب تک کسی مضبوط تنظیم کے اندر جوڑا نہیں جائے گا یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔ ڈاکٹر صاحب عرض کرتے ہیں:

"قرآنِ حکیم میں آپ کو سمع وطاعت کی اصطلاح بار بار ملے گی۔ یہ دونوں اصطلاحات گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ساتھ ساتھ آتی ہیں کیونکہ کسی انقلابی جماعت کا ان کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"(۱۴)

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اس نظم کو بیعت کی بنیاد پر استوار کیا جائے گا کیونکہ جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے آپؐ نے انہیں منظم کیا' ان کی تربیت کی اور منظم جماعت کو بیعت کی بنیاد پر استوار کیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب ایک حدیث مبارکہ کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں بیعت کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔

عَنْ عبادَة بْن الوَلِيد بْن عبادَة عَنْ اَبِيْهِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ واليُسْرِ' وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ' وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا' وَعَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ' وَعَلٰى اَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا' لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ(۱۵)

"عبادہ بن الولید بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے تنگی اور آسانی' خوشی اور ناخوشی' ہر حالت میں' حتیٰ کہ اپنے اوپر کسی کو ترجیح دینے کے باوجود سمع وطاعت کی بیعت کی اور اس بات پر بیعت کی کہ اہل حکم (اولوالامر) سے اختیارات کے معاملے میں نزاع نہ کریں گے' اور حق بات کہیں گے جہاں بھی ہوں' اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا

نہیں کریں گے۔''

ڈاکٹر صاحب نظم جماعت کے حوالے سے درج بالا حدیث کی روشنی میں لکھتے ہیں:

''اگر آپ واقعتاً انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کسی حکم کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ اس کی تعمیل مشکل ہے یا میرے حالات تعمیل حکم کی اجازت نہیں دیتے یا یہ کہ میرا ''موڈ آف'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے **بیعت فی العسر والیسر** اور **فی المنشط و المکرہ** کے الفاظ شامل کیے کہ آسانی ہو یا دشواری، تنگی ہو یا سہولت، طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو، حکم بہر صورت بجالانا پڑے گا۔''(۱۶)

اس کے ساتھ ہی آپ نے اطاعت امیر کے حوالے سے اس بات کی طرف بھی رہنمائی کی ہے کہ اب حضور ﷺ کے بعد جس کی بھی بیعت ہوگی اس کی اطاعت مطلق نہیں ہوگی، بلکہ اب جس کی بھی بیعت ہوگی اطاعت فی المعروف کی قید کے ساتھ ہوگی۔ (۱۷)

چنانچہ ڈاکٹر صاحب تنظیم جماعت کی نوعیت وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ نظم جماعت کی اہمیت بھی واضح کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

''جب مقابلہ پیش آئے گا اور آپ موجودہ نظام کو ختم کرنے کے لیے میدان میں آئیں گے تو مراعات یافتہ طبقات جن کے اس نظام سے مفادات وابستہ ہیں۔ اس نظام کی پاسبانی کی خاطر آپ کو کچلنے اٹھ کھڑے ہوں گے...... تب آپ کو ان کے مقابل فوجی ڈسپلن کی ضرورت ہوگی۔ محض Mob مقابلہ نہیں کر سکے گا بلکہ یہاں "Listen & obey" کے اصول کے تحت منظم ہونے والی مضبوط جماعت درکار ہوگی۔''(۱۸)

(۳) تربیت

ڈاکٹر صاحب انقلابی جماعت کی تنظیم کے بعد اگلا مرحلہ افراد کی تربیت کا بیان کرتے ہیں اور آپ کے نزدیک یہ تربیت میدان میں اتارنے کے لیے ہو محض گوشے میں بٹھانے کی تربیت نہ ہو کہ ایک شخص گوشے میں بیٹھا درود و وظائف کی تسبیحات پڑھ رہا ہے۔ اس کا فائدہ تو ضرور ہوگا کہ ایک اچھا مسلمان وجود میں آئے گا لیکن یہ خانقاہی تربیت ہوگی، انقلابی تربیت نہیں ہوگی جو تربیت محمدی ﷺ کا ہدف تھا۔ کیونکہ خانقاہی تربیت سے وہ مرد میدان کبھی نہیں بنے گا، وہ باطل سے پنجہ آزمائی نہیں کرے گا۔ جبکہ انقلابی تربیت میں جو لوگ درکار ہیں وہ ایسے ہوں جو باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے چیلنج کر سکیں، گھر اور ماحول کی کشمکش کو برداشت کر سکیں۔ (۱۹)

اسی لیے ڈاکٹر صاحبؒ انقلابی تربیت کے حوالے سے درج ذیل چار ہدف مقرر کرتے ہیں:

(۱) انقلابی فکر مستحضر رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے انقلابی فکر کا منبع وسرچشمہ قرآن تھا اور اس نہج پر اب جو بھی دعوت اٹھے گی اس کا منبع وسرچشمہ بھی یہی قرآن ہوگا۔ اسے پڑھتے رہو تاکہ تمہارا فکر تازہ رہے کیونکہ اگر انقلابی فکر ونظریہ جس پر انقلابی جدوجہد کا انحصار ہے کمزور پڑ گیا تو جذبہ عمل بھی ختم ہو جائے گا۔

(۲) سمع وطاعت یعنی ڈسپلن کا عادی بنایا جائے کہ سنیں اور مانیں جس میں انا آڑے آئے' قوت برداشت جواب دے جائے لیکن امیر کا حکم ماننا ہے۔

(۳) تحریک کے کارکنوں میں اپنا تن من دھن سب قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

(۴) کارکنوں کی روحانی تربیت کی جائے چونکہ یہ محض ایک انقلاب نہیں بلکہ اسلامی انقلاب کی تیاری ہے اس لیے ایسے کارکنوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت ضروری ہے تاکہ ان میں وہ اقدار آجائیں جو اس نظام کے لازمی اجزا میں سے ہیں جو قائم کرنا مطلوب ہے۔[۲۰]

لہٰذا ان انقلابی کارکنوں میں جو اوصاف نظر آنے چاہئیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾[۲۱]

(۲) ذوق عبادت اور شوق رکوع وسجود

(۳) جوش جہاد اور شوقِ شہادت

(۴) ہر قسم کی ملامت سے بے پروائی۔[۲۲]

الغرض ڈاکٹر صاحب نے منہجِ انقلابِ نبویؐ کے جو ابتدائی تین مراحل (دعوت' تنظیم اور تربیت) بیان کیے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تربیت یافتہ کارکنوں پر مشتمل ایک انقلابی جماعت وجود میں آجائے جو ایک قوت اور طاقت بن جائے تاکہ انقلابی عمل کے اگلے مراحل آسانی سے طے ہوسکیں۔ جنہیں (ان مراحل کو) آپ ایک جامع عنوان دیتے ہیں یعنی ''تصادم'' اور اس تصادم کا آغاز ایک انقلابی جماعت درج ذیل مدارج میں کرتی ہے تاکہ ظالمانہ' استبدادی اور استحصالی نظام کا خاتمہ ہو سکے۔

(۴) صبر محض

انقلابی عمل کا چوتھا مرحلہ اور تصادم کے عمل کا پہلا درجہ صبر محض ہے۔ یہ مرحلہ اس وقت پیش آتا ہے جب انقلابی جماعت رائج الوقت باطل نظام کے خلاف آواز اٹھاتی ہے تو اس

انقلابی فکر و نظریہ کے مخالفین اس انقلابی جماعت کا مذاق اڑانے کے ساتھ ساتھ ان پر تشدد بھی کرتے ہیں۔ ان حالات میں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک انقلابی جماعت کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ ماریں کھاؤ لیکن اپنے مؤقف سے نہ ہٹو۔ ابھی انقلابی جماعت کو اپنی دعوت کی توسیع کے لیے وقت درکار ہے اس لیے اس مرحلہ پر صبر محض کا رویہ درکار ہے اور صبر محض کا یہ رویہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں مسلسل بارہ برس تک جاری رہا۔ (۲۳)

ڈاکٹر صاحب صبر محض کی یہ حکمت بیان کرتے ہیں:

> ''اس صبر محض کے مرحلہ کی حکمت یہ ہے کہ ابتدا میں چند باہمت اور سلیم الفطرت لوگ اس انقلابی نظریہ کے قائل اور حامی ہوتے ہیں۔ اگر وہ لوگ Violent ہو جائیں، یعنی تشدد کا جواب تشدد سے دینے لگیں تو اس غلط نظام کے علمبرداروں کو پورا اخلاقی جواز مل جائے گا کہ انقلاب کے حامیوں کو کچل کر رکھ دیں۔ جب تک انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا تو ان مخالفین کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ اس حال میں اگر وہ تشدد کر رہے ہیں تو بلا جواز کر رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رفتہ رفتہ عامۃ الناس کی ہمدردیاں اس انقلابی جماعت کے ساتھ ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔'' (۲۴)

چنانچہ صبر محض کا رویہ اختیار کرنے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں جو انقلابی عمل میں مزید پیش رفت کا باعث بنتی ہیں:

(۱) انقلابی گروہ کو اپنی دعوت کی توسیع اور اپنے آپ کو منظم کرنے کے لیے مہلت مل جاتی ہے۔
(۲) خاموش اکثریت کی ہمدردیاں انقلابی گروہ کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔

(۵) راست اقدام (Active Resistance)

صبر محض کا رویہ اختیار کرتے ہوئے جب انقلابی جماعت کی طاقت اتنی ہو جائے کہ وہ محسوس کرے کہ اب کھلم کھلا اس باطل نظام کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ تو اس مرحلہ پر اگلا مرحلہ یعنی راست اقدام شروع ہو جاتا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک حکمت عملی یہ اختیار کی جائے گی کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو اور ان کے تشدد کا جواب بھرپور طریقے پر دو یا اس نظام کی کسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑ دو۔ (۲۵)

ڈاکٹر صاحب اس مرحلہ پر اس بات کی طرف بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ اقدام کے لیے مناسب وقت کا تعین بھی بہت ضروری ہے۔ اگر تیاری کے بغیر اقدام کر دیا یا تیاری ہونے کے باوجود اقدام میں تاخیر کر دی یا قبل از وقت اقدام کر دیا تو آپ نے موقع کھو دیا تب آپ ناکام

قرار پائیں گے۔ لہٰذا آپ کے نزدیک اقدام اس وقت کیا جائے جب یہ محسوس ہو کہ انقلابی جماعت کی تعداد(٢٦) کافی ہے ان کے اندر ڈسپلن کی پوری پابندی ہو رہی ہے اور یہ کہ انقلابی کارکن اپنے جان مال سمیت ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔(٢٧)

(٦) مسلح تصادم (Armed Confilict)

انقلابی عمل کا آخری مرحلہ مسلح تصادم کا ہے۔ یعنی جب راست اقدام (Active Resistance) شروع ہو جائے تو گویا پورے سسٹم کو چیلنج کر دیا گیا ہے چنانچہ اب موجودہ استحصالی نظام انقلابی تحریک کے کارکنوں کو مکمل طور پر کچلنے کے لیے اقدام کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''جب تک وہ انقلابی جماعت اقدام نہیں کر رہی تھی یعنی ماریں کھا رہی تھی اور ہاتھ نہیں اٹھا رہی تھی تب تک تو اور بات تھی۔ اب اگر اس جماعت نے بھی ہاتھ اٹھا لیا تو وہ نظام اس پر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہو گا اور یہ ہے آخری مرحلہ جس کے اندر جسمانی ٹکراؤ ہو کر رہتا ہے...... اگر پہلے پانچ مراحل صحیح طور پر طے ہوئے ہیں...... تو انقلابی جماعت کامیاب ہو جائے گی۔ انقلاب وقوع پذیر ہو جائے گا اور اس انقلابی نظریہ کے مطابق نظام یکسر تبدیل ہو جائے گا...... ورنہ اسے کچل کر رکھ دیا جائے گا۔''(٢٨)

الغرض ڈاکٹر اسرار احمد نے ظالمانہ واستحصالی نظام کو تبدیل کرنے اور اس کی جگہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے سیرت النبی ﷺ سے اخذ کردہ انقلابی عمل کے درج بالا چھ مراحل بیان کیے ہیں جن کے بارے میں آپ کا کہنا یہ ہے:

> ''انقلاب کے یہ مراحل میں نے سیرتِ محمدیؐ سے اخذ کیے ہیں اس کے سوا میرے نزدیک ان کا کوئی ماخذ نہیں ہے' کیونکہ کامل اور ہمہ گیر انقلاب کا منہاج اور نقشہ صرف سیرت محمدیؐ سے ہی مل سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں کامل انقلاب صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ نے برپا کیا ہے۔''(٢٩)

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ مراحل انقلابِ نبویؐ کا جائزہ لینے کے بعد اب اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ ڈاکٹر صاحب منہجِ انقلابِ نبوی کے مراحل کا عصر حاضر میں کس طرح انطباق کرتے ہیں۔

منہج انقلاب نبوی اور عصر حاضر

نبی اکرم ﷺ کے وقت اور آج کے حالات میں بہت فرق واقع ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ ڈاکٹر صاحب جہاں منہجِ انقلاب نبویؐ کے مراحل بیان کرتے ہیں وہاں اس بات کی طرف بھی رہنمائی فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے کن کن مراحل اور امور کو جوں کا توں لینا ہوگا اور وہ کون سے مراحل ہیں جن کے بارے میں سیرت النبیؐ کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات کے پیشِ نظر استنباط کرنا ہوگا۔ کیونکہ آپ کے نقطۂ نظر سے دورِ نبویؐ اور آج کے حالات میں دو اعتبارات سے فرق واقع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں پہلا واضح ترین اور نمایاں ترین فرق تو یہ ہوا ہے کہ نبی اکرمؐ کی بعثت مبارکہ ایک خالص کافرانہ ومشرکانہ معاشرے میں ہوئی تھی جبکہ ہمارا تعلق ایک مسلمان معاشرے سے ہے۔''(۳۰)

دوسرے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نوعِ انسانی کا جو تمدنی ارتقاء ہوا ہے اس کے اعتبار سے اب کسی بھی ملک میں جو حکومت ہوتی ہے اس کے پاس تمام وسائل اور پوری قوت موجود ہوتی ہے جبکہ عوام اب بالکل نہتے ہوگئے ہیں۔ چنانچہ حکومت اور عوام کے مابین فرق وتفاوت اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ وہ جو مسلح تصادم والا مرحلہ ہے، یعنی پہلے سے قائم شدہ باطل نظام سے مسلح تصادم کا معاملہ وہ نظری اور عملی دونوں اعتبارات سے قریباً ناممکن ہو چکا ہے۔''(۳۱)

لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے نزدیک دونوں تبدیلیاں ایسی بنیادی ہیں کہ انہیں سامنے رکھتے ہوئے یہ غور کرنا ہوگا کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے بعینہٖ وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سیرت النبیؐ میں ملتا ہے یا ان اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہر مرحلہ پر ہمارا لائحہ عمل مختلف ہوگا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اس دور میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی یہی صورت ہے کہ اس مسئلہ کو تمدنی ارتقاء کی روشنی میں حل کیا جائے۔ تمدنی اور فکری ارتقاء نے اختلاف کے اظہار اور ان کو حل کرنے کے جو طریقے اور راستے کھول دیے ہیں انہی کو سامنے رکھ کر اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے لیے راہ معین کی جائے کیونکہ تمدنی ارتقاء نے اس بات کو بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک حق قرار دیا ہے کہ ایک شخص اپنی جماعت بنائے اور لوگوں کو اپنی بات کا قائل کرے۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائے اور وہ یہ کام کھلم کھلا اور برملا کرے۔ یہ اس کا آئینی حق ہے۔ اسے زیرِ زمین جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پرامن طریقے سے ہر پارٹی کو برسرِ اقتدار پارٹی کے خلاف مہم اور تحریک چلانے کا حق پوری دنیا میں

تسلیم کیا جاتا ہے۔ (۳۲)

لہٰذا موجودہ دور میں باطل نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ صحیح و کامل اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے منہج انقلابِ نبویؐ کے جن چھ مراحل کا تذکرہ ہو چکا ہے ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اگر ان کے بارے میں فرض کر لیا جائے کہ کس معاشرے میں انقلابِ محمدیؐ کے لیے مرحلہ وار کام ہو رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ، تنظیم اور تربیت کے مراحل طے ہو رہے ہیں۔ تکالیف و مصائب کو بھی جھیلا جا رہا ہے اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے ایک مضبوط اور مؤثر جماعت بھی بن گئی ہے تو اب اقدام اور تصادم کی کیا نوعیت ہوگی؟ آپ اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''اب اسلامی انقلاب کے اقدام کا واحد راستہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسی تنظیم وجود میں آ جائے جو پہلے چار مراحل یعنی دعوت، تنظیم، تربیت اور صبر محض سے گزر چکی ہو تو وہ رائج الوقت نظام اور اس کو چلانے والے انتظامی ادارے کے مقابلے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے کمر کس لے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کھڑی ہو جائے۔ علی الاعلان یہ کہے اب فلاں فلاں منکرات ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کام اب ہماری لاشوں پر ہوگا پھر اس پر ڈٹ جائے اور ہر نوع کی جانی و مالی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرے۔'' (۳۳)

الغرض ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک موجودہ دور میں اسلامی انقلابی جماعت منکرات یعنی خلافِ شریعت کاموں کے خلاف مظاہروں کے ذریعے اقدام کا آغاز کرے گی۔ تمدنی ارتقاء نے ان مظاہروں کی بہت سی صورتوں سے دنیا کو روشناس کرا دیا ہے جن میں پکٹنگ یعنی دھرنا مار کر بیٹھنا، احتجاجی طور پر ہر حکومت کو یا عوام کو کسی کام سے روکنے کے لیے گھیراؤ وغیرہ کرنا بھی شامل ہے۔ (۳۴) لہٰذا جب ایسے اقدام شروع کر دیے جائیں تو ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''کوئی بھی انقلابی تحریک جب اس مرحلے میں داخل ہو جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ باطل نظام اس کے راستے میں مزاحم ہوگا۔ اب اس جماعت کے کارکنوں پر گولیاں بھی برسائی جائیں گی' ان کو جیلوں میں بھی ٹھونسا جائے گا' لیکن یہ سارا تشدد یک طرفہ ہوگا دو طرفہ نہیں...... اسلامی انقلابی تحریک کے کارکن کسی کو قتل نہیں کریں گے بلکہ خود قتل ہونے کے لیے تیار ہوں گے۔'' (۳۵)

''اس تنظیم کے وابستگان ساری تکلیفیں اپنے اوپر جھیلنے کے لیے تیار ہوں گے۔ ساری مصیبتیں خود برداشت کریں گے...... اگر یہ معاملہ ہو جائے اور یہ مرحلہ آ جائے تو یہ

بات جان لیجیے کہ آخر کب تک اس ملک کی مسلمان پولیس ان پر لاٹھیاں برسائے گی...... یہ بات بھی جان لیجیے کہ کوئی جابر سے جابر حکمران بھی ایک حد سے آگے نہیں جاسکتا...... جب ایک منظم انقلابی جماعت راہ حق میں جان دینے کے لیے آمادہ ہو جائے تو اسے ملک کے عوام کی اتنی اخلاقی اور عملی حمایت حاصل ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کچلنا اور ختم کر دینا آسان نہیں رہتا......اور کوئی طاقت ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کا راستہ نہیں روک سکتی۔''(۳۶)

ڈاکٹر صاحب موجودہ دور میں انقلاب کے طریق کار کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ انقلابی طریق کار کو اپنانے سے درج ذیل تین ممکنہ نتائج نکل سکتے ہیں:

(۱) حکومت اگر ان مظاہروں کے نتیجے میں پسپائی اختیار کرے اور منکرات کو ختم کرنا شروع کر دے تو ایک منکر کے بعد دوسرے منکر کے خلاف مظاہرے جاری رہیں گے۔ آخر منکرات ختم کراتے کراتے اسلامی انقلاب آ جائے گا' تبدیلی واقع ہو جائے گی لیکن جب تک نظام مکمل اسلامی نہیں آئے گا یہ جدو جہد جاری رہے گی۔

(۲) حکومت طاقت سے اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے گی۔ اگر تحریک کے کارکنوں نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا تو پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے پولیس اور فوج بھی جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی ہم مذہب و ہم وطن ہیں چنانچہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا۔

(۳) تیسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے تو اس صورت میں لوگوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی بلکہ اللہ کے یہاں اجر عظیم اور فوز کبیر سے نوازے جائیں گے اور دنیا میں انہی جانثاروں کے خون سے کوئی نئی انقلابی اسلامی تحریک ابھرے گی جو اس باطل نظام کو للکارے گی۔ اس طرح وہ وقت آئے گا جب پورے کرہ ارض پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ (۳۷)

یوں ڈاکٹر صاحب منہج انقلاب نبویؐ کی روشنی میں انقلابی عمل کا مکمل خاکہ پیش کر کے عامۃ الناس کو استحصالی نظام کے خاتمہ اور انقلابی عمل کے ذریعے اسلامی نظام کے قیام کی ترغیب دلاتے ہیں۔

فصل دوم:

عصرِ حاضر میں نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

خلافت دراصل حاکمیت کی ضد ہے۔ اسلام کی رو سے حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ قرآنِ مجید میں جابجا مقامات اس حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ حاکمیت کا اصل حق دار اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ﴾ (۱)

''بے شک حکومت صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے لیے حاکمیت نہیں، خلافت ہے۔ انسانی حاکمیت کی حقیقت صرف یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی قانونی بالادستی کو اپنی ذات کے لیے قبول کرتے ہوئے اپنے ماتحت لوگوں، معاشرے اور علاقے پر نافذ کرنے میں حاکمانہ قوت کو استعمال کیا جائے اور اللہ کی حاکمیت کے تحت خلافت (جانشینی، نیابت) کی حیثیت قبول کرے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (۲)

''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تم حق کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔''

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو زمین میں جو بھی اختیار و قدرت حاصل ہے۔ انہیں اللہ کے دیے ہوئے اختیار کے مطابق استعمال کرے۔ کیونکہ وہ خود حاکم و مالک نہیں بلکہ اصل مالک حقیقی کا خلیفہ ہے۔ اس کے پاس اپنا ذاتی اختیار نہیں بلکہ کسی کا تفویض کردہ ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبوت و رسالت کے زمانے تک خلافت شخصی بنیادوں پر استوار ہوتی تھی اور نبی اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے اس کے احکام کا نفاذ زمین میں کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا لیکن سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد خلافت مسلمانوں کی مشترکہ

متاع بن گئی اسے اجتماعی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یعنی اب مسلمان خود اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چنیں گے جس کی خلافت نہ نسلی بنیادوں پر ہو گی نہ وراثتی بنیادوں پر بلکہ اس خلافت کا معیار وہ ہو گا جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾(۳)

''اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔''

مولانا مودودیؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ...... اس فقرے کی رو سے اہل ایمان کی جماعت کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے۔ کسی شخص یا طبقہ کو عام مؤمنین کے اختیاراتِ خلافت سلب کر کے انہیں اپنے اندر مرکوز کر لینے کا حق نہیں ہے، نہ کوئی شخص یا طبقہ اپنے حق میں خدا کی خصوصی خلافت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت، طبقاتی حکومت اور مذہبی پیشواؤں کی حکومت سے الگ کر کے اسے جمہوریت کے رُخ پر موڑتی ہے، لیکن اس میں اور مغربی جمہوریت میں اصولی فرق یہ ہے کہ مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوتی ہے اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوری خلافت میں خود عوام خدا کی حاکمیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات کو برضا و رغبت قانونِ خداوندی کی حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔''(۴)

مولانا مودودیؒ اسلامی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کا فرق واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اسلامی جمہوریت ایک مکمل جمہوریت ہے، اتنی مکمل جتنی کوئی جمہوریت مکمل ہو سکتی ہے۔ البتہ جو چیز اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا نظریہ سیاسی جمہوری حاکمیت کا قائل ہے اور اسلام ''جمہوری خلافت'' کا۔ وہاں اپنی شریعت جمہور بناتے ہیں یہاں ان کو اس شریعت کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعے سے دی ہے۔ وہاں حکومت کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے یہاں حکومت اور اس کے بنانے والے جمہور ـ ب کا کام خدا کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مغربی جمہوریت ایک مطلق العنان خدائی ہے جو اپنے اختیارات کو آزادانہ

استعمال کرتی ہے اس کے برعکس اسلامی جمہوریت پابند آئین بندگی ہے جو اپنے اختیارات کو خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرتی ہے۔''(۵)

الغرض ہمارے سامنے دو مختلف چیزیں آتی ہیں ایک طرف اسلامی اصول یعنی اللہ کی حاکمیت کا تصور اور دوسری طرف حاکمیت جمہور کا تصور جو عصر حاضر کے تقاضوں کے طور پر سامنے آیا ہے اور اس وقت حاکمیت جمہور یعنی جمہوریت باقاعدہ مذہب بنتا جارہا ہے اور اس کی مخالفت کرنا ایک بڑا جرم بنا دیا گیا ہے جبکہ اسلام نے اقتدار کا تصور خلافت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد جو نظام خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی ایسی حکومت جو نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر قائم کی گئی ہو[۶] کے قیام کے داعی ہیں اور نظام عدل اجتماعی قائم کرنے کے لیے ''نظام خلافت'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ دورِ حاضر میں نظام خلافت کے قیام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کیا کہتے ہیں؟ اور آپ کے نزدیک عصر حاضر میں اگر خلافت کا نظام قائم ہوگا تو اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس نظام کے تحت کیسا سیاسی ڈھانچہ وجود میں آئے گا؟ اس کا اقتصادی ڈھانچہ کیسا ہوگا؟ اور اس کے سماجی اور معاشرتی اصول کیا ہوں گے؟

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک نظامِ خلافت کے قیام کے لیے عنوان یا لیبل بدلنے کی نہیں بلکہ مکمل انقلاب کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے زبردست انقلابی جدوجہد درکار ہے۔ الغرض ڈاکٹر صاحب کے نزدیک نظام خلافت کے قائم ہو جانے کے بعد اس کے نمایاں خدوخال درج ذیل ہوں گے۔

(۱) اللہ کی حاکمیت اور قرآن وسنت کی بالادستی

خلافت دراصل اس بات کا نام ہے کہ تسلیم کرلیا جائے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ انسان حاکم نہیں بلکہ اپنے مالک وخالق کا خلیفہ ہے۔ اللہ کی حاکمیت کا قیام اور اس کی بالفعل تنفیذ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرلیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''سب سے پہلا نکتہ دراصل نظام خلافت کا اصل تقاضا ہے یعنی یہ طے کر دیا جائے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس کے برعکس جمہوریت اس اعتبار سے ایک ملعون نظام ہے کہ اس میں حاکمیت کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا

ہے۔ (۷) یہی چیز کفر ہے' شرک ہے...... لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ درحقیقت کتاب وسنت کی غیر مشروط اور بلا استثنیٰ بالادستی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔'' (۸)

چنانچہ اگر یہ اصول طے کر لیا جائے کہ کسی استثنیٰ کے بغیر کتاب وسنت پورے نظام اور قانون پر مطلقاً بالادست اور سپریم ہوں گے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب کسی قانون سازی کی ضرورت بھی ہوگی یا نہیں اور یہ کہ اللہ کی حاکمیت کا نفاذ کیسے ہوگا؟ ڈاکٹر صاحب ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قانون سازی کی ضرورت تو موجود رہے گی کیونکہ کتاب وسنت نے اکثر معاملات میں تفصیلی قوانین نہیں دیے بلکہ حدود قائم کر دی ہیں کہ ان سے کسی حال میں بھی تجاوز نہیں ہو سکتا۔ البتہ مباحات کے دائرے میں آزادی ہے۔ چنانچہ مباحات کے دائرے میں قانون سازی ہماری ناگزیر ضرورت ہے...... البتہ یہ اصول طے کر دیا جائے گا اور اعلیٰ عدالتیں مذکورہ قانون یا اس کی متعلقہ دفعہ کو کالعدم قرار دے سکیں گی۔ اس صورت میں بھی قانون سازی پارلیمنٹ ہی کا کام ہوگا' نہ کہ عدالت کا۔ پارلیمنٹ کے اراکین چونکہ قرآن وسنت کی بالادستی کے پابند ہوں گے' لہٰذا اوّل تو وہ کوئی ایسا قانون بنائیں گے ہی نہیں جو قرآن وسنت سے تجاوز کر رہا ہو۔ بصورت دیگر وہ عدالت سے کالعدم ہو جائے گا۔'' (۹)

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نظام خلافت میں قانون سازی کا اختیار تو پارلیمنٹ کے پاس ہوگا لیکن اس بات کی اجازت بھی نہیں ہوگی کہ پارلیمنٹ جو پاس کرے وہ ہی دین بن جائے بلکہ عدلیہ اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ مقننہ کا کوئی اختیار کردہ اجتہاد شریعت کے دائرے سے تجاوز تو نہیں کر گیا اور جب عدلیہ فیصلہ کر دے گی پھر انتظامیہ اس قانون کی تنفیذ کی ذمہ دار ہوگی۔

اگرچہ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر عدلیہ کا کام اس بات کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ کون سا قانون یا ضابطہ خلافِ اسلام ہے اور کون سا نہیں تو اس پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان عدالتوں کا معیار کیا ہوگا۔ آیا ملک کی عام عدالتیں فیصلہ کریں گی یا شریعت کورٹ علیحدہ قائم کیے جائیں گے۔ اس بات کی وضاحت ڈاکٹر صاحب اس طرح کرتے ہیں:

''موجود الوقت دو عملی بھی صرف عارضی طور پر درمیانی عرصہ کے لیے گوارا کی جا سکتی ہے کہ ملک کی عام عدالتیں جدا ہوں اور ایک شریعت کورٹ علیحدہ قائم کی جائے اور یہ

صورت حال تو بہت ہی ناپسندیدہ ہے کہ ان عدالتوں کے ججوں کے نصب و عزل کے معیارات اور قواعد و ضوابط مختلف ہوں۔ مستقبل کی اسلامی ریاست یا نظام خلافت علی منہاج النبوۃ میں تو ظاہر ہے کہ لاء کالج کلیۃ الشریعہ ہی ہوں گے' لہٰذا ایک ہی عدالتی نظام ہوگا اور کسی ثنویت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔''(۱۰)

حاصل کلام یہ ہے کہ نظام خلافت میں سب سے پہلی بات جو تسلیم کی جائے گی وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے خلیفہ وقت اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے قرآن وسنت کے مطابق اپنے فرائض کی بجا آوری کرے گا اور قرآن وسنت کے قانون کی بالادستی کی صرف یہی صورت ہوگی کہ موجودہ مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں کیا جائے اور قانون سازی کا یہ سارا عمل اسلامی ریاست کے ادارے مقننہ (پارلیمنٹ) کے ذریعے ہوگا نیز پارلیمنٹ جو قانون بھی پاس کرے گی اس پر اعلیٰ عدلیہ جو ماہرین علم شریعت پر مبنی ہوگی یہ فیصلہ کرے گی کہ آیا یہ قانون شریعت کے مطابق ہے یا نہیں جبھی وہ قانون نافذ ہوگا۔ لہٰذا اسلامی خلافت میں اللہ کی حاکمیت اور قرآن وسنت کی بالادستی سب سے مقدم ہوگی۔

(۲) مخلوط قومیت کی نفی اور غیر مسلموں کے حقوق

آج دنیا میں وطنی قومیت یعنی مخلوط قومیت کا نظریہ بہت مقبول ہے جس کا تصور نظام خلافت میں نہیں کیا جا سکتا۔ خلافت کے تصور کو اپنانے سے وطنی قومیت کے رائج الوقت تصور کی بھی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ قائم ہونے والی خلافت ''خلافت عامہ'' نہیں ہوگی بلکہ یہ ''خلافت المسلمین'' ہوگی۔

اسی لیے ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس میں ووٹ کا حق بھی صرف مسلمانوں کو حاصل ہوگا خلیفہ یا صدر صرف مسلمانوں میں سے منتخب ہوگا اور کانگریس یا پارلیمنٹ کے ارکان بھی سب کے سب مسلمانوں پر ہی مشتمل ہوں گے۔ رائے دہندگی میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہوگی۔(۱۱)

ڈاکٹر صاحب مخلوط قومیت کی نفی کرتے ہیں اور اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا مقام متعین کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ اصولی بات ہے کہ اسلامی ریاست اور خلافت کے نظام میں غیر مسلم چونکہ برابر کے شہری شمار نہیں ہو سکتے غیر مسلم باشندے تحفظ یافتہ اقلیت شمار ہوں گے جن کی عزت و

آبرو کی مکمل حفاظت کی ذمہ داری قبول کی جائے گی' انہیں اپنے عقیدے پر قائم رہنے' اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے اور اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی مکمل آزادی بالکل اسی طرح حاصل ہوگی جس طرح مسلمانوں کے جملہ مکاتب فکر کو حاصل ہوگی۔ لیکن ریاست کا دیوانی اور فوجداری قانون جسے جدید اصطلاح میں "Law of the Land" کہا جاتا ہے کتاب وسنت پر مبنی ہوگا اور قانون سازی کے عمل میں غیر مسلموں کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک ایسا شخص جو نہ تو قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتا ہو اور نہ ہی محمد ﷺ کو آخری نبی مانتا ہو اسے اسلامی ریاست کی قانون سازی میں کیونکر شریک کیا جاسکتا ہے۔"(۱۲)

اگرچہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ایسے لوگ نہ تو مجلس شوریٰ کے رکن بن سکیں گے نہ ارا کین شوریٰ کے انتخاب میں ووٹ دینے کے اہل ہوں گے لیکن تکنیکی نوعیت کی ملازمتوں میں ان لوگوں کے لیے راستہ کھلا ہوگا۔ چنانچہ طب کا شعبہ ہو یا انجینئرنگ کا میدان' ایسے شعبہ جات میں ان کے لیے گنجائش ہوگی' لیکن جہاں تک قانون سازی اور پالیسی سازی کا تعلق ہے اس میں غیر مسلم کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہی نظام خلافت راشدہ کے عہد میں رائج تھا اور اب بھی یہی اصول کارفرما ہوگا۔ (۱۳)

(۳) خلیفہ کا براہِ راست انتخاب

دنیا میں سیاسی نظام کے حوالے سے دو طریقے موجود ہیں۔ ایک پارلیمانی اور دوسرا صدارتی۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب عہد حاضر میں نظام خلافت کے قیام کی بات کرتے ہیں تو دیکھنا ہوگا کہ دور حاضر میں خلیفہ کے تقرر کا طریقہ کیا ہوگا کیونکہ خلافت راشدہ کے عہد میں خلافت کا منصب مسلمانوں کے باہمی مشورے سے تفویض کیا جاتا تھا۔ نیز موجودہ سیاسی نظاموں میں سے کس نظام سے نظام خلافت کو ہم آہنگ کیا جائے گا۔ لہٰذا آپ خلیفہ کے تقرر کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خلیفہ کے تقرر کے لیے انتخابات کا طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے مگر الیکشن کے نظام کو اسلامی ریاست میں کچھ حدود و قیود (۱۴) کا پابند کرنا ہوگا۔ (۱۵)...... خلیفہ کا انتخاب بلاواسطہ یعنی براہ راست مسلمان رعایا کے ووٹوں سے ہوگا اور اسے پارلیمنٹ یا کانگریس کی اکثریت کا محتاج نہیں بنایا جائے گا' بلکہ موجودہ دنیا کے معروف صدارتی نظام کی مانند ایک متعین مدت کے لیے وسیع انتظامی اختیارات دیے جائیں گے۔"(۱۶)

پورے ملک میں خلیفہ کا براہ راست انتخاب ہوگا۔ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس طریقہ انتخاب کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس اصول کو اختیار کرنے سے چھوٹے اور علاقائی وڈیرے غیر مؤثر ہو جائیں گے۔لوگ لازماً دیکھیں گے کہ کون شخص خلیفہ کے منصب کی واقعی اہلیت رکھتا ہے۔...... لہٰذا اس طریق کار کے تحت اپنی رائے کسی اہل تر شخص کے حق ہی میں دیں گے۔البتہ یہ اصول طے کرنا پڑے گا کہ جو لوگ انتخاب کے لیے آئیں گے یہ چاہے خلیفہ کے منصب کا انتخاب لڑ رہے ہوں یا مجلس ملی یعنی پارلیمنٹ کا' ہر دو صورتوں میں ان کے کردار و اخلاق کی پوری چھان بین ضروری ہوگی۔ اس لیے کہ ایسے لوگ حرام خوری کرنے والے نہ ہوں' بدکردار نہ ہوں۔(١٧)

دوسری اہم بات یہ کہ خلیفۃ المسلمین احتساب سے بالاتر ہوگا نہ منتخب نمائندگان۔ چنانچہ مواخذہ کے لیے ایک مؤثر نظام بنایا جائے گا۔ نیز دستور میں خلیفہ کے احتساب کے لیے طریقہ کار وضع کیا جائے گا۔(١٨)

مزید برآں آپ سیاسی نظام کو چلانے کے لیے اگرچہ صدارتی طرز خلافت کو ترجیح دیتے ہیں لیکن پارلیمانی طرز خلافت کو بھی ممنوع قرار نہیں دیتے۔تاہم صدارتی نظام کو جو وفاقی طرز کا ہو عصر حاضر کے مطابق خیال کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں:

> ''اسلام کی رو سے نہ پارلیمانی خلافت لازمی ہے نہ صدارتی خلافت لازمی ہے۔اور نہ ہی ان دونوں میں سے کوئی طرز خلافت ممنوع ہے' بلکہ یہ دونوں مباح کے درجے میں ہیں۔البتہ بطور واقعہ یہ ماننا پڑے گا کہ خلافت راشدہ کے نظام کی تعبیر جب ہم آج کل کے تصورات کی روشنی میں کریں گے تو وہ پارلیمانی نہیں بلکہ صدارتی نظام سے قریب تر اور وفاقی نہیں بلکہ وحدانی طرز حکومت کا حامل تھا۔بہرحال اس میں کوئی چیز ہم پر نہ تو فرض کے درجے میں ہے اور نہ ہی ممنوع...... اس طرح کے معاملات پر ہمیں غور کرنا چاہیے...... کہ اس ملک کے حالات' عوام کی بہبود اور مصالح اور ہمارے دین کے تقاضوں کے اعتبار سے کون سا نظام بہتر ہے۔''(١٩)

(۴) سیاسی جماعتیں

سیاسی جماعتیں عصر حاضر کی ترقی یافتہ ریاست کا ایک اہم ادارہ سمجھی جاتی ہیں۔آزادی فکر و رائے کی طرح جماعت سازی بھی شہریوں کا حق سمجھا جاتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> '''عہد حاضر کی اسلامی ریاست یا نظام خلافت میں بھی عوام کو یہ حق بعض پابندیوں اور

بعض اضافی آزادیوں کے ساتھ حاصل ہوگا۔ پابندی یہ کہ کوئی سیاسی جماعت یا تنظیم اپنے منشور میں ایسی چیز شامل نہ کر سکے گی جو کتاب وسنتؐ کی نصوص کے منافی ہو۔ اس لیے کہ سیاسی جماعتیں جس نظام کو چلانے کے لیے وجود میں آئیں گی وہ خود بھی انہیں پابندیوں میں جکڑا ہوا ہوگا۔ اور اضافی آزادی یہ کہ ہر رکن پارلیمنٹ' خواہ کسی بھی جماعت کے ٹکٹ پر کامیاب ہوا ہو' روزمرہ کے معاملات میں اپنی رائے کے اظہار میں آزاد ہوگا کہ اپنے ضمیر اور صوابدید کے مطابق رائے دے' الا یہ کہ معاملہ اساسی نوعیت کا ہو اور اس کی رائے بنیادی طور پر اس پارٹی کے منشور ہی کے خلاف جا رہی ہو جس کے ٹکٹ پر وہ منتخب ہوا ہو۔''(۲۰)

(۵) حزبِ اختلاف کی حیثیت

نظام خلافت میں حزب اختلاف کی حیثیت کیا ہوگی؟ ڈاکٹر اسرار اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''نظام خلافت کے بارے میں یہ بھی مغالطہ ہے کہ وہ یک جماعتی گورنمنٹ ہوتی ہے..... اس زمانے (خلافت راشدہ) میں پارٹیاں اس معنی میں نہیں تھیں' لیکن گروپ تو تھے: بنو امیہ' بنو ہاشم' اوس وخزرج وغیرہ نظام قبائلی تھا۔ اب اس کی جگہ پارٹیوں کا نظام ہے جو حرام نہیں...... اسلام میں پارٹیوں کا جواز ہے۔ البتہ کسی پارٹی کے منشور میں کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات ہوئی تو وہ خلاف قانون قرار دے دی جائے گی۔ اس لیے کہ اس ملک کے دستور کے اندر کتاب وسنت کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے۔''(۲۱)

لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے نزدیک شریعت کی حدود کے اندر جو کوئی پارٹی بھی اپنا پروگرام دیتی ہے تو لوگوں کو دیکھنے کا موقع ملنا چاہیے کہ کون سا پروگرام (صحت' بجٹ' دفاع اور تعلیم وغیرہ سے متعلق) کس پارٹی کا بہتر ہے۔ الغرض لوگوں کو اپنی پسند کے انتخاب کا موقع ملنے میں کوئی برائی نہیں۔ (۲۲)

البتہ حزب اختلاف کا ایک پہلو غیر اسلامی ہے اور وہ ہے حزب اختلاف کے ارکان کا اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف رائے دینا۔ اب گورنمنٹ پارٹی ایک بات کہہ رہی ہے اور اپوزیشن کے کسی شخص کا دل یہ کہتا ہے کہ دین کے اعتبار سے میرے ملک کے لیے بات یہی صحیح ہے جب کہ پارٹی کی حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ تمھارا ضمیر جائے جہنم میں تمھیں وہ بات کہنی ہوگی جو پارٹی کہہ رہی ہے یہ چیز خلاف اسلام ہے۔''(۲۳)

تاہم ڈاکٹر صاحب کے مطابق صدارتی طرز خلافت میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی' اس لیے کہ اس کی اہمیت وہاں ہوتی ہے جہاں اراکین کی تعداد کے توازن پر حکومت کا

انحصار ہو.....صدارتی نظام میں ایسا نہیں ہوتا' لہٰذا پارٹیاں مسئلہ نہیں بنتیں۔ اس میں جو چاہے آپ اپنی رائے دیں' کیونکہ حکومت اس سے نہ گرتی ہے نہ بنتی ہے۔ خلیفہ جو براہ راست منتخب ہوگا' جتنی اس کی مدت ہے چار سال یا پانچ سال اتنی مدت وہ رہے گا' الا یہ کہ قانون کے مطابق اس کی معزولی کا جواز پیدا ہو جائے۔ (۲۴)

(٦) سود اور جوئے کا کامل انسداد

نظام خلافت کے کسی بھی جمہوری نظام میں تین چیزیں شامل کر دی جائیں تو وہ نظام خلافت میں تبدیل ہو جائے گا۔ یعنی اللہ کی حاکمیت' کتاب و سنت کی کامل بالادستی اور مسلم قومیت کا تصور۔ بالکل اسی طرح مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے تین چیزیں نکال دیجیے تو وہ اسلامی نظام معیشت میں ڈھل جائے گا۔ سود' جوا اور جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری۔ (۲۵)

اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے اس کے باوجود عصر حاضر کے اقتصادی و معاشی نظام کی عمارت کا اکثر و بیشتر حصہ سودی نظام معیشت پر استوار ہے۔ جدید بینکاری نظام تو مکمل طور پر سودی لین دین پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسلام کے نظام معیشت اور سود کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ کاری ہو مگر وہ سرمایہ داری کو برقرار رکھنے کا روادار نہیں۔ مغربی معیشت سرمایہ کاری پر مبنی ہے لیکن جب اس میں سود شامل ہو جاتا ہے تو سرمایہ کاری' سرمایہ داری بن جاتی ہے۔ سرمایہ کاری تو یہ ہے کہ آؤ کام کرو۔ سرمایہ لگاؤ اور تجارت کرو.....سرمایہ داری یہ ہے کہ سرمایہ کو محض نفع اندوزی کا ذریعہ بنایا جائے۔ محنت بھی نہ کی جائے اور نقصان میں شرکت بھی نہ کی جائے......اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے۔ گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے جبکہ......سرمایہ کو محض سرمایہ کی حیثیت سے Earning Factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی طرح Chance محض Chance کی حیثیت سے اگر کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو یہ حرام ہے جب سرمایہ سرمائے کی حیثیت میں Earning Agent بنتا ہے تو اس کی بدترین شکل سود ہے۔ رہا یہ ہی یہ کہ محض سرمایہ کے بل پر ایک مقرر و معین منافع حاصل کیا جائے' اس طرح کہ نقصان سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ اسلام اور قرآن کی رو سے اس سے بڑھ کر کوئی شے حرام نہیں ہے۔'' (۲۶)

الغرض عہد حاضر میں عالمی سطح پر تو معاشی ظلم و استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ سرمایہ دارانہ معیشت کا وہ عالمگیر نظام ہے جس کی بنیاد سود پر قائم ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے

نزدیک اسلامی نظامِ خلافت میں سود اور جوئے کے کامل انسداد کے ذریعے معیشت کی تطہیر کی جائے گی۔ بینکاری کا نظام جو سود جیسی لعنت پر مبنی ہے اسے بیخ و بن سے اکھاڑا جائے گا اور سود کے مکمل خاتمہ کے ساتھ ساتھ شراکت اور مضاربت کو اپنی اصل شکل وصورت میں اختیار کرنا ہوگا۔ (۲۷)

جب عہد حاضر میں سود جسے عالمی معاشی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے اور اسلامی نظام میں اس پر پابندی ہوگی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سود پر مبنی موجودہ بینکاری نظام کا متبادل موجود ہے یا نہیں' سود پر پابندی ہونے کی وجہ سے سرمایہ کہاں جائے گا کیونکہ لوگ فالتو سرمایہ گھر میں تو نہیں رکھ سکتے۔ ڈاکٹر صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہیں:

''متبادل نظام موجود نہ ہونے کا بہانہ محض جھوٹ پر مبنی ہے۔ بلکہ اس طرح کے خیالات تو اللہ تعالیٰ پر عدم اعتماد کے مترادف ہیں۔ اور اس سے اس کے علم کامل کی نفی ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی شے کو حرام قرار دے دیا جس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا اور اسے شاید (معاذ اللہ) یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ بیسویں اور اکیسویں صدی میں سود اس قدر ناگزیر ہو جائے گا کہ ان کے بغیر دنیا کا نظام چلے گا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علیم وحکیم ہے۔ اس نے اگر سود کو حرام کیا ہے تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کے بغیر دنیا کی گاڑی نہ صرف چل سکتی ہے بلکہ بہت سی لعنتوں اور خباثتوں سے آزاد ہو کر بہت بہتر طریقے سے چل سکتی ہے۔'' (۲۸)

دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب سود پر پابندی ہوگی تو فالتو سرمائے کو لوگ آپ سے آپ مشارکت میں لگائیں گے اور اس طرح سرمایہ گردش میں رہے گا۔'' (۲۹)

سود کے ساتھ ساتھ جوا ہمارے ملک میں لاٹریوں کی صورت میں رائج ہے۔ قوم کی اکثریت ان جوئے اور لاٹری کی سکیموں کی وجہ سے جواری بن چکی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اسی طرح جوا ہے یہ کیا ہے؟ محض Chance کی بنا پر منافع حاصل کرنا۔ اس میں محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسلام کی رو سے یہ حرام ہے ان دونوں صورتوں کو (سود اور جوا) اسلام نے اس لیے حرام قرار دیا کہ ساری توجہ محنت پر مرکوز ہو...... محض Chance کی بنا پر کمائی جوا ہے اور محض سرمایہ کی بنیاد پر بے خطر کمائی کرنا ربا ہے۔'' (۳۱)

الغرض ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سیف گم ریفل کے نام سے لاٹری کی شکل میں جوا ہو یا

فاطمید ریفل ٹکٹ یہ سب شیطانی دھندا ہے۔.....شراب اور جوئے کو قرآن مجید میں ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ یہ دونوں اشیاء انسانوں کو محنت سے دور بھگا دیتی ہیں۔ شراب کے نشے میں دھت انسان حقائق کا سامنا کرنے کی بجائے ان سے گریز کی راہ اختیار کرتا ہے اور جوا محنت کی بجائے داؤ کھیلنے کی ترغیب ہی کا دوسرا نام ہے اور اصل میں یہ دونوں چیزیں انسانی شرافت اور وقار کے منافی ہیں۔ (۴۲)

لہٰذا اسلامی نظام خلافت میں سود' جوئے اور شراب پر مکمل پابندی ہوگی۔

(۷) جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ

عہد حاضر میں عالمی سطح پر تو معاشی ظلم اور استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ سرمایہ دارانہ معیشت کا وہ عالمگیر نظام ہے جس کی اساس ''سرمایہ کے سود'' پر قائم ہے۔ پاکستان چونکہ بنیادی طور پر زرعی معیشت کا حامل ملک ہے لہٰذا یہاں معاشی جبر واستبداد اور ظلم واستحصال کا سب سے بڑا مظہر ''زمین کا سود'' پر مبنی جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا نظام ہے جس کی بیخ کنی کے بغیر یہاں سماجی انصاف کا کوئی تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ جاگیرداری اور ملوکیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ملوکیت اور شہنشاہیت جیسے جیسے پھلنی اور پھولنی شروع ہوتی ہے اپنے وفاداروں اور خدمت گزاروں کو جاگیرداری کی مسندیں اور منصب عطا کر کے انہیں کاشت کاروں کے استحصال کے ذریعے اپنے اقتدار کے سہاروں کی حیثیت دے دیتی ہے۔ (۴۳)

لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اسلامی نظام خلافت کی برکات سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جاگیرداری کا سد باب کیا جائے۔ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے ظالمانہ اور استحصالی نظام سے نجات پانے کی واحد شرعی راہ یہ ہے کہ شمشیر فاروقی کو بے نیام کیا جائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے مطابق تمام مفتوحہ ممالک کی اراضی کو ''خراجی'' یعنی بیت المال یا مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا جائے۔ جو علاقے کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیے ہوں' ان کی زمینیں قیامت تک کے لیے خراجی قرار پاتی ہیں۔ پاکستان کی اکثر وبیشتر اراضی بھی خراجی ہے۔ پاکستان کی زمینیں کسی شخص کی ملکیت نہیں' کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہیں' یہ جاگیریں تو مغل اور انگریز حکمرانوں نے اپنے حواریوں اور کاسہ لیسوں کو مسلمانوں سے غداری کے عوض انعام میں دی تھیں۔ لہٰذا جاگیرداروں اور زمین داروں کا حق ملکیت از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ہمیں نیا بندوبست اراضی تشکیل دینا ہوگا تاکہ زمین کے سینے کو

چیرنے والے اور اس میں اپنا خونِ جگر دینے والے کاشتکار کو بھی اس کی محنت کا معاوضہ مل سکے۔ یہ کاشتکار' یہ کسان' یہ ہاری سب کے سب حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اس معاملے میں بھی اصل جرم ہمارا ہے کہ اسلام نے جو حل دیا ہے وہ ہم اختیار نہیں کرتے۔ بہر حال جاگیرداری کا سدباب حضرت عمرؓ نے اپنی بے پناہ بصیرت کی بنا پر کر دیا تھا اور آج بھی اسی اجتہاد کو بنیاد بنا کر ہم موجودہ زمینداری نظام کو ختم کر سکتے ہیں۔ (۳۴)

(۸) زکوٰۃ کی کامل تنفیذ

ہر شہری کی بنیادی ضروریات پوری کرنا اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ نظام خلافت میں ہر شہری کی بنیادی ضروریات کا پورا ہونا اسی صورت میں ممکن ہے اگر زکوٰۃ کی کامل تنفیذ ہو۔ نہ یہ ہو کہ ہمارے ملک کی طرح صرف بینک ڈیپازٹ میں سے زکوٰۃ کاٹی جائے۔ یعنی سود میں سے زکوٰۃ کاٹ لی جائے۔ جبکہ مسلمانوں کے دو طرح کے اموال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اموال باطنہ یعنی وہ مال جو کسی نے زیور یا نقدی کی صورت میں اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس مال کا اصول یہ ہے کہ اس کا مالک اپنی مرضی سے زکوٰۃ خود ادا کرے گا جسے چاہے گا۔ اور دوسرا اموال ظاہرہ جن میں مویشی بھیڑیں' بکریاں' سامان تجارت وغیرہ جیسے اموال شامل ہیں۔ اسلامی حکومت اموال ظاہرہ کی کل مالیت پر جبراً زکوٰۃ وصول کرے گی۔ (۳۵)

ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''زکوٰۃ کے اس نظام سے اس مد میں اس قدر روپیہ جمع ہو جائے گا کہ ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ لے سکتی ہے اور وہ وقت بھی آ سکتا ہے جب لوگ اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ لیے پھریں گے لیکن اسے لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ جیسے خلافت راشدہ کے دور میں ہوا تھا۔''(۳۶)

''نظام خلافت کے تحت زکوٰۃ کا جو نظام قائم ہوگا اس میں ان تمام ٹیکسوں سے لوگوں کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ انکم ٹیکس کے نظام نے ہر کاروباری آدمی کو جھوٹا اور بے ایمان بنا دیا ہے۔ اس لیے کہ اسے غلط گوشوارہ داخل کرنا پڑتا ہے' ورنہ کاروبار کی بساط تہہ کرنا پڑتی ہے۔''(۳۷)

ڈاکٹر صاحب زکوٰۃ کے صحیح نفاذ کے مزید فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''کل اموال تجارت اور دیگر اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ کی مد میں بہت بڑی رقم جمع ہو جائے گی جس سے کفالت عامہ کا پورا نظام تشکیل پائے گا اور ہر شہری کے لیے روٹی کپڑا

اور مکان جیسی بنیادی ضروریات' تعلیم اور علاج کی یکساں سہولتوں کی فراہمی کی ضمانت دی جا سکے گی۔ زمانہ وہ بھی آیا جب لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ ہاتھوں میں لیے لیے پھرتے تھے مگر زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ زکوٰۃ کا اصل نظام نافذ ہو جائے تو آج بھی یہی نتائج اور ثمرات ظاہر ہوں گے۔" (۳۸)

(۹) کامل انسانی مساوات کا تصور

اسلامی نظام معاشرت ایک مضبوط' پائیدار اور عادلانہ مزاج کا حامل نظام ہے۔ جس کے اصول وضوابط ایسے ہیں جن کو اپنانے سے کسی انسان کی حق تلفی نہیں ہوتی کیونکہ اسلامی نکتہ نظر سے تمام انسان برابر ہیں۔ اسی لیے رنگ' نسل' وطن' زبان اور مذہب کا اختلاف ان کے حقوق کی ادائیگی میں حائل نہیں ہوتا۔ مولانا مودودی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"فکری اور اصولی معاشرے میں ہر وہ شخص برابر کے حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے جو ایک عقیدے اور ایک اخلاقی ضابطے کو تسلیم کرے۔ رہے وہ لوگ جو اس عقیدے اور ضابطے کو نہ مانیں تو یہ معاشرہ انہیں اپنے دائرے میں تو نہیں لیتا' مگر انسانی برادری کا تعلق ان کے ساتھ قائم کرنے اور انسانیت کے حقوق انہیں دینے کے لیے تیار ہے۔ نسل انسانی کے دو گروہ بھی اگر عقیدے اور اصول میں اختلاف رکھتے ہیں تو ان کے معاشرے یقیناً الگ ہوں گے' مگر انسانیت بہر حال ان میں مشترک رہے گی۔ اس مشترک انسانیت کی بنا پر زیادہ سے زیادہ جن حقوق کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ سب اسلامی معاشرے نے غیر اسلامی معاشرے کے لیے تسلیم کیے ہیں۔" (۳۹)

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد جب اسلامی نظام خلافت کے معاشرتی اصول وضوابط کا تذکرہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس چیز کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں کہ اسلامی نظام خلافت میں کامل انسانی مساوات کا تصور کارفرما ہوگا۔ تمام انسان برابر سمجھے جائیں گے نہ کوئی اونچا ہوگا اور نہ کوئی نیچا' کوئی سید اونچا اور کوئی مصلی نیچا نہیں ہوگا۔ ایسے تمام تصورات کو ختم کرنا ہوگا' نکالنا ہوگا' ان کی جڑیں کھودنا ہوں گی اس لیے کہ اسلام میں اونچ اور نیچ کا کوئی تصور موجود نہیں۔ اسی طرح قانون کی نظر میں سب لوگ برابر ہوں گے۔ البتہ مسلم اور غیر مسلم کا فرق صرف انتظامی ضرورت کے تحت ہوگا کیونکہ نظام خلافت چلانے کی ذمہ داری صرف مسلمانوں کی ہے۔ (۴۰)

خلیفۃ المسلمین اور مجلس ملی یا مجلس شوریٰ کے ارکان سمیت کسی کو بھی نہ قانونی تحفظات

حاصل ہوں گے‘ نہ ترجیحی حقوق دیے جائیں گے اور ہر سطح پر ایک کامل مساوات کا نظام ہوگا...... چنانچہ نظام خلافت میں عدلیہ کے نظام کے بارے میں بھی اصلاحات کی جائیں گی اور خلیفہ بھی عام شہری کی طرح قانون کا پابند ہوگا۔(۴۱)

(۱۰) مخلوط معاشرت کا سد باب

دور حاضر کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ سماجی و معاشرتی بگاڑ ہے جس نے شرم وحیا‘ عفت وعصمت کے تصورات اور ستر وحجاب کے قوانین اور ضابطوں سے آزاد تہذیب ومعاشرت کو فروغ دیا ہے۔ جبکہ اسلام کا معاشرتی نظام شرم وحیا‘ عفت وعصمت اور ستر وحجاب کے احکام پر مبنی ہے۔ یعنی اسلامی معاشرے میں چادر اور چار دیواری کا حصار قائم ہو۔ بے پردگی‘ عریانی‘ فحاشی اور مخلوط معاشرت کا سد باب ہو‘ آزاد شہوت رانی کا فروغ نہ ہو‘ شادی جیسے مقدس بندھن کی حیثیت اجاگر ہو اور خاندانی ادارہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو۔ خاندان کے ادارے کی بنیاد ہی تب پڑتی ہے جب عورت اور مرد کا تعلق معاشرتی ذمہ داریوں کی انجام دہی کا باعث ہو نہ کہ آزاد معاشرت کا کہ جس میں عورت اور مرد اپنی ذمہ داریوں کو ماں باپ‘ میاں بیوی اور دیگر رشتہ داروں کی حیثیت میں قبول ہی نہ کریں۔ خاندانی ادارے کی مضبوطی کے لیے ہی اسلام نے پردے کے احکام(۴۲) دیے ہیں اور مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول اور خواہش کی اشاعت(۴۳) کی ممانعت کی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اسلامی معاشرتی نظام کے حوالے سے جب بات کرتے ہیں تو آپ ستر وحجاب کی اہمیت اور مخلوط معاشرت کی مذمت پر زور دیتے ہیں۔ آپ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ”پردے چار ہیں ایک نہیں۔ پہلا پردہ جو ایک کرٹن کی طرح ہمارے پورے معاشرے کے اندر تنا ہوا ہے وہ عورتوں اور مردوں کا عدم اختلاط (seggregation of Sexes) ہے یعنی مخلوط معاشرت نہ ہو۔ دعوت ولیمہ ہو رہی ہے تو ایک طرف مرد ہیں‘ ایک طرف عورتیں ہیں۔ یہ ہماری تہذیب کا تواتر ہے‘ لیکن اب مخلوط محفلیں بھی ہوتی ہیں۔ اسلام میں عورتوں پر کام کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کی پابندی نہیں ہے لیکن ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط جائز نہیں ہے۔ ان کے دفاتر اور تعلیمی ادارے الگ ہونے چاہئیں۔ دوسرا پردہ یہ ہے کہ عورت گھر سے نکلے تو جلباب کے اندر لپٹی ہوئی ہو اور اپنے چہرے کے اوپر بھی اس کا ایک پلو لٹکا لے۔ تیسرا پردہ چار دیواری کا ہے کہ گھر کے اندر صرف محرم داخل ہوگا‘ نامحرم اندر نہیں جائے گا‘ وہ بیٹھک یا

ڈرائنگ روم میں بیٹھے گا' چاہے وہ آپ کا داماد ہے۔ اس لیے کہ داماد کی محرم صرف آپ کی ایک بیٹی ہے جو اس کی بیوی ہے' دوسری بیٹیاں اس کی محرم نہیں ہیں۔ البتہ ساس محرم ہے۔ چوتھا پردہ ستر کا ہے کہ عورت اپنے محرموں کے سامنے بھی پورا جسم نہیں کھول سکتی' صرف چہرہ' ہاتھ اور پاؤں کھول سکتی ہے۔ ان تین چیزوں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ باپ اور بھائی کی نظر میں بھی نہیں آنا چاہیے۔ مسلمان عورت کو گھر کے اندر بھی مستور رہنا چاہیے۔ اس کے بعد جو ہے وہ شوہر کا معاملہ ہے تو اسلام میں یہ چار پردے ہیں۔ یہ ہماری اسلامی تہذیب کی عظیم الشان عمارت کی بنیادیں ہیں جن پر آج تیشہ چلایا جا رہا ہے۔ (۴۴)

ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں میرا موقف بالکل واضح ہے کہ جس طرح مخلوط قومیت اسلام کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی' ویسے ہی مخلوط معاشرت بھی اسلام کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے جسمانی نظام اور نفسیاتی ساخت کے اختلاف کے علاوہ ان کی ذمہ داریاں اور ان کے دائرہ کار بھی الگ الگ مقرر کیے ہیں۔ عورت پر معاشی ذمہ داریاں نہیں ڈالی گئیں بلکہ اس کی ذمہ داریاں اس کے شوہر اور بچوں سے متعلق ہیں۔ البتہ اگر قومی ضرورت کا تقاضا ہو کہ عورتیں بھی معاشی میدان میں ہاتھ بٹائیں تو اس مقصد کے لیے عورتوں کے علیحدہ ادارے بنائے جا سکتے ہیں۔ جہاں اوپر سے نیچے ہر سطح پر خواتین ہی کام کریں اور ان کے کام کے اوقات بھی چار گھنٹے مقرر ہوں تاکہ وہ گھریلو فرائض بھی ادا کر سکیں۔ تعلیم اور صحت کے میدان میں مردوں اور خواتین کے مکمل طور پر الگ الگ شعبے ہوں۔ خواتین کے ہسپتالوں میں خواتین ڈاکٹرز اور نرس ہوں' جبکہ مردوں کے ہسپتالوں میں مرد ڈاکٹر اور مرد نرسیں ہوں۔۔ الغرض نظام خلافت میں مخلوط معاشرت کا خاتمہ کر کے خواتین کے لیے جداگانہ اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے گا جس سے اسلامی معاشرت وجود میں آئے گی۔ نیز عصمت و عفت کی حفاظت اور قلب و نظر کی پاکیزگی کے لیے ستر و حجاب کے شرعی احکام کی سختی سے تنفیذ کی جائے گی۔'' (۴۵)

الغرض ڈاکٹر صاحب نے دور حاضر میں اسلامی انقلاب برپا کرنے اور نظام خلافت کے قیام کے لیے جو خاکہ پیش کیا ہے اس پر عمل اگرچہ ابھی مشکل لگتا ہے لیکن ناممکن نہیں۔ اگرچہ آپ نے اس فلسفہ انقلاب اور نظام خلافت کے قیام کے لیے ساری زندگی پرچار کیا لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے لیکن اتنا ضرور ہے کہ آپ نے عامۃ الناس میں انقلاب

اسلامی اور خلافت کے قیام کا شعور بیدار کیا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پریشانی' مایوسی اور وساوس کے شکار مسلمانوں کو جن کا اللہ پر یقین بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو نہ اپنے نظریہ حیات سے وابستہ ہیں اور نہ اس کی تعلیمات اور تقاضوں پر عمل پیرا ہیں۔ جو دعویٰ مسلمان ہونے کا کرتے ہیں لیکن عملاً وہ مغرب کی ملحدانہ فکر و تہذیب سے مرعوب و متاثر ہونے کی بنا پر اس کی پیروی کرر ہے ہیں (جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سیاست' معیشت' معاشرت' اخلاق' اقدار اور تہذیب سب انہی کی تہذیب میں رنگی ہوئی ہے۔) انہیں انحطاط کی اس کیفیت سے نکالا جائے۔ اور ان کی ذہن سازی کی جائے تاکہ ایسے افراد تیار ہو جائیں جو برضا و رغبت اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے پر آمادہ ہوں اور یہ صرف ایک شخص یا ایک جماعت کا کام نہیں۔

یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ دینی' تبلیغی اور سیاسی جماعتوں کے علاوہ بھی علماء کرام' دانشور اور معاشرے کے ذمہ دار حضرات خالصتاً دینی جذبہ کے تحت مل جل کر نہ صرف عوام کو بلکہ حکام بالا کو بھی اسلامی نظام خلافت کی برکات سے آگاہ کریں۔ دین کے حوالے سے انہیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔ انہیں اسلام پر یکسو ہو جانے' اس کے تقاضوں کو پورا کرنے اور غیر اسلامی طریقہ زندگی کو ترک کر دینے کی ترغیب دلائیں۔ ان کی ساری توجہ صرف بنیادی ضروریات زندگی کی طرف سے ہٹا کر ان کے دین' ان کے حقوق و نظریات کی بقا کی جدوجہد کی طرف مبذول کرائیں۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا حضرات اپنے سیرت و کردار کو سنت نبویؐ کے مطابق بنائیں تاکہ انہیں عوام کا اعتماد حاصل ہو۔ اگر آج یہ علماء کرام' دانشور اور معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے اسلام پسند افراد غیر سیاسی بنیادوں پر منظم و متحد ہو کر عامۃ الناس کو اسلامی نظام حیات کو اپنانے پر آمادہ کر لیں تو آج بھی انقلابِ نبوی برپا ہو سکتا ہے اور نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام عمل میں آ سکتا ہے ان شاء اللہ' کیونکہ انقلابی عمل عام لوگوں کے ذریعے ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔

حواشی' فصل اوّل

(۱) ابراهيم مصطفى' المعجم الوسيط' دار الدعوة مؤسسة ثقافية للتاليف والطباعة والنشر والتوزيع' استنبول ۱۹۸۹ء' ۷۵۳/۲؛ ابن منظور' جمال الدين محمد بن مكرم' لسان العرب' دار صادر' بيروت' الطبعة الثالثة' ۱۹۹٤ء' ۶۸۵/۱

(۲) لسان العرب' ۱/ ٦٨٦

(۳) آل عمران ۳:۱۴۴

(۴) فیروز الدین' فیروز اللغات' فیروز سنز لمیٹڈ' لاہور' س۔ن' ۱۳۱

(۵) فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا' فیروز سنز لمیٹڈ' لاہور' طبع سوم' ۱۹۸۴ء' ۱۴۳

(٦) The New International Webster's Comprehensive Dictionary of the English Language, Trident Press International, U.S.A, 2004, 1079

(۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب' ۸-۱۰

(۹) فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا' ۱۴۳؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: شاہد حسین رزاقی' تاریخ جمہوریت' ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور' طبع دوم' ۱۹۷۵ء' ۲۳۱-۲۴۱؛ Webster's Dictionary, 1079,

(۱۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ جمہوریت' ۳٦۰-۳٦۴؛ Webster's Dictionary, 1079

(۱۱) انقلاب فرانس اور انقلاب روس

(۱۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: منہج انقلاب نبوی ﷺ ۱۵-۳٦؛ رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب ۱۸-۳۴؛ خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۷۲-۱۸۰

(۱۳) منہج انقلاب نبوی ﷺ' ۳٦

(۱۴) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۸۲

(۱۵) الصحیح لمسلم' کتاب الإمارة' باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة' وتحریمها فی المعصیة" رقم الحدیث ٤٧٦٨' ٨٢٦-٨٢٧

(۱٦) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۸۵

(۱۷) ایضاً' ۱۸۸

(۱۸) رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب' ۲۹' ۲۰

(۱۹) تفصیل کے لیے دیکھیے: منہج انقلاب نبوی ﷺ ۵۱-۸۰

(۲۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب' ۲۰-۵۲

(۲۱) الفتح ۴۸:۲۹

(۲۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: منہج انقلاب نبوی ﷺ ٦۱-٦۹

(۲۳) منہج انقلاب نبوی ﷺ ۸۸

(۲۴) ایضاً ' ۹۰

(۲۵) تفصیل کے لیے دیکھئے: رسولِ انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب ' ۲۵ ' ۲۶

(۲۶) پندرہ کروڑ کی آبادی کے ملک میں چار لاکھ تربیت یافتہ افراد' تفصیل کے لیے دیکھئے' رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب ' ۲۵

(۲۷) ایضاً ' ۲۵؛ منہج انقلاب نبوی ﷺ ۲۰ ' ۲۱

(۲۸) منہج انقلابِ نبوی ﷺ ۲۱

(۲۹) ایضاً

(۳۰) منہج انقلابِ نبوی ﷺ ۳۳۵

(۳۱) ایضاً ' ۳۳۶ ' ۳۳۷

(۳۲) منہج انقلابِ نبوی ﷺ ۳۵۱

(۳۳) ایضاً ' ۳۵۵

(۳۴) ایضاً

(۳۵) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام ' ۱۹۶

(۳۶) منہج انقلابِ نبوی ﷺ ۳۷۴ ' ۳۷۵

(۳۷) ایضاً ' ۳۷۵ ' ۳۷۶

حواشی ' فصل دوم

(۱) یوسف ۱۲: ۴۰

(۲) ص ۳۸: ۲۶

(۳) النور ۲۴: ۵۵

(۴) سید ابو الاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' ادارہ ترجمان القرآن پرائیویٹ لمیٹڈ' لاہور' ۱۹۹۸ء' ۳۵ ' ۳۶

(۵) سید ابو الاعلیٰ مودودی' اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات' اسلامک پبلی کیشن لمیٹڈ' لاہور' طبع دوم' ۱۹۹۰ء' ۳۵۰ ' ۳۵۱

(۶) اسے خلافت راشدہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام اہل سنت کے نزدیک خلفائے راشدین سے مراد حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ انہی اصحاب کی خلافت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ((خلافة النبوة ثلاثون سنة)) یعنی خلافت نبوت تیس سال ہوگی۔ السنن لأبی داؤد' کتاب السنة'

باب فی الخلفاء، ٦٥٧، رقم الحدیث ٤٦٤٧، ٦٥٧

(۷) حاکمیت عوام یہ ہے کہ لوگ اپنی رائے کے اظہار کے ذریعے جس کے نام کا ووٹ ہے، اپنا حق ملکیت اپنے میں سے بعض افراد کو تفویض کریں اور اس تفویض کرنے کی دنیا میں دو شکلیں رائج ہیں۔ ایک پارلیمانی نظام اور دوسرا صدارتی نظام، جس میں عوام اپنے میں سے ایک سربراہ چن کر (وزیراعظم یا صدر) اپنا حق حاکمیت اسے تفویض کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں نظاموں میں جو بھی کانگرس یا پارلیمنٹ بنتی ہے، اس کے حق قانون سازی پر کوئی قدغن نہیں ہوتی۔ کانگریس یا پارلیمنٹ کے ارکان کثرت رائے سے جیسا قانون چاہیں بنالیں۔ اس لیے کہ کوئی بالاتر اختیار واقتدار نہیں ہے جس کے تابع ہو کر انہیں قانون سازی کرنی پڑے۔ پارلیمنٹ یا کانگریس کی قانون سازی مطلق ہے اس لیے کہ عوام کے پاس مطلق حاکمیت کا جو اختیار تھا وہ انہوں نے پورے طور پر پارلیمنٹ یا کانگرس کو تفویض کر دیا۔ یہ نظام اپنی جگہ خواہ کتنا ہی غلط اور گمراہ کن ہو بالفعل دنیا میں قائم ہے؛ ڈاکٹر اسرار احمد، جمہوریت نہیں خلافت، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۴۰، شمارہ ۸، اگست ۱۹۹۱ء، ۱۵-۱۷

(۸) ڈاکٹر اسرار احمد، خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا...... (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱، شمارہ ۱، ۲۱-۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء، ۱۰

(۹) ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال، (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۴۰، شمارہ ۱۱، نومبر ۱۹۹۱ء، ۱۶

(۱۰) پاکستان میں نظام خلافت کیا، کیوں اور کیسے؟، ۲۴

(۱۱) ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۴۰، شمارہ ۱۱، نومبر ۱۹۹۱ء، ۱۹

(۱۲) ایضاً، ۱۸

(۱۳) پاکستان میں نظام خلافت کیا، کیوں اور کیسے، ۴۳

(۱۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ۹۸-۱۰۰

(۱۵) ایضاً، ۹۷

(۱۶) ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال (ماہنامہ) میثاق، لاہور، جلد ۴۰، شمارہ ۱۱، نومبر ۱۹۹۱ء، ۱۹

(۱۷) ڈاکٹر اسرار احمد، خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا (ہفت روزہ) ندائے خلافت، لاہور، جلد ۱، شمارہ ۱، ۲۱-۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء، ۱۱؛ پاکستان میں نظام خلافت کیا، کیوں اور کیسے؟، ۲۷، ۷۱

(۱۸) ڈاکٹر اسرار احمد' اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد۴۰' شمارہ۱۱' نومبر۱۹۹۱ء' ۲۰

(۱۹) ڈاکٹر اسرار احمد' جمہوریت نہیں خلافت (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد۴۰' شمارہ۸' اگست۱۹۹۱ء' ۳۷

(۲۰) پاکستان میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟ ۲۴' ۲۵

(۲۱) ایضاً' ۹۰

(۲۲) ایضاً' ۹۱

(۲۳) پاکستان میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟ ۹۱

(۲۴) ایضاً

(۲۵) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۲۱

(۲۶) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۲۲' ۱۲۳

(۲۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد' اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد۴۰' شمارہ۱۱' نومبر۱۹۹۱ء' ۲۲' ۲۳

(۲۸) ایضاً ۲۳

(۲۹) ایضاً' ۲۴

(۳۰) المائدۃ ۵: ۹۰

(۳۱) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۲۳

(۳۲) ڈاکٹر اسرار احمد' خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا' (ہفت روزہ) ندائے خلافت' لاہور' جلد۱' شمارہ۱' ۲۱-۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء' ۱۴

(۳۳) ڈاکٹر اسرار احمد' عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع اوّل' ۲۰۰۲ء' ۶۰' ۶۱

(۳۴) ایضاً ۶۰-۷۰؛ پاکستان میں نظام خلاف کیا' کیوں اور کیسے؟ ۷۹' ۸۰

(۳۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمد' اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد۴۰' شمارہ۱۱' نومبر۱۹۹۱ء' ۲۷؛ ڈاکٹر اسرار احمد' خلافت کا نظام قائم ہوکر رہے گا' (ہفت روزہ) ندائے خلافت' لاہور' جلد۱' شمارہ۱' ۲۱-۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء' ۱۳

(۳۶) ڈاکٹر اسرار احمد' خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا' (ہفت روزہ) ندائے خلافت' لاہور' جلد۱' شمارہ۱' ۲۱-۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء' ۱۳

(۳۷) ایضاً' ۱۳

(۳۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد۴۰' شمارہ ۱۱' نومبر ۱۹۹۱ء ۲۷' ۲۸

(۳۹) اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات' ۳۵۹

(۴۰) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام' ۱۴۴' ۱۴۵؛ ڈاکٹر اسرار احمدؒ خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا' (ہفت روزہ) ندائے خلافت' لاہور' جلد ا' شمارہ ا' ۲۱-۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء' ۱۵

(۴۱) ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۴۰' شمارہ ۱۱' نومبر ۱۹۹۱ء ۲۸

(۴۲) النور ۲۴:۳۱

(۴۳) النور ۲۴:۱۹

(۴۴) ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام پر دجالیت کا تازہ حملہ' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۵۷' شمارہ ۱۱' نومبر ۲۰۰۸ء' ۳۰' ۳۱

(۴۵) پاکستان میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟' ۸۲' ۸۳؛ ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال' (ماہنامہ) میثاق' لاہور' جلد ۴۰' شمارہ ۱۱' نومبر ۱۹۹۱ء' ۲۹' ۳۰

خلاصۂ بحث

مقالہ ہذا میں ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی، علمی، دعوتی، تصنیفی، تدریسی اور تنظیمی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک جید عالمِ دین، مفکر، مبلغ، مربی، منتظم اور مدرس قرآن تھے۔ آپ ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو ضلع حصار (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم ضلع حصار میں ہی حاصل کی۔ دورانِ تعلیم تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اپنے ضلع حصار میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے فعال کارکن اور جنرل سیکرٹری رہے۔ وہ ہائی سکول کی تعلیم کے دوران ہی ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی ولولہ انگیز شاعری اور فکر مودودیؒ سے متعارف ہوئے جس نے آپ کے اندر تجدید احیائے دین کا جذبہ بیدار کیا۔ قیام پاکستان کے موقع پر قافلے کے ساتھ بیس دن پیدل سفر کر کے براستہ سلیمانکی ہیڈ ورکس پاکستان آئے اور ساہیوال کو اپنا مسکن بنایا۔

گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس اور کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کیا۔ دورانِ تعلیم اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی، مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے قریبی تعلقات رہے، لیکن جماعت اسلامی کی رکنیت کے ڈیڑھ سال بعد ہی آپ نے جماعت کی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے ۱۹۵۷ء میں اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس دوران اپنی میڈیکل پریکٹس بھی جاری رکھی اور کسی قدر وقت ۱۹۶۵ء تک کاروباری اشتراک میں بھی گزارا۔

۱۹۶۵ء میں آپ نے دینی رجحان کے پیش نظر لاہور میں درسِ قرآن کے متعدد حلقے قائم کیے۔ ۱۹۷۰ء میں حج سے واپسی پر آپ نے اپنی جملہ صلاحیتوں اور توانائیوں کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ تعلیماتِ قرآنی کے فروغ کے لیے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی، بعد ازاں غلبہ واقامت دین کے لیے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں لائے۔ آپ کی زیر امارت دینی، تعلیمی و معلوماتی مجلات ماہنامہ میثاق، ہفت روزہ ندائے خلافت، اور سہ ماہی حکمت قرآن باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے۔

(۳۸) تفصیل کے لیے دیکھئے: ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال‘ (ماہنامہ) میثاق‘ لاہور‘ جلد ۴۰‘ شمارہ ۱۱‘ نومبر ۱۹۹۱ء ۲۷‘ ۲۸

(۳۹) اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات‘ ۳۵۹

(۴۰) خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام‘ ۱۴۴‘ ۱۴۵؛ ڈاکٹر اسرار احمدؒ خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا‘ (ہفت روزہ) ندائے خلافت‘ لاہور‘ جلد ۱‘ شمارہ ۱‘ ۲۱-۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء‘ ۱۵

(۴۱) ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال‘ (ماہنامہ) میثاق‘ لاہور‘ جلد ۴۰‘ شمارہ ۱۱‘ نومبر ۱۹۹۱ء ۲۸

(۴۲) النور ۲۴:۳۱

(۴۳) النور ۲۴:۱۹

(۴۴) ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام پر دجالیت کا تازہ حملہ‘ (ماہنامہ) میثاق‘ لاہور‘ جلد ۵۷‘ شمارہ ۱۱‘ نومبر ۲۰۰۸ء‘ ۳۰‘ ۳۱

(۴۵) پاکستان میں نظام خلافت کیا‘ کیوں اور کیسے؟‘ ۸۲‘ ۸۳؛ ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال‘ (ماہنامہ) میثاق‘ لاہور‘ جلد ۴۰‘ شمارہ ۱۱‘ نومبر ۱۹۹۱ء‘ ۲۹‘ ۳۰

خلاصۂ بحث

مقالہ ہذا میں ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی، علمی، دعوتی، تصنیفی، تدریسی اور تنظیمی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک جید عالمِ دین، مفکر، مبلغ، مربی، منتظم اور مدرس قرآن تھے۔ آپ ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو ضلع حصار (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم ضلع حصار میں ہی حاصل کی۔ دورانِ تعلیم تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اپنے ضلع حصار میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے فعال کارکن اور جنرل سیکرٹری رہے۔ وہ ہائی سکول کی تعلیم کے دوران ہی ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی ولولہ انگیز شاعری اور فکر مودودیؒ سے متعارف ہوئے جس نے آپ کے اندر تجدید احیائے دین کا جذبہ بیدار کیا۔ قیام پاکستان کے موقع پر قافلے کے ساتھ بیس دن پیدل سفر کر کے براستہ سلیمانکی ہیڈورکس پاکستان آئے اور ساہیوال کو اپنا مسکن بنایا۔

گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس اور کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کیا۔ دورانِ تعلیم اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی، مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے قریبی تعلقات رہے، لیکن جماعت اسلامی کی رکنیت کے ڈیڑھ سال بعد ہی آپ نے جماعت کی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے ۱۹۵۷ء میں اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس دوران اپنی میڈیکل پریکٹس بھی جاری رکھی اور کسی قدر وقت ۱۹۶۵ء تک کاروباری اشتراک میں بھی گزارا۔

۱۹۶۵ء میں آپ نے دینی رجحان کے پیش نظر لاہور میں درسِ قرآن کے متعدد حلقے قائم کیے۔ ۱۹۷۰ء میں حج سے واپسی پر آپ نے اپنی جملہ صلاحیتوں اور توانائیوں کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ تعلیماتِ قرآنی کے فروغ کے لیے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی، بعدازاں غلبہ واقامت دین کے لیے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں لائے۔ آپ کی زیرامارت دینی، تعلیمی ومعلوماتی مجلّات ماہنامہ میثاق، ہفت روزہ ندائے خلافت، اور سہ ماہی حکمت قرآن باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے۔

آخری وقت تک آپ دینی امور کی انجام دہی میں مصروف عمل رہے۔ آخر کار پیرانہ سالی اور خرابیٔ صحت کی بنا پر ۱۳ اور ۱۴ اپریل ۲۰۱۰ء کی درمیانی شب کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

ڈاکٹر صاحب دینی و ملی جذبہ سے معمور تھے اسی جذبہ کے تحت آپ نے اپنے دور کی سرگرم تحریکوں، تحریک پاکستان اور تحریک اسلامی میں اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا۔ ان تحریکوں کے پیچھے جو مقاصد کارفرما تھے ان مقاصد کے حصول کے لیے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی جماعت اسلامی کے ساتھ وابستگی کا تعلق ہے تو ابتدا میں جماعت کے ساتھ تعلق میں بہت زور و شور نظر آتا ہے لیکن جب جماعت اسلامی نے انتخابی سیاست میں حصہ لیا تو آپ جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور مولانا مودودیؒ اور جماعت پر مستقل تنقید کرتے رہے۔ بلکہ آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسے اپنا مسلسل موضوع بنا لیا۔ بظاہر یہ بات ڈاکٹر صاحب جیسے عالم دین کے لیے مناسب معلوم نہیں ہوتی، مگر ایک انتہائی مخلص انسان کے عذر کو سمجھا جائے تو ہر ذی قلب ڈاکٹر صاحب کو رعایت دینے پر مجبور ہو جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے استعفا کی عبارت میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اب جماعت کی رکنیت سے میرے اندر ''نفاق'' کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے ایک چیز کو غلط اور ناحق سمجھتے ہوئے بھی مجبور ہوں کہ پبلک میں جماعت کے رکن کی حیثیت سے اس کی حمایت کروں اور یہ چیز اب میرے لیے ناممکن ہوتی چلی جا رہی ہے۔'' (تاریخ جماعت اسلامی، ایک گمشدہ باب، ص ۱۷۹)

ڈاکٹر صاحب ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والے تھے اسی لیے آپ نے اپنے دور کے مسائل کی نشاندہی اپنی تحریروں اور تقریروں میں بھرپور انداز میں کی اور ان مسائل کا واحد حل قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے میں بتایا۔

جب ڈاکٹر صاحب کی علمی اور دینی خدمات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو آپ خلوص اور استقامت کا ایک غیر متزلزل پہاڑ نظر آتے ہیں جنھوں نے دین کی سربلندی اور اصلاحِ احوال کے لیے شبانہ روز محنت کی اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ دین اسلام کی دعوت و ترویج کے لیے وقف کر دیا۔ نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنے پورے گھرانے اور خاندان کے افراد کو بھی شریعت کا پابند اور دعوت و تبلیغ کی خدمات سرانجام دینے والا بنایا اگر دیکھا جائے تو یہ آپ کی ایک بڑی کامیابی ہے۔ اکثر مبلغین دین کی طرح آپ نے صرف دوسروں کو تبلیغ نہیں کی (کہ چراغ تلے اندھیرا رہنے دیا ہو) بلکہ تبلیغ کی ابتدا اپنے گھرانے سے کی اور انھیں دین اسلام کا خوگر بنایا۔ آپ کا

دین کے ساتھ یہی خلوص تھا جس کی وجہ سے آپ نے اپنی پروفیشنل زندگی (جس میں بظاہر دُنیوی کامیابی کے لیے بہت امکانات تھے) ترک کر دی اور اپنی خانگی زندگی آرائش وزیبائش' تعیشات' تصنع اور نمائش سے پاک کر کے گھر میں اسلامی روایات کی پاسداری' شرعی پردہ اور شریعت پر عمل کو اپنا شعار بنایا۔

ڈاکٹر صاحب ایک زبردست خطیب اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ آپ نے دروس' لیکچرز' تقاریر وخطبات کی شکل میں خاصا کام کیا۔ آپ کی گفتگو صرف عام لوگوں کو ہی نہیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو بھی متاثر کرتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کی گفتگو دلیل اور علم پر مبنی ہوتی جو آپ کے عمیق مطالعہ اور تبحر علمی کی نشاندہی کرتی۔ آپ بیک وقت دینی اور دنیوی تعلیم سے آراستہ تھے۔ دینی علوم سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اردو' انگریزی' عربی اور فارسی زبانوں' تاریخ' مغربی فلسفہ اور جدید نظریات' جغرافیائی محل وقوع' جدید سائنس اور میڈیکل سائنس سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور یہ بات آپ کو بہت سے علماء کرام سے ممتاز کرتی ہے جو صرف دینی علوم میں تو مہارت رکھتے ہیں لیکن جدید سائنس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ آپ کے خطبات اور تقاریر کی یہی خوبی تھی کہ سینکڑوں لوگ نہ صرف آپ سے متاثر ہوئے بلکہ فہم دین سے آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ صراط مستقیم پر چلنے کے لیے آمادہ ہوئے اور آپ کی دینی اور علمی کاوشوں میں آپ کا ساتھ دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی دعوت وتبلیغ کی بنیاد قرآنِ مجید کو بنایا بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپ نے قرآنِ مجید کو اپنی دعوت کا مرکز ومحور بنایا۔ کیونکہ آپ کے نزدیک امت مسلمہ کے درپیش مسائل کا حل صرف اور صرف قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہے۔ اسی لیے آپ نے دروسِ قرآن کا سلسلہ نہ صرف پورے ملک میں بلکہ بیرون ملک بھی سرانجام دیا۔ قرآن کی دعوت جن ذرائع سے بھی لوگوں تک پہنچ سکتی تھی آپ نے ان ذرائع کو اختیار کیا۔ چنانچہ کہیں آپ نے دروس قرآن کا انعقاد کر کے' کہیں قرآن کانفرنسوں' محاضراتِ قرآنی' سیرت کانفرنسوں وغیرہ کا اہتمام کر کے اور کہیں اخبارات' ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ پر لیکچرز دے کر اقامت دین اور شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دیا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی ایک نمایاں اور منفرد کاوش دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام وانصرام کرنا بھی ہے۔ اس پروگرام کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ

آج رمضان المبارک میں پاکستان اور دنیا کے اکثر ممالک میں آپ کے شاگرد اس کام کو سرانجام دے رہے ہیں۔ بلکہ ٹیلی ویژن چینلز کے ذریعے دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں اس پروگرام کو دیکھا اور سنا جاتا ہے۔قرآن کے پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے کی ڈاکٹر صاحب کی یہ ایک اہم کاوش ہے۔

درس و تدریس اور تعلیم و تعلم قرآن کے ساتھ ساتھ آپ نے دعوتی' تدریسی اور تنظیمی ادارے بھی قائم کیے۔۱۹۷۲ء میں علمی کام کے فروغ کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن کے نام سے لاہور میں ایک ادارہ قائم کیا۔اس ادارے کے ذریعے ڈاکٹر صاحب نے نوجوان نسل کو قرآن کا داعی اور مبلغ بنانے کے لیے طویل اور مختصر دورانیے پر مشتمل مختلف کورسز شروع کیے جس کے نتیجے میں مدرسین قرآن کی ایک ایسی جماعت وجود میں آ گئی جو جدید تعلیم سے آراستہ (کیونکہ یہ کورسز کرنے والے اکثر و بیشتر افراد ڈاکٹرز' انجینئرز اور پی ایچ ڈی تک تعلیم حاصل کیے ہوتے ہیں) ہونے کے ساتھ ساتھ دینی علوم میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ لاہور کے حلقہ ہائے دروس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ اندرون اور بیرون ملک میں بھی یہ فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔مرکزی انجمن خدام القرآن کی کامیابی و کامرانی کے شواہد یہ ہیں کہ آج انجمن خدام القرآن کے ادارے نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی قائم ہیں اور یہ خدمت قرآن کا ایک بہت بڑا مرکز بن گئے ہیں جن کے تحت بیش بہا تدریسی' تبلیغی، تصنیفی امور اور تحقیقی کام جاری و ساری ہے اور ڈاکٹر صاحب کے دعوت رجوع الی القرآن کے مشن کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

اعلاء کلمۃ الحق کے لیے ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کاوش جو ڈاکٹر صاحب کے عمل پیہم اور جہد مسلسل کی نشاندہی کرتی ہے وہ ۱۹۷۵ء میں ''غیر سیاسی اصولی انقلابی جماعت''، تنظیم اسلامی کا قیام ہے۔جس کی بنیادی دعوت ڈاکٹر صاحب کی اس فکر پر مبنی ہے کہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق معلومات موجود ہیں اور یہ کہ ایک مسلمان پر تین بنیادی باتیں عبادتِ رب' دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی جدو جہد فرض ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تنظیم کی اساس شخصی بیعت ''طاعت فی المعروف'' پر قائم کی ہے جسے آپ نے امت مسلمہ کی تیرہ سو سالہ تاریخ کی شہادت کی بنا پر اختیار کیا۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی ہی میں تنظیم اسلامی کی جانشینی و امارت اپنے صاحب زادے حافظ عاکف سعید

کے سپرد کر دی اور اپنی تصنیف ''حساب کم و بیش'' کے صفحہ ۷۷ تا ۸۵ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا آغاز ہی اس جملے سے ہوتا ہے کہ ''اور اب آیئے اس الزام کی طرف کہ میں انجمن اور تنظیم کو اپنی ذاتی جاگیر یا موروثی بادشاہت بنانا چاہتا ہوں''۔ جانشینی کے مسئلہ پر اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے جو کافی اطمینان بخش ہے تاہم حسد سے بھرے اس دورِ جدید میں ایک قاری کے لیے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ چھ افراد جن میں کسی ایک کو ڈاکٹر صاحب کی جانشینی کے لیے نامزد ہونا تھا' وہ سب کے سب آج بھی اسی جذبے اور وفاداری سے تنظیم میں مصروفِ عمل ہیں جیسے ڈاکٹر صاحب کی امارت میں تھے۔

تنظیم اسلامی کے قیام کے علاوہ لوگوں کو خلافت کی برکات سے آگاہ کرنے اور خالص اسلامی نظام کے قیام کے لیے تحریک خلافت پاکستان کا قیام عمل میں لائے' ڈاکٹر صاحب کی دعوتی' تدریسی اور تنظیمی خدمات کے پیچھے ایک نظریہ یہ بھی کارفرما تھا کہ پاکستان صرف اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے لیکن ہم یہاں پر ابھی تک اسلام نافذ نہیں کر سکے۔ آپ کی دعوتی' تدریسی اور تنظیمی خدمات اسی نظریہ کی عکاس ہیں۔

الغرض آپ کی دعوتی خدمات سے یہ اثرات پیدا ہوئے کہ قرآن کی محبت و عظمت اور اس کے تقاضے صحیح معنوں میں عامۃ الناس پر آشکارا ہوئے' لوگوں میں غیر اسلامی رسم و رواج سے بیزاری کے اظہار کی جرأت پیدا ہوئی' سودی معیشت سے نفرت کا احساس اجاگر ہوا' بے حیائی اور لادینیت کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت پیدا ہوئی اور اسلامی نظام خلافت کی برکات سے آگاہی حاصل ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب بالخصوص علامہ اقبال' مولانا مودودی' مولانا ابوالکلام آزاد اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہم اللہ علیہم کی فکر سے متاثر تھے جن کی فکر یہ تھی کہ امتِ مسلمہ کی اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کو قرآنِ حکیم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قرآن حکیم کی تعلیمات کو عام کرنے میں بسر کیا۔ آپ نے نہ صرف پورے قرآنِ مجید کے سلسلہ وار درس دیے بلکہ انھوں نے قرآنِ حکیم کی سورتوں اور آیات کا ایک مخصوص نصاب بنایا جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمان دین کے تقاضوں اور مطالبات سے واقف ہوں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اصل رہنما قرآن و سنت کو بنائیں۔ آپ کے ان دروس میں فکری' علمی اور عملی رہنمائی کا ایک وافر سامان

موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اصل حیثیت مدرس قرآن کی تھی اور آپ نے اپنی اس حیثیت کو خوب منوایا۔ قرآن سے آپ کا رشتہ ہر لمحہ جڑا رہا۔ قرآن کی تعلیم کے فروغ کے لیے جو صورت بن آئی وہ آپ نے کی۔ چنانچہ دروس قرآن کے علاوہ تفسیر کے ضمن میں آپ کی ایک نمایاں کاوش ''بیان القرآن'' ہے جو اختصار' جامعیت اور علمیت کا حسین امتزاج ہے۔ آپ کے دروس اور تفسیر ''بیان القرآن'' قرآن وسنت' اقوال صحابہؓ و تابعینؒ قدیم و جدید مفسرین کی آراء' مفکرین اور فلاسفروں کے اقوال اور برمحل اشعار کے استعمال کے سبب آپ کے وسیع مطالعہ کے آئینہ دار ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی و دینی خدمات کے ضمن میں آپ کی تصنیفی خدمات بھی بہت اہمیت کی حامل ہیں ڈاکٹر صاحب کی تصانیف کی تعداد سو (۱۰۰) سے زائد ہے جن میں پچیس (۲۵) کتابچے ''مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' کے عنوان سے دو جلدوں میں مرتب کر دیے گئے ہیں۔ آپ کی انیس (۱۹) کتابوں کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے جبکہ آپ کی دو تصانیف ''مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق'' کا انگریزی کے علاوہ عربی' فارسی اور سندھی زبان میں اور ''خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام'' کا فارسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے کتب کے علاوہ مختلف موضوعات پر متعدد مضامین و مقالات بھی قلمبند کیے جن کی حتمی تعداد کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کے مضامین زیادہ تر ماہنامہ میثاق' سہ ماہی حکمت قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت میں شائع ہوتے رہے ہے۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی فراہم کردہ فہرست کے مطابق ۱۹۶۶ء سے ۲۰۰۴ء تک ماہنامہ میثاق میں شائع ہونے والے آپ کے مضامین کی تعداد تقریباً ۱۱۶۷ ہے۔ جبکہ ۱۹۸۲ء سے ۲۰۰۴ء تک سہ ماہی حکمت قرآن میں شائع ہونے والے مضامین کی تعداد تقریباً ۱۹۰ ہے۔ آپ کے نئے مضامین و مقالات کی اشاعت کا یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنے اصل مقصد کو فراموش نہیں کرتے۔ گہری اسلامی چھاپ اور مقصدیت ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ وہ اپنی تحریروں کو قرآنی حوالہ جات' احادیث مبارکہ' آئمہ وفقہاء کے اقوال' اردو عربی اور فارسی کے اشعار اور اشعارِ اقبال سے مزین کر کے اسلام کی حقانیت وصداقت کو پراعتماد اور عام فہم انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا انداز مدلل' مفصل' حکمت سے بھرپور' انذار وتبشیر اور امید ورجاء سے مربوط و متصل ہے۔ وہ

اپنی بات محکم، دوٹوک اور غیر متزلزل اور دعوتی اسلوب میں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ محبت الٰہی اور عشقِ رسولؐ میں اس کے عملی پہلو پر زور دیتے ہیں۔ نیز ان کی تحریروں سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ آپ مسلکی اختلافات سے دور رہتے ہوئے اتحاد بین المسلمین کے مبلغ اور داعی تھے۔

ڈاکٹر صاحب ایک حساس اور دردمند دل رکھنے والے انسان تھے۔ آپ اُمت مسلمہ کی حالت اور بالخصوص پاکستان کے مسلمانوں کی بدحالی دیکھ کر کڑھتے تھے۔ آپ کی اسلامی اور عصری نظریات پر گہری نظر تھی۔ آپ نے اسلامی اور عصری نظریات کے ساتھ عصر حاضر کے مسائل کو ان کی زمینی حقیقتوں کے تناظر میں دیکھا اور نہ صرف دیکھا بلکہ اس کے حل کے لیے اپنے افکار پیش کیے۔ انہوں نے اسلامی نظریات کو عہد حاضر کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے اجتہادی راہ اختیار کی۔ چنانچہ جہاں ڈاکٹر صاحب منہج انقلابِ نبوی ﷺ اور اسلامی نظامِ خلافت کی وضاحت کرتے ہیں، وہیں انقلابی طریق کار اور اسلامی نظام خلافت کی عصر حاضر میں کیا صورت حال ہو سکتی ہے، اس بات کو بھی بہت عمدگی سے پیش کرتے ہیں۔

قصہ مختصر ڈاکٹر صاحب کی دینی اور علمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ نے انتہائی خلوص سے اُمت مسلمہ کی اصلاحِ فکر اور درستی احوال کے لیے منظم و پیہم کاوشیں کیں اور اسلامی نظام زندگی کو ہی دُنیوی و اخروی فلاح کا ضامن قرار دیا۔ آپ کی شخصیت و کردار اور دینی و ملی خدمات میں مبلغین اور عامۃ الناس کے لیے راہ نمائی کا وافر سامان موجود ہے۔

مصادر ومراجع

☆ القرآن الحکیم

☆ احمد بن حنبل، ابو عبداللہ الشیبانی، المسند، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٩٩٤ء

☆ احمد حسین کمال، مولانا آزاد نے پاکستان کے بارے میں کیا کہا؟، حبیب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء

☆ احمد سعید، پروفیسر، حصول پاکستان، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۱۹۸۹ء

☆ اسرار احمد، ڈاکٹر، مسلمانوں پر قرآن کے حقوق، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع سی ونہم، ۲۰۱۰ء

☆ ایضاً، عظمت قرآن بزبان قرآن وصاحب قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ششم، ۲۰۰۵ء

☆ ایضاً، دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآنِ مجید، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع پنجم، ۲۰۱۰ء

☆ ایضاً، قرآن حکیم کی قوت تسخیر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۰ء

☆ ایضاً، راہ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع شانزدہم، ۲۰۰۸ء

☆ ایضاً، قرآن اور امن عالم، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع شانزدہم، ۲۰۰۴ء

☆ ایضاً، انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لیے قرآن کا لائحہ عمل، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۷ء

☆ ایضاً، جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع چہارم، ۲۰۰۰ء

☆ ایضاً، قرآنِ حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہشتم، ۱۴۳۰ھ

☆ ایضاً، تعارف قرآن مع عظمت قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، قرآنِ حکیم اور ہماری ذمہ داریاں، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب (متن)، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہفدہم، ۲۰۰۷ء

☆ ایضاً، مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۱۰ء، جلد اوّل، دوم

☆ ایضاً، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور، طبع اول، ۲۰۰۹ء، جلد اوّل

☆ ایضاً، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، پشاور، طبع اول، ۲۰۱۰ء، حصہ دوم

☆ ایضاً، رسول کامل ﷺ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع نہم، ۲۰۰۷ء

☆ ایضاً، معراج النبی علی الصلوٰۃ والسلام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہفتم، ۲۰۰۵ء

☆ ایضاً' نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں' انجمن خدام القرآن' لاہور' ۲۰۰۹ء
☆ ایضاً' عظمت مصطفیٰ ﷺ' مکتبہ انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع سوم' ۲۰۰۵ء
☆ ایضاً' اسوۂ رسول ﷺ سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع کی روشنی میں' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ششم' ۱۹۹۶ء
☆ ایضاً' منہج انقلاب نبوی ﷺ' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع دوازدہم' ۲۰۰۹ء
☆ ایضاً' نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہفتم' ۲۰۰۷ء
☆ ایضاً' رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۷ء
☆ ایضاً' مثیل عیسیٰ۔ علی مرتضیٰؓ' مکتبہ انجمن خدام القرآن' لاہور' ۱۹۹۵ء
☆ ایضاً' شہید مظلوم' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' ۲۰۰۵ء
☆ ایضاً' سانحۂ کربلا' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' ۱۹۸۳ء
☆ ایضاً' حقیقت ایمان' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۳ء
☆ ایضاً' حقیقت و اقسام شرک' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع اول' ۲۰۰۸ء
☆ ایضاً' توحید عملی سورۃ زمر تا سورۃ شوریٰ کی روشنی میں' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع چہارم' ۲۰۰۸ء
☆ ایضاً' عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہشتم' ۲۰۰۷ء
☆ ایضاً' مروجہ تصوف یا سلوکِ محمدیؐ؟ یعنی احسانِ اسلام' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع سوم' ۲۰۰۶ء
☆ ایضاً' جہاد فی سبیل اللہ: اصل حقیقت' اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع پنجم' ۲۰۰۸ء
☆ ایضاً' زندگی' موت اور انسان آئینہ قرآنی میں' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' ۲۰۰۹ء
☆ ایضاً' عظمت صوم حدیث قدسی فانه لی وانا اجز به کی روشنی میں' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' دوازدہم' ۲۰۰۴ء
☆ ایضاً' عظمت صیام و قیام رمضان المبارک' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہشتم' ۲۰۰۴ء
☆ ایضاً' اطاعت کا قرآنی تصور' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع سوم' ۲۰۰۳ء
☆ ایضاً' ایجاد و ابداع عالم سے عالمی نظام خلافت تک تنزل اور ارتقاء کے مراحل' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع اول' ۱۹۹۹ء
☆ ایضاً' مطالباتِ دین' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع ہفتم' ۲۰۰۰ء
☆ ایضاً' ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے' مرکزی انجمن خدام القرآن'

لاہور، طبع اول ۲۰۰۲ء

☆ ایضاً، دعوت الی اللہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اصول و مبادی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع یازدہم ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، ہماری دینی و ملی ذمہ داریاں اور قرب الٰہی کے دو مراتب: کتاب و سنت کی روشنی میں، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع پنجم ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہشتم ۲۰۰۶ء

☆ ایضاً، تنظیم اسلامی کی دعوت، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، طبع ششتم ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، دینی فرائض کا جامع تصور، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، امت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم ۱۹۹۵ء

☆ ایضاً، اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ششم ۲۰۰۹ء

☆ ایضاً، اسلام کا معاشی نظام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع ہفتم ۲۰۰۵ء

☆ ایضاً، اسلام میں عورت کا مقام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع سیزدہم ۲۰۰۸ء

☆ ایضاً، شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں اتباع نبویؐ پر مبنی ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح کا ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۵ء

☆ ایضاً، مسلمان خواتین کے دینی فرائض، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دہم ۲۰۰۸ء

☆ ایضاً، خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع چہارم ۲۰۰۵ء

☆ ایضاً، عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اول ۲۰۰۲ء

☆ ایضاً، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے خاتمے کی صورت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اول ۲۰۰۱ء

☆ ایضاً، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۹۲ء

☆ ایضاً، حساب کم وبیش اور گزارش احوال واقعی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع سوم ۲۰۰۵ء

☆ ایضاً، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کرنے کا اصل کام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع سیزدہم ۲۰۰۵ء

☆ ایضاً، برعظیم پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، طبع پنجم ۲۰۰۶ء

☆ ایضاً، حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۰ء

☆ ایضاً' تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ششم' ۲۰۰۵ء
☆ ایضاً' تاریخ جماعت اسلامی ایک گمشدہ باب نقش غزل' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع چہارم' ۲۰۰۹ء
☆ ایضاً' مولانا مودودی اور میں' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' ۱۹۹۴ء
☆ ایضاً' جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع چہارم' ۱۹۹۸ء
☆ ایضاً' مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی اور ان کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے ایک عملی تجویز اور جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کے ساتھ وفاق کے قیام کی پیش کش' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ہفتم' ۲۰۰۷ء
☆ ایضاً' تعارف تنظیم اسلامی پس منظر اور اساسی نظریات' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع نہم' ۲۰۰۹ء
☆ ایضاً' عزم تنظیم' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع پنجم' ۲۰۰۷ء
☆ ایضاً' اسلام اور پاکستان تاریخی' سیاسی' علمی اور ثقافتی پس منظر' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع پنجم' ۱۹۹۶ء
☆ ایضاً' استحکام پاکستان' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع ہفتم' ۲۰۰۶ء
☆ ایضاً' پاکستان میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے؟ مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع چہارم' ۲۰۰۹ء
☆ ایضاً' علامہ اقبال اور ہم' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع ششم' ۱۹۹۷ء
☆ ایضاً' سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داریاں' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع نہم' ۲۰۰۹ء
☆ ایضاً' موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل' مکتبہ انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۶ء
☆ ایضاً' شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' س۔ن
☆ ایضاً' پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات و خدشات اور بچاؤ کی تدابیر' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۶ء
☆ ایضاً' بصائر منتخب اخباری کالموں کا مجموعہ' مکتبہ خدام القرآن' لاہور' طبع اوّل' ۲۰۰۶ء
☆ ایضاً' پاکستان کی سیاست کا پہلا عوامی اور ہنگامی دور' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع اوّل' ۱۹۹۶ء
☆ ایضاً' پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' طبع اوّل' ۲۰۰۴ء

☆ ایضاً‘ عیسائیت اور اسلام‘ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ طبع اوّل‘ ۱۹۹۵ء
☆ ایضاً‘ علامہ اقبال‘ قائداعظم اور نظریۂ پاکستان‘ مکتبہ خدام القرآن‘ لاہور‘ طبع اوّل‘ ۲۰۰۷ء
☆ ایضاً‘ دستور تنظیم اسلامی‘ تنظیم اسلامی گڑھی شاہو‘ لاہور‘ ۲۰۰۸ء
☆ اسعد گیلانی سید‘ اقبال‘ دار السلام اور مودودی‘ اسلامی اکادمی‘ لاہور‘ ۱۹۷۸ء
☆ اصغر حسین سید‘ حیات شیخ الہند‘ دار الکتب اصغریہ دیوبند‘ ضلع سہارن پور‘ س۔ن
☆ اصلاحی‘ امین احسن‘ تدبر قرآن‘ فاران فاؤنڈیشن‘ لاہور‘ طبع ہفتم‘ ۱۹۹۸ء
☆ افتخار احمد‘ پروفیسر‘ عالمی تحریک اسلامی کے عظیم قائدین سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ‘ تو دی پوائنٹ پبلشرز‘ لاہور‘ طبع اوّل‘ ۲۰۰۱ء
☆ اکبر علی‘ پاکستان جدید دور کے تقاضے‘ تخلیقات‘ مزنگ روڈ‘ لاہور‘ ۲۰۰۰ء
☆ آلوسی‘ شهاب الدين السيد محمود‘ روح المعانی فی تفسير القرآن العظيم والسبع المثانی‘ دار احياء التراث‘ بيروت‘ لبنان‘ الطبعة الرابعة‘ ١٩٨٥ء
☆ انجیل برناباس‘ مولانا محمد حلیم انصاری (مترجم)‘ ادارہ اسلامیات‘ لاہور‘ طبع سوم‘ ۲۰۰۳ء
☆ انصاری‘ محمد ضیاء الدین‘ مولانا آزاد‘ سرسید اور علی گڑھ‘ انجمن ترقی اردو ہند‘ نئی دہلی‘ ۲۰۰۲ء
☆ انیس احمد‘ مولوی‘ انوار القرآن‘ مرکزی انجمن خدام القرآن‘ لاہور‘ ۲۰۰۱ء
☆ البخاری‘ ابو عبدالله محمد بن اسماعيل‘ الجامع الصحيح‘ دارالسلام‘ الرياض‘ الطبعة الثانية‘ ٢٠٠٠ء
☆ الترمذی‘ ابو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ‘ الجامع الصحيح‘ دار السلام‘ الرياض‘ ٢٠٠٠ء
☆ چراغ‘ محمد علی‘ پاکستان منزل بہ منزل‘ ۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء‘ سنگ میل پبلی کیشنز‘ لاہور‘ ۱۹۹۷ء
☆ ایضاً‘ اکابرین تحریک پاکستان‘ سنگ میل پبلی کیشنز‘ لاہور‘ ۱۹۹۷ء
☆ ایضاً‘ تاریخ پاکستان‘ سنگ میل پبلی کیشنز‘ لاہور‘ ۲۰۰۱ء
☆ حسن ریاض‘ سید‘ پاکستان ناگزیر تھا‘ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ‘ کراچی‘ طبع پنجم‘ ۱۹۸۷ء
☆ خورشید احمد ندیم‘ اسلام اور پاکستان‘ ادارہ علم و تحقیق‘ لاہور‘ ۱۹۹۵ء
☆ ابو داؤد‘ سليمان بن اشعث‘ السنن‘ دار السلام‘ الرياض‘ الطبعة الثانية‘ ٢٠٠٠ء
☆ ذاکر نائیک‘ عبدالکریم‘ ڈاکٹر‘ اسلام پر ۴۰ اعتراضات کے عقلی و نقلی جوابات‘ محمد رضا‘ ذوالقرنین (مترجمین)‘ دار السلام پبلشرز‘ لاہور‘ ۲۰۰۷ء
☆ ایضاً‘ خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک‘ سید ریحان شاہ (مترجم) دعا پبلی کیشنز‘ لاہور‘ س۔ن
☆ الرازی‘ فخر الدين محمد بن عمر‘ التفسير الكبير او مفاتيح الغيب‘ دار الكتب العلمية‘

بیروت' لبنان' الطبعة الثانية' ٢٠٠٤ء
☆ رزاقی' شاہد حسین' تاریخ جمہوریت' ادارہ ثقافتِ اسلامیہ' لاہور' طبع دوم' ۱۹۷۵ء
☆ سید مودودی' ابوالاعلیٰ' تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور' ۲۰۰۶ء
☆ ایضاً' جماعت اسلامی کا مقصد' تاریخ اور لائحہ عمل' دارالاشاعت اسلامی' لاہور' ۱۹۹۲ء
☆ ایضاً' تحریک آزادی ہند اور مسلمان' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۸۴ء
☆ ایضاً' اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات' اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ' لاہور' طبع دوم' ۱۹۹۰ء
☆ ایضاً' خلافت وملوکیت' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۹۸ء
☆ السیوطی' جلال الدین' الاتقان فی علوم القرآن' مکتبه الصفاء' قاهره' طبع اول' ٢٠٠٦ء
☆ شعبہ تنظیم جماعت اسلامی' روداد جماعت اسلامی' شعبہ نشر واشاعت' منصورہ' لاہور' ۲۰۰۸ء
☆ ایضاً' دستور جماعت اسلامی پاکستان' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور' ۲۰۰۸ء
☆ صدیقی' حمید رضا' نظریہ پاکستان پس منظر اور پیش منظر' کاروان ادب' لاہور' ۱۹۸۹ء
☆ الطبرانی' سلیمان بن احمد' المعجم الکبیر' حمدی بن عبدالمجید السلفی (تحقیق) ' دار احیاء التراث العربی' الطبعة الثانية' ٢٠٠٢ء
☆ ابن عباس' عبدالله' تنوير المقياس' دار الكتب العلمية' بيروت' الطبعة الثانية' ٢٠٠٤ء
☆ عبدالرحمٰن چوہدری' مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی' اسلامک پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۸۸ء
☆ عبداللطیف عثمانی' مولانا مالک کاندھلویؒ کی علمی خدمات (مقالہ ایم فل)' شیخ زائد اسلامک سنٹر' جامعہ پنجاب' لاہور' ۲۰۰۱ء
☆ غازی محمد وقاص (مرتب) ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں' صفہ پبلشرز' لاہور' طبع اول' ۲۰۱۰ء
☆ فائق کامران' تحریک پاکستان' فیروز سنز لمیٹڈ' لاہور' س۔ن
☆ فلاحی' عبیداللہ فہد' ڈاکٹر' تاریخ دعوت وجہاد' ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور' طبع سوم' ۲۰۰۰ء
☆ فیوض الرحمٰن' حافظ' مشاہیر علماء دیوبند' المکتبۃ العزیزیہ' لاہور' ۱۹۷۶ء
☆ قریشی' محمد فاروق' مولانا ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست' تخلیقات' لاہور' ۱۹۹۷ء
☆ ابن کثیر' عماد الدین ابی الفداء اسماعیل' تفسیر قرآن العظیم' مکتبہ' دارالسلام' الریاض' الطبعة الثانية' ١٩٩٨ء
☆ ابن ماجه' محمد بن يزيد القزويني' السنن' دار السلام' الرياض' طبع اولیٰ' ١٩٩٩ء
☆ محمد اقبال' علامہ' ڈاکٹر' بال جبریل (نظم حال ومقام)' شیخ غلام اینڈ سنز' لاہور' س۔ن
☆ محمد اقبال' علامہ' ڈاکٹر' بال جبریل' طبع بست وششم' ۱۹۸۴ء

☆ محمد سلیم، سید، پروفیسر، تاریخِ نظریہ پاکستان، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، طبع سوم، ۱۹۹۶ء
☆ محمد عارف، ڈاکٹر، تحریک پاکستان، پروگریسو پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۴ء
☆ مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، دار السلام، الریاض، الطبعة الثانية، ۲۰۰۰ء
☆ مفتاح الدین ظفر، تاریخ پاکستان، عزیز پبلشرز، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۸۲ء
☆ ناعمہ صہیب، تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات، کتاب سرائے، لاہور، ۲۰۰۹ء
☆ ندوی، سید ابوالحسن، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، طبع ہفتم، س۔ن
☆ ہارون عثمانی، مولانا امین احسن اصلاحی کی نثری خدمات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۶ء
☆ Rafi-ud-Din, Dr., Ideology of the Future, Dr. Rafi udin Foundation,

لغات ودائرۃ المعارف

☆ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء
☆ انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا از سید قاسم محمود، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۴ء
☆ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا از سید قاسم محمود، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء
☆ فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، طبع سوم، ۱۹۸۴ء
☆ ایضاً، طبع چہارم، ۲۰۰۵ء
☆ فیروز اللغات از فیروز الدین، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، س۔ن
☆ قومی انگریزی اردو لغت مقتدرہ قومی زبان پاکستان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع ششم، ۲۰۰۶ء
☆ لسان العرب از جمال الدين ابن منظور، دار صادر، بيروت، طبع ثالث، ۱۹۹٤ء
☆ المعجم الوسيط، از ابراهيم مصطفى، دار الدعوة، استنبول، ۱۹۸۲ء
☆ The New International Webster's Comprehensive Dictionary of The English Language, Tredent Press, International, U.S.A, 2004

رسائل وجرائد

☆ ترجمان القرآن (ماہنامہ)، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ۲۰۰۴ء؛ مئی ۲۰۱۰ء
☆ حکمت قرآن (سہ ماہی)، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، اپریل۔ جون ۲۰۱۰ء
☆ محدث (ماہنامہ)، مجلس تحقیق اسلامی، لاہور، مئی ۲۰۱۰ء
☆ فیملی میگزین (ہفت روزہ)، لاہور، ۲۵ اپریل۔ یکم مئی ۲۰۱۰ء
☆ میثاق (ماہنامہ)، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، اکتوبر ۱۹۸۸ء؛ جولائی ۱۹۸۹ء، اپریل ۲۰۰۲ء؛ ستمبر

۲۰۰۳ء؛ اپریل ۲۰۰۸ء؛ نومبر ۲۰۰۸ء؛ جون ۱۹۹۱ء؛ اگست ۱۹۹۱ء؛ نومبر ۱۹۹۱ء؛ نومبر ۱۹۹۶ء؛ مئی ۲۰۱۰ء

☆ ندائے خلافت (ہفت روزہ)' مکتبہ جدید پریس لاہور' ۲۱ جنوری - ۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء؛ ۲۵ فروری - ۲ مارچ ۱۹۹۲ء؛ ۱۰ مارچ - ۱۶ مارچ ۱۹۹۲ء؛ ۴ مئی - ۱۰ مئی ۲۰۱۰ء؛ ۲۷ اپریل - ۳ مئی ۲۰۱۰ء

☆ اسلام (روزنامہ)' لاہور' ۲۱ اپریل ۲۰۱۰ء

☆ ایکسپریس (روزنامہ)' کراچی' ۱۸ اپریل ۲۰۱۰ء؛

☆ پاکستان (روزنامہ)' لاہور' ۲ مئی ۲۰۱۰ء

☆ جسارت (روزنامہ)' لاہور' ۲۴ اپریل ۲۰۱۰ء

☆ جنگ (روزنامہ)' لاہور' ۱۵ اپریل ۲۰۱۰ء؛ ۱۶ اپریل ۲۰۱۰ء؛ کراچی' ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء

☆ نوائے وقت (روزنامہ) لاہور' ۱۶ اپریل ۲۰۱۰ء

بالمشافہ ملاقات

☆ پروفیسر ڈاکٹر ابصار احمد برادر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم

☆ والدہ صاحبہ حافظ عاکف سعید امیر تنظیم اسلامی

☆ محترمہ امۃ المعطی صاحبزادی ڈاکٹر اسرار احمد

☆ محترمہ راضیہ عاکف بہو

☆ محترمہ خاشعہ عارف پوتی

☆ محترمہ مومنہ عاطف پوتی ڈاکٹر ابصار احمد

☆ جناب محمود عالم میاں مدیر عمومی مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

☆ جناب سید احمد حسن معتمد عمومی تنظیم اسلامی گڑھی شاہو' لاہور

☆ شیخ رحیم الدین شعبہ مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

☆ جناب عبدالرزاق ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

☆ جناب عبدالمتین مجاہد سینئر لائبریرین قرآن اکیڈمی' لاہور

☆ ڈاکٹر محمد سعد صدیقی ایسوسی ایٹ پروفیسر' شعبہ علومِ اسلامیہ' جامعہ پنجاب' لاہور

☆ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ (ریٹائرڈ) گورنمنٹ ایف سی کالج' لاہور

متفرقات

☆ پراسپکٹس قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس نیو گارڈن' لاہور

☆ تعارف کلیۃ القرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، س۔ن
☆ دستور تحریک خلافت پاکستان، تحریک خلافت پاکستان، لاہور، ۲۰۰۰ء
☆ سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، برائے سال ۲۰۰۶ء، ۲۰۰۷ء
☆ سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، برائے سال ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء
☆ قواعد وضوابط مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۹۱ء
☆ نظام العمل، تنظیم اسلامی گڑھی شاہو، لاہور، طبع پنجم، ۲۰۰۹ء
☆ نظام العمل حلقہ خواتین، تنظیم اسلامی گڑھی شاہو، لاہور، س۔ن

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ــ اور ــ غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ